محمد صدیق ڈار رحمۃ اللہ علیہ

(شیخ سوئم) سلسلہ عالیہ توحیدیہ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مقالاتِ معرفت

مصنف

محمد صدیق ڈار توحیدی رحمۃ اللہ علیہ

(شیخ سوئم) سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مصنف	:	محمد صدیق ڈار توحیدی رحمۃ اللہ علیہ
سن اشاعت	:	اکتوبر ۲۰۲۳ء
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	۵۰۰ روپے
ناشر	:	محمد یعقوب توحیدی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ملنے کا پتہ

مرکز تعمیر ملت، وحید کالونی کوٹ شاہاں، گوجرانوالہ

03449000042

03030466321

www.tauheediyah.com

فہرست مقالات

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم قال اللّٰہ تعالیٰ:

یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ۔ اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ۔

(سورۃ الشعرآء:۸۹-۸۸)

اُس دن مال اور بیٹے نفع نہ دیں گے مگر جو آیا اللہ کے پاس قلب سلیم کے ساتھ۔

قلب سلیم کی وضاحت بانی سلسلہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اپنی تصنیف چراغِ راہ کے تیسرے خطبے میں ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ ''چوتھی نعمت جو تصوف کی بدولت انسان کو ملتی ہے اور جو انسان کو فرشتوں سے بھی افضل بنا دیتی ہے قلب سلیم ہے۔ قلب سلیم سے انسان کو کیا کیا ملتا ہے، یہ الفاظ میں نہیں بتایا جا سکتا صرف کر کے دیکھنے سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ تاہم اتنا بتایا جا سکتا ہے کہ مدت دراز تک عبادت، مجاہدہ، تزکیہ اخلاق اور ذکر و فکر کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سالک کا قلبی تعلق ساری دنیا سے قطع ہو کر صرف اللہ سے قائم ہو جاتا ہے۔ یعنی بمصداق وتبتل الیہ تبتیلا وہ سب کو چھوڑ کر اللہ کا ہو

رہتا ہے۔اللہ سے اس کی قوی نسبت قائم ہو جاتی ہے۔ ہر امر میں اس کو اللہ سے براہِ راست ہدایت ملنے لگتی ہے اور وہ خیر و شر کی پہچان اور اپنے حقوق کی بجا آوری میں کبھی غلطی نہیں کرتا۔ دنیا کے جتنے انفرادی یا اجتماعی مسائل اسے پیش آتے ہیں سب کو کما حقہ سمجھتا اور ہمیشہ صحیح فیصلہ کرتا ہے۔ جتنے آدمی اس سے ملتے ہیں ان میں سو جو ملنے کے قابل نہیں ہوتے اس کا دل ان کی طرف کبھی مائل نہیں ہوتا باوجود اس کے وہ ان سے بھی بڑے پیار اور اخلاق سے ملتا ہے اور جو خدمت ممکن ہو اس سے گریز نہیں کرتا۔قلب سلیم کی برکتیں کہاں تک گنوائی جائیں۔مختصر یہ کہ صاحب قلب سلیم براہ راست اللہ کی نگرانی اور حفاظت میں آجاتا ہے اور ہر قسم کے مضرات اور مہلکات سے بچا رہتا ہے۔لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ایسے آدمی کا دنیا اور امور دنیوی سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں رہتا۔وہ دنیا کے سارے کام اسی طرح کرتا ہے جیسے ایک غیر صوفی اور عام نیک آدمی کرتا ہے۔یہ بھی نہ سمجھنا چاہیے کہ اس کو کسی رنجیدہ بات کا رنج اور خوش کن بات کی خوشی نہیں ہوتی یا غریبوں، بیماروں اور بے کس و لاچار آدمیوں کو دیکھ کر اس کا دل نہیں دکھتا۔لیکن کوئی تاثر بھی دو چار منٹ سے زیادہ نہیں رہنے پاتا اور اس قلیل عرصہ میں بھی وہ خدا سے غافل نہیں رہتا۔اس کی حالت بالکل حرفِ مشدد کی سی ہوتی ہے کہ ایک طرف مخلوق میں شامل ہوتا تو دوسری طرف اللہ سے واصل رہتا ہے۔کیا اس سے زیادہ نعمت ایک انسان کے لئے اور بھی کوئی ہو سکتی ہے۔آیئے اب دعا کریں کہ اللہ ہم سب کو ایسا ہی قلب سلیم عطا فرمائے۔آمین یا رب العالمین۔"

مذکورہ جملے صد فی صد "مقالات معرفت" کے مصنف جناب محمد صدیق ڈارؒ (شیخ سوئم سلسلہ عالیہ توحیدیہ) کی شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں۔اگر کوئی شخص سلسلہ توحیدیہ کی تعلیمات کو مجسم صورت میں دیکھنا چاہتا ہے تو وہ ڈار صاحبؒ کی زندگی کو دیکھ لے اور اگر اسے یہ موقع نہیں مل سکا تو آپکی تصنیفات کا مطالعہ اسے توحیدیہ سلوک کے آسان فہم عملی پہلوؤں سے بخوبی آگاہ کر دے گا۔آپؒ نے بانی سلسلہ کی مندرجہ ذیل ہدایات کو اپنی شخصیت کا جزو لاینفک بنالیا تھا اور آخر دم تک ان پر عمل پیرا رہے۔

بانی سلسلہ توحیدیہؒ اپنے مریدین کو کہا کرتے تھے کہ ''میں تمہیں صحوی وتصوفِ بیدار کی تعلیم دے رہا ہوں۔شوق اور جوش سے عمل کرو، عمل کرو اور عمل کرتے رہو۔روحانی نشہ میں بے کار مت پڑے رہو اپنی اصلاح کرو، دنیوی ترقی کے لئے راہیں نکالو اور ان پر عمل کرو۔خلق خدا کی خدمت کرو، سب کے ساتھ محبت سے پیش آو، کتنی ہی تکلیفیں اور مصیبتیں پڑیں مایوس اور اداس مت ہو، ہمت نہ ہارو، ہمیشہ خوش رہا کرو۔ دل میں خدا کو بسائے رکھو، ہاتھ پاؤں کو خدمت خلق میں لگائے رکھو۔یہی دائمی مسرت اور حقیقی زندگی کا راز ہے مرتے دم تک کام کرتے رہو اور خدا کی یاد میں مر جاؤ، ایسی زندگی کا صلہ تو خود خدا ہے۔''

صدیق ڈار صاحبؒ نے توحیدیہ تعلیمات کو اپنا حرزِ جان بنا لیا اور ایک بھرپور زندگی گزاری، بیعت ہونے کے بعد دو سال کے قلیل عرصے میں ہی بانی سلسلہؒ نے آپ کو اپنا مجازِ روحانی مقرر کر دیا۔ائیر فورس کی ملازمت کے دوران اندرون و بیرون ملک بہترین خدمات کے اعتراف کے طور پر آپ کو کئی اعزازات سے نوازا گیا۔آپ نے چیف وارنٹ آفیسر کے طور پر ریٹائرڈ ہونے کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی نسبت سے کپڑے کی تجارت شروع کی تاوقتیکہ ۱۹۹۱ء میں آپ کو سلسلہ توحیدیہ کے تیسرے شیخ کی ذمہ داری سونپی گئی۔اس ذمہ داری کے بعد آپ کے روحانی، علمی، انتظامی اور اخلاقی محاسن خوب نکھر کر سامنے آئے جن میں سے بیشتر کا مظاہرہ قارئین آئندہ صفحات میں بخوبی کریں گے۔

زیرِ نظر کتاب ''مقالاتِ معرفت'' ماہنامہ فلاح آدمیت میں تحریر کردہ آپکے مضامین کا مجموعہ ہے جنکے موضوعات میں قرآن فہمی، روحانیت، تفکر و تدبر، سائنس، سیاست، خارجہ پالیسی، اخلاق، عقائد، ذکر الٰہی، پند و نصائح، اشاعت و نفاذ دین شامل ہیں۔ان تمام مضامین کی خاص خوبی ان میں پایا جانے والا حقیقی اسلامی تصوف کا توحیدی رنگ ہے جسے قرآن حکیم کے ٹھوس و دل نشین دلائل، ضرب الامثال اور اشعار مزید نکھارتے ہیں۔آیاتِ کائنات کے بارے میں تفکر و تدبر کی دعوت دیتے ہوئے کئی نئے پہلوؤں کی

نشاندہی بھی فرماتے ہیں۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے ایک اقتباس پیش خدمت ہیں۔

''اب ذرا اپنی عظیم الجثہ زمین کے بارے میں غور فرمایئے جو اپنے محور کے گرد گھومنے کے ساتھ ساتھ اپنے مقررہ مدار میں تیرتی ہوئی مسلسل چل رہی ہے۔ اگر یہ صحیح طور پر بیلنس نہ ہوتی تو کبھی بھی کسی مقررہ راستہ پر نہ چل سکتی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زمین کو اس مہارت اور نفاست سے بیلنس کر رکھا ہے کہ ہم انسان جو اس کی سطح پر آباد ہیں بلکہ یوں کہیے کہ اس پر سوار خلا میں ۶۰ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے مسلسل سفر کر رہے ہیں اس کی کسی حرکت کو محسوس تک نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کام زمین کے مختلف مقامات پر پہاڑوں کو ڈال کر کیا۔ چنانچہ سورۃ الانبیاء آیت ۳۱ میں ارشاد فرمایا: وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ (اور ہم نے زمین میں پہاڑ ڈال دیئے تا کہ ان کو لے کر کسی ایک طرف جھک نہ جائے۔) سائنس دان غالباً ابھی یہ معلوم نہیں کر سکے کہ زمین اور پہاڑ اپنی خلقت اور مادہ کی نوعیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ابتدائی سائنس کا وہ نظریہ اب بوسیدہ ہو چکا ہے کہ جب زمین کا سرخ گولہ آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہوا تو جو سخت حصے تھے وہ اوپر اٹھ آئے اور پہاڑ بن گئے۔ قرآن میں صاف صاف لکھا ہے کہ پہاڑ زمین کے اوپر سے خلا میں ڈالے یا گرائے گئے تھے۔ چنانچہ سورۃ حم سجدہ آیت ۱۰ میں ارشاد ہوا ہے: وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا (اللہ نے زمین پر اس کے اوپر سے پہاڑ ڈالے۔) زمین چونکہ اپنے محور پر شرقاً غرباً گھومتی ہے اور گھومتی ہوئی زمین پر خلا سے جو مادہ گرایا گیا ہوگا اس کا پھیلاؤ بھی زیادہ تر شرقاً غرباً ہی ہونا چاہیے۔ اسی نقطہ نظر سے دنیا کے مشہور سلسلہ ہائے کوہ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے کہ کیا ہمالیہ کی طرح وہ بھی شرقاً غرباً پھیلے ہوئے ہیں؟''

موجودہ دور میں نہ صرف تصوف کی تعلیمات بلکہ دین کا ظاہری ڈھانچہ بھی رنگ برنگی رسومات وبدعات میں چھپ چکا ہے۔ آج اربوں مسلمان خس وخاشاک کے اس ڈھیر کی صورت اختیار کر چکے ہیں جسے عالم کفر ایک بگولے کی مانند ادھر ادھر بکھیر رہا ہے کیونکہ وہ روحانی طور پر معرفت ومحبت الٰہی کے جوہر سے محروم ہو چکے ہیں۔

جناب صدیق ڈارؒ کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئیں حیات بخش تعلیمات نہ صرف سالکین راہ خدا کو قرب وعرفان الٰہی کی بلند منزلوں سے شناسا کریں گی بلکہ انفرادی و اجتماعی سطح پر وحی الٰہی کے حقیقی پیغام کو سمجھنے، اپنانے اور روح کو دائمی حیات کی ابدی دولت سے سرفراز کرنے نیز اقوام عالم میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کے لئے بنیاد کا کام دے سکتی ہیں۔ بقول اقبالؒ خدا کی نصرت روح کی زندگی سے مشروط ہے۔

تیرا تن روح سے نا آشنا ہے
عجب کیا آہ تیری نارسا ہے
تن بے روح سے بے زار ہے حق
خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے

زیر نظر مقالات کو قارئین تک پہنچانے کے لئے جن بھائیوں نے کاوش کی ہے خصوصاً ڈاکٹر سید رحمت اللہ شاہ، ڈاکٹر احمد رضا خان اور ماجد محمود، ان کے لئے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں سرفراز فرمائے، اپنے قرب خاص سے نوازے اور ان مقالات کو سالکین راہ خدا کے لئے راہنمائی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
یکم اکتوبر ۲۰۲۳ء

مقصودِ حیات

بنی نوع انسان کے لیے یہ اہم ترین اور بنیادی نوعیت کا سوال ہے کہ
آخر کار انسان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ کیا انسان کی زندگی رحم مادر سے شروع ہو کر موت پر ختم ہو جاتی ہے؟ کیا انسان بھی کرۂ ارض پر بسنے والے دوسرے حیوانوں کی طرح ایک حیوان ہی ہے یا ان سے علیحدہ اور منفرد حیثیت کی حامل کوئی خاص ہستی ہے؟ کیا حیاتِ ارضی کا مقصود یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرے اور مر جائے؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنا انسانی عقل کے بس کا روگ نہیں ہے۔ انسان تو اس زمین پر لاکھوں برس گزارنے کے باوجود مادی اشیاء کی حقیقت کو ہی نہیں سمجھ پایا تو وہ دیگر کائنات اور روح و نفس کی لطافتوں کو کیونکر جان سکتا ہے؟ انسانیت کے لیے نجات کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ عقلِ فرومایہ کی امامت کا دامن چھوڑ کر خالق کائنات کے حضور سربسجود ہو کر راہنمائی طلب کرلے تاکہ حیات و ممات کی حقیقت اور اپنی تخلیق کے مقصد سے آگاہ ہو کر اپنی جدوجہد کا قبلہ درست کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت کی بدولت انسانوں کو مقصودِ حیات
سے آگاہ کرنے اور اس کے حصول کے طریقے سکھانے کے لیے اپنے رسول بھیجنے کا سلسلہ قائم فرما دیا تاکہ بنی نوع انسان اندھیروں میں بھٹکتی نہ پھرے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں ایک مخفی خزانہ تھا جب میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا۔'' اس حدیث مبارکہ سے یہ انکشاف ہوا کہ مخلوق کو وجود میں لانے کی غرض و غایت یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کی

معرفت یعنی پہچان حاصل کر کے اس کی حمد وثناء اور تسبیح وتہلیل کرے۔اللہ تعالیٰ نے پہلے ملائکہ، جمادات، نباتات، حیوانات اور جنات کو پیدا فرمایا۔قرآن مجید کے مطابق کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کو پہچانتی، اس کی تسبیح بیان کرتی اور اس کی اطاعت کرتی ہے، یہاں تک کہ جمادات جنہیں انسان بے جان اور بے شعور گردانتا ہے وہ بھی اپنے خالق کی پہچان اور اس کی تسبیح کرنے کا شعور رکھتے ہیں اور اس کی طرف سے مقرر کردہ وظیفہ حیات کو بغیر کسی خطا ونسیان کے پوری طرح ادا کرتے ہیں۔ایٹم کے اندر چھپے ہوئے الیکٹرون اور ان سے بھی چھوٹے ذرّات جن سے الیکٹرون بنتے ہیں، اللہ کے قانون کے اس قدر پابند ہیں کہ اپنے فرائض سے سرِ مُو انحراف نہیں کرتے۔جمادات کے شعور سے نباتات کا شعور کسی قدر اونچا ہے اور حیوانات کا شعور ان دونوں سے بلند تر ہے۔اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب میں پودوں اور درختوں کے سجدہ کرنے اور پرندوں کی صلوٰۃ وتسبیح کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے۔گویا پوری کائنات اپنے خالق کو پہچانتی، اس کی تسبیح کرتی، اسے سجدہ کرتی اور اس کی اطاعت میں لگی ہوئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ بلند ترین شعور کا حامل ہونے کے باوجود جو انسان اپنے خالق کو پہچاننے میں ناکام رہے، قرآن اسے حیوانوں سے بھی بدتر مخلوق قرار دیتا ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے زمین و آسمان، عالم جمادات، نباتات، حیوانات اور جنات کو پیدا کرنے کے بعد ارادہ فرمایا کہ اب اس مخلوق کو وجود میں لایا جائے جس کی خاطر یہ سب کچھ بنایا گیا ہے، سب سے بعد پیدا کی جانے ولی اس خاص مخلوق کو برتر شعور، محبت کے نور اور احسن تقویم سے مشرف کر کے اسے صاحب علم، صاحب ارادہ اور صاحب اختیار بنایا جائے تا کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر میری معرفت کے میدان میں دوسری مخلوقات سے آگے نکل جائے اور میری رضا اور لقاء حاصل کرنے کے قابل بن سکے، چنانچہ حضرت انسان کو پیدا فرمایا گیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو تسخیر کائنات، تعمیر خودی اور اپنی محبت کا خصوصی ذوق عطا فرما کر کرہ ارض کی خلافت سے نوازا تا کہ وہ زمین کے ذرے ذرے میں اور خود اپنے نفس میں پوشیدہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی معرفت کا سفر طے کرتے

ہوئے اللہ تعالیٰ کی محبت میں آگے بڑھتا چلا جائے اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں حریم ذات تک جا پہنچے۔

پیام مشرق میں علامہ محمد اقبالؒ نے انسان کی پیدائش کے اہم واقعہ کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاک جہان مجبور
خودگرے، خود شکنے، خودنگرے پیدا شد
خبرے رفت ز گردوں بہ شبستان ازل
حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد
آرزو بیخبر از خویش با آغوش حیات
چشم وا کرد و جہان دگرے پیدا شد
زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر
تا ازیں گنبد دیرینہ درے پیدا شد (1)

عشق نے نعرہ لگایا کہ خونیں جگر پیدا ہوا، حسن شوق سے لرز اٹھا کہ صاحب نظر پیدا ہوا، فطرت تڑپ اٹھی کہ اس جہان مجبور کی خاک سے خود کو بنانے والا، خود کو بگاڑنے والا اور خود اپنے اندر محور رہنے والا پیدا ہوا، آسمانوں سے شبستان ازل تک یہ خبر پھیل گئی کہ پردوں میں چھپ کر رہنے والو! ہوشیار ہو جاؤ کہ پردہ در پردہ پیدا ہوا، آرزو جو کہ اپنے آپ سے بے خبر زندگی کی گود میں سو رہی تھی کہ اس نے آنکھ کھولی اور ایک نیا جہان پیدا ہوا۔ زندگی نے کہا کہ میں ایک

---

(1) پیام مشرق

طویل عرصہ خاک کی آغوش میں تڑپی ہوں تب کہیں جا کر اس پرانے گنبد یعنی آسمان میں در پیدا ہوا ہے۔

حیات ارضی کی غرض و غایت ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو جوہر انسان کو عطا کر رکھا ہے وہ اسے بروئے کار لا کر کمال تک پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انسان کو اس کی تخلیق کے مقصد سے آگاہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (۱)

میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری بندگی کریں۔

انسانوں اور جنوں کے علاوہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی جبری اطاعت کے قانون میں جکڑ دی گئی ہے۔ اس آیت مبارکہ کے الفاظ سے بھی انسان کے اختیار کا اظہار ہو رہا ہے کہ وہ خود اپنے ارادے سے میری بندگی میں داخل ہو جائے یعنی اپنے فہم و فراست اور بصیرت و بصارت کے ذریعے مجھے اپنا خالق و مالک اور الٰہ و رب تسلیم کر کے میرے سامنے سر تسلیم خم کر دے، پھر وہ میرے سوا کسی دوسرے کی اطاعت و محبت کا دم نہ بھرے، انسان کا یہی فیصلہ اسے اسلام میں داخل کر دیتا ہے۔ حقیقی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ مومن اپنا جان و مال اللہ کے سپرد کر کے اس کا مطیع اور غلام بن جائے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کا بندہ نہ بنے، نہ اپنے نفس کا، نہ ہوا و ہوس کا، نہ مال و منال کا، نہ دولت و ثروت کا، نہ شان و شوکت کا، تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہو سکے۔ یہی وہ پیغام تھا جو گزشتہ تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کو دیتے رہے۔ قرآن کریم میں بیان ہوا ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم کو یہی دعوت دی:

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (۲)

---

(۱) سورۃ الذاریات: ۵۶

(۲) سورۃ الاعراف: ۶۵

اے میری قوم اللہ کی غلامی اختیار کرو کہ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود و
محبوب نہیں ہے کیا تم دنیا میں الجھنے سے بچو گے نہیں ۔

انسان کی حقیقی سعادت اور فلاح اس میں ہے کہ دنیا کی محبت کے فریب میں نہ آئے اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی دی ہوئی تعلیم کے مطابق اللہ کے احکام کی رضا کارانہ تعمیل میں لگ جائے ۔اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول اور حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو مومنین کے لیے عبدیت کا بہترین عملی نمونہ قرار دے دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ آپ کہہ دیجیے کہ:

**قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ
لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ** (۱)

کہہ کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت
کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بہت
معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔

اس طرح گویا تم اپنے مقصودِ حیات کو پا لو گے۔ دنیوی زندگی کی مثال ایک سیپ کی طرح ہے جو ابرِ نیساں سے برسنے والے قطرہ آب کو اپنے اندر قید کر دیتا ہے اور کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ پانی کا قطرہ نہایت قیمتی اور آبدار موتی میں تبدیل ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس خاص قطرہ آب کو موتی بننے اور صدف کو موتی بنانے کی صلاحیت دے رکھی ہے ان دونوں کے ملاپ سے اگر مقصود مل گیا تو زندگی کامیاب ہو گئی ۔ بقول علامہ محمد اقبالؒ:

زندگانی ہے صدف قطرہ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے (۲)

---

(۱) سورۃ آل عمران:۳۱

(۲) ضرب کلیم

یعنی انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی امانت سپرد کی اگر وہ حیاتِ ارضی کے دوران جوہرِ محبت کو کمال تک پہنچانے کی بجائے دنیا کی اس وسیع تربیت گاہ کے متاعِ غرور پر فدا ہو کر اس دولت کو یہاں ہی لٹا بیٹھا تو اس نے گویا اپنی زندگی ضائع کر دی اور اپنے نفس پر بہت بڑا ظلم کیا۔ محبت کی امانت کا اٹھانا اور اسے کماحقہ نباہنا بہت بھاری ذمہ داری تھی اس لیے آسمان، زمین اور پہاڑ اسے اٹھانے سے ڈر گئے تھے۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولاً (۱)

ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا، اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کا بوجھ اٹھا لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ظالم، بڑا نادان ہے۔

یہ امانت اللہ کی ہے، اسے کسی غیر اللہ کے سپرد کر دینا گویا اسے اللہ کا شریک ٹھہرانا ہے یہ سراسر خیانت ہے اور ظلم عظیم ہے اور اسی لیے ناقابل معافی گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی خصوصی حیثیت اور برتر مقام سے آگاہ کرتے ہوئے اعلان فرما دیا کہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب تمہارے لیے پیدا کیا گیا ہے اور تمہیں صرف اپنی محبت و اطاعت یعنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے تاکہ انسان اپنے سے کم تر، گھٹیا اور فنا ہونے والی دنیا کی محبت میں گرفتار نہ ہو اور رب کائنات اور الٰہ ارض و سماوات ہی کو اپنا مطلوب و مقصود اور محبوب و معبود تسلیم کر کے ہر چیز سے اپنا منہ موڑ کر کامل یکسوئی کے ساتھ اپنا رخ اللہ کی طرف کر لے۔ وہ کرہ ارض کے ساز و سامان کو ایمان و عمل کے ذریعے جوہرِ خودی کی تربیت کے لیے استعمال کرے تاکہ اپنی خلقی استعداد کے مطابق اللہ کے قرب کی منزلیں طے کرتا ہوا اپنے مقامِ محمود تک پہنچ جائے۔ علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

---

(۱) سورۃ الاحزاب: ۷۲

ہر اک منتظر تیری یلغار کا
تری شوخی فکر و کردار کا
یہ ہے مقصد گردش روز گار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار
تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے (۱)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم یعنی عمدہ صلاحیتوں کے ساتھ پیدا فرمایا اور پھر اسے اسفل السافلین کی پستی میں ڈال دیا تا کہ اسے آزمایا جائے کہ وہ دنیا کی دل فریبیوں اور مادّی لذات میں کھو کر اللہ کو بھول جاتا ہے یا ایمان اور صالح اعمال کی راہ اختیار کر کے قرب الٰہی کا مقام حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ التین میں فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ (۲)

کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا ہے۔ پھر ہم اسے پستی والوں میں سب سے زیادہ نچلی حالت میں کر دیتے ہیں۔

انسان کو اللہ کی محبت کا جو ملکہ عطا کیا گیا ہے اس کی مثال کچے تانبے کی مانند ہے جس میں سونا بننے کی صلاحیت موجود ہے اور زمینی زندگی کے دوران اگر کسی کامل کیمیاگر کی رہنمائی میسر آ جائے تو مسلسل محنت اور کڑے مجاہدے سے اسے زرِ خالص میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اس راہ میں یقینی کامیابی کے لیے کاملین نے یہی طریقہ بتایا ہے کہ پہلے اس تانبے کو اللہ کی اطاعت کی بھٹی میں پگھلا کر قطع ماسوا اللہ کی چھلنی سے اس کا تمام میل کچیل صاف کیا جائے پھر اس میں توکل علی اللہ کی اکسیر شامل کر کے محبوب خدا ﷺ کے

---

(۱) بال جبریل

(۲) سورۃ التین: ۵-۴

اسوہ حسنہ کے سانچے میں ڈھالا جائے تو اللہ تعالیٰ کی نظروں میں مقبول ومحبوب ٹھہرایا جائے گا۔قرآن کریم میں انتباہ کیا گیا ہے کہ جو اس دنیا میں اندھا ہوگا وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا یعنی انسان کی ساری سعادت اس میں ہے کہ وہ دنیا ہی میں اپنے محبوب حقیقی کے لازوال حسن کی معرفت اور پہچان حاصل کرلے ورنہ آخرت میں بھی وہ اس نعمت سے محروم رہے گا۔حصول معرفت کا طریقہ یہ ہے کہ کسی مرد کامل کی رہنمائی میں کثرت ذکر کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی صنعت اور کاریگری کا مشاہدہ کرنے اور اس کی آیات میں تفکر وتدبر کرنے کے طریقے سیکھے جائیں تاکہ معرفت کی دولت ہاتھ آسکے۔خزانہ معرفت تک رسائی انسان کے ظاہری اور باطنی حواس کے ذریعے ہوتی ہے اور یہ حواس مادی جسم اور مادی زندگی کے بغیر نہیں مل سکتے تھے،اس لیے روح کے لیے ضروری تھا کہ اسے کچھ مدت کے لیے عالم خاکی میں بھیجا جائے۔مادی زندگی کی اہمیت جاننے کے لیے درخت کے بیج پر غور فرمایئے۔مثال کے طور پر آم کی گٹھلی پر تفکر کیجیے اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر ایک مکمل درخت بننے کی صلاحیت ودیعت فرمادی ہے۔اس کے اندر آم کے درخت کے پتوں کی شکل،ٹہنیوں کی صورت، پھولوں کی خوشبو،پھل کا رنگ وذائقہ،درخت کی موٹائی اونچائی اور پھیلاؤ الغرض اس کے ہر پہلو کا نہایت ہی لطیف لیکن مکمل خلاصہ اور نقشہ سمویا ہوا ہوتا ہے۔اس گٹھلی کے اندر سوئی ہوئی زندگی اور پوشیدہ صلاحیتوں کے اظہار کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اسے خاص موسم میں مٹی میں دبا کر اس کی آبیاری کی جائے تاکہ اس کے اندر چھپا ہوا جوہر بیدار ہو کر پرورش پائے اور بتدریج بڑھتا ہوا ایک مکمل آم کے درخت کی صورت اختیار کر کے بار آور ہو جائے۔اسی طرح انسانی روح کے اندر جو صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے چھپا رکھی ہیں،ان کا اظہار بھی عالم خاک میں آئے بغیر ہرگز نہیں ہوسکتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے:

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (۱)

---

(۱) سورۃ الذاریات:۲۱-۲۰

اہل یقین کے لیے زمین میں میری نشانیاں ہیں اور خود تمہارے
نفسوں کے اندر بھی، کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ انسان کو تدبر و تفکر اور مشاہدہ و مراقبہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی آیات کو پہچان کر اس کی ذات تک پہنچنے کے دو میدان عطا ہوئے ہیں ایک عالم آفاق یعنی باہر کی دنیا ہے اور دوسرا عالم انفس یعنی من کی دنیا ہے۔ معرفت باری تعالیٰ کے حصول کے لیے جہاں مادی قوتوں کو تسخیر کر کے انہیں انسانیت کی فلاح و بہبود اور خدمت و سہولت کے لیے استعمال کرنا ضروری ہے وہاں روح، نفس، ارادہ، عقل، خیال اور تصور کی باطنی قوتوں کی حقیقت معلوم کر کے ''**من عرف نفسه فقد عرف ربه**'' کا سفر بھی طے کرنا لازمی ہے۔ انسان کی حقیقی کامیابی اسی طرح زندگی بسر کرنے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتیں پوری طرح پروان چڑھ سکیں اور اسے محبوب حقیقی کا قرب اور دیدار حاصل ہو جائے۔ اس کامیابی کی ضمانت کی ایک ہی صورت ہے کہ انسان اپنے خالق کے عطا کردہ آئین کے تحت زندگی بسر کرے اللہ کے دین کا راہنما اصول ''لا الہ الا اللہ'' یہی سکھاتا ہے کہ انسان کا مقصود و مطلوب اور معبود و محبوب اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے پھر شریعت کے احکام اس کی تربیت اس انداز سے کرتے ہیں کہ وہ ہر آن اللہ کی محبت میں آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور دنیا کی تمام نعمتوں سے استفادہ کرتے ہوئے بھی اس کا دل دنیا و مافیہا کے ہر بندھن سے آزاد اور بے نیاز ہو جاتا ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

کمالِ زندگی دیدارِ ذات است
طریقش رستن از بند جہات است (۱)

---

(۱) زبورِ عجم

تصوف کا مقام و اہمیت

مقام احسان

حضور نبی کریم ﷺ کی ایک طویل حدیث جو حدیث جبریل کے نام سے مشہور ہے جس میں صحابہ کی موجودگی میں حضرت جبرائیلؑ انسانی صورت میں تشریف لائے اور حضور ﷺ سے تین سوالات دریافت کرنے کا ذکر ہے۔ وہ سوالات یہ تھے:

i۔ ایمان کیا ہے؟

ii۔ اسلام کیا ہے؟

iii۔ احسان کیا ہے؟

جب جبرائیلؑ چلے گئے تو حضور ﷺ نے صحابہ کو بتایا کہ یہ جبریل تھے اور آپ کو دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین تین چیزوں پر مشتمل ہے۔ ایمان، اسلام اور احسان۔

احسان کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ نے جو جواب ارشاد فرمایا۔ وہ یہ تھا کہ:

ان تعبداللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (۱)

تو اپنے رب کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔
پس اگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو یقیناً وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ارکان ایمان پر بالغیب ایمان لانے

---

(۱) صحیح مسلم

اور ارکان اسلام کی پابندی کے ساتھ ساتھ یہ بھی دین ہی کا جزو ہے کہ اپنے اندر باطنی اور روحانی طور پر وہ صلاحیت پیدا کی جائے جس سے اللہ کا قرب و لقا میسر آ سکے اور نمازوں میں حضوری نصیب ہو جائے تا کہ وہ ''اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ '' کی مصداق بن جائیں۔ مرتبہ احسان کا حصول ہی تصوف کا مقصود ہے۔ لیکن تصوف کا لفظ قرآن و حدیث میں کہیں نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں دوسرے علوم مثلاً صرف و نحو، علم الکلام، فقہ اسماء الرجال، علم التفسیر، علم الحدیث کی طرح تصوف بھی مدون نہیں ہوا تھا۔ ان سارے اسلامی علوم کو بعد کے ادوار ہی میں ترقی ملی اور ان کے جاننے والوں کو شہرت نصیب ہوئی۔ اگرچہ حضور ﷺ کے سارے صحابہ ؓ صوفی تھے۔ ان میں فقیہ بھی تھے، محدث بھی اور مفسر بھی لیکن صحابیت کا اعزاز اتنا اعلیٰ و ارفع، قابل رشک اور باعث اکرام تھا کہ تصوف کا نام تو نہ تھا لیکن اس کا کام بہر صورت ہو رہا تھا کیوں کہ مقام احسان جب دین کا اہم جزو ٹھہرا تو اسے کسی صورت میں بھی نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس مرتبہ کے حصول کے لیے قرآن اور احادیث میں جن محاسن کا ذکر آیا ہے ان کا مختصر سا تعارف باعث ترغیب اور وجہ ازدیاد شوق ہوگا۔

دل بینا

صوفیاء کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ اللہ کی ذات کا مشاہدہ ظاہری آنکھوں سے ہرگز نہیں ہو سکتا لیکن کثرت ذکر اور تزکیہ باطن کے ذریعے دل میں ایک آنکھ پیدا ہو جاتی ہے جو ذات باری تعالیٰ کو دیکھ سکتی ہے۔ جو لوگ اس زندگی میں اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہے وہ آخرت میں بھی اسے حاصل نہ کر سکیں گے۔ اس دعوے کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے:

وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (۱)

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل: ۷۲

جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا اور اس سے زیادہ
گمراہ ہو گا۔

یعنی جس نے اللہ کو یہاں نہ دیکھا وہ وہاں بھی نہ دیکھ سکے گا۔قرآن پاک میں یہ تشریح کر دی گئی ہے کہ یہ اندھا پن ظاہری آنکھوں کا نہیں ہوتا۔ارشاد ہوتا ہے:

فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى
الصُّدُوۡرِ (۱)

پس بے شک ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ سینوں میں جو
دل ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ قیامت کے اندھے پن کی سزا اللہ کے ذکر سے روگردانی کے سبب دی جائے گی:

وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِىۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا وَّنَحۡشُرُهٗ
يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَعۡمٰى (۲)

جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا اس کے لیے تنگی کا جینا ہے اور
قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔

اس آیت کریمہ سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ دل کی بینائی کا انحصار اللہ کے ذکر پر ہے۔
اللہ تعالیٰ کے دیدار جیسی انمول نعمت کے حصول کے لیے دل کی اصلاح تصوف ہی کا موضوع ہے۔طالبان راہ حق اور عاشقان ذات کے لیے یہی علم امید کی کرن عطا کرتا ہے۔اسی کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کرنے سے دل میں وہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ ذات کا دیدار کر سکے۔علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا:

---

(۱) سورۃ الحج:۴۶

(۲) سورۃ طٰہٰ:۱۲۴

نہ ایں عالم حجاب او را نہ آں عالم نقاب او را
اگر تاب نظر داری نگا ہے می تواں کردن

یعنی اللہ کے لیے نہ ہی اِس عالم میں حجاب ہے اور نہ اُس عالم میں پردہ ہے وہ ہر جگہ جلوہ گر ہے۔ اگر اپنے اندر صلاحیت پیدا کرلی جائے تو اسے دیکھنا ممکن ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ذات تک رسائی عقل وخرد اور ظاہری آنکھ کے بس کی بات نہیں، یہ دل ہی کے ذریعہ سے ممکن ہے:

عقل کو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں
دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں (۱)

یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ دنیا میں دل کی بینائی اور اندھا پن، مطمئن زندگی اور تنگی کا جینا اللہ کے ذکر کرنے یا نہ کرنے پر منحصر ہے اور قیامت کے دن آنکھوں کی بینائی کے باقی رہنے اور چھن جانے کا دارو مدار بھی اسی پر ہے حضور نبی کریم ﷺ نے دل کی اہمیت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

بلا شبہ جسم میں ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور وہ ٹکڑا دل ہے۔ (صحیح بخاری)

کثرت ذکر

اس اہم ترین ٹکڑے یعنی دل کی اصلاح کے لیے اللہ تعالی نے قرآن کریم میں اعلان فرمادیا۔

---

(۱) بال جبریل

اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب (۱)

خبردار رہو کہ دلوں کا قرار صرف اللہ کے ذکر سے ہے۔

حضور نبی کریمﷺ کا ارشاد ہے:

ہر چیز کی صفائی اور صیقل کے لیے کوئی شے ہوتی ہے اور دل کی صیقل یا پالش اللہ کا ذکر ہے۔ (۲)

ذکر کے اہتمام کے لیے اسلام میں سب سے پہلا انتظام تو یہ کیا گیا کہ پانچ وقت کی نماز ہر مسلمان عورت مرد پر فرض کر دی گئی۔ یہ عبادت مقررہ اوقات میں جسمانی طہارت کے ساتھ ظاہری ارکان یعنی رکوع وسجود اور قیام وقعود کی پابندی کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور کسی کو کسی بھی حالت میں معاف نہیں ہو سکتی۔ یہ کم از کم نصاب ہے کیوں کہ فرض نمازوں کے علاوہ راتوں کو قیام کرنے، تلاوت قرآن، نماز تہجد اور نوافل ادا کرنے کی بھی بہت فضیلت آئی ہے۔

اگر چہ قرآنی حکم

وَاَقِمِ الصَّلٰاۃَ لِذِکْرِیْ (۳)

اور قائم کرو نماز میری یاد کے لئے۔

اور میری یاد کے لیے نماز کھڑی کرنے کے مطابق نماز کا مقصد بھی اللہ کا ذکر ہی ہے پھر بھی نمازوں کے علاوہ عام تسبیح وتہلیل اور اللہ کا ذکر کرنے کا حکم ہے اور اللہ کے ذکر کی فضیلت قرآن میں ان الفاظ سے بیان کی گئی ہے:

وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ (۴)

---

(۱) سورۃ الرعد:۲۸

(۲) صحیح بخاری

(۳) سورۃ طٰہٰ:۱۴

(۴) سورۃ العنکبوت:۴۵

اللہ کا ذکر سب سے بڑی بات ہے۔

ذکر کی تاکید کے لیے قرآن میں متعدد آیات موجود ہیں جن میں سے چند ایک یہاں درج کی جاتی ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا (۱)

اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِكُمْ (۲)

جب نماز ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو کھڑے اور بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا (۳)

اور اپنے رب کے نام (یعنی اللہ) کا ذکر کر اور (قلبی طور پر) سب کو چھوڑ کر اسی کا ہو جا۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (۴)

مرد وہ ہیں جن کو تجارتی کاروبار اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ (۵)

---

(۱) سورۃ الاحزاب:۴۱

(۲) سورۃ النساء:۱۰۳

(۳) سورۃ المزمل:۸

(۴) سورۃ النور:۳۷

(۵) سورۃ الاعراف:۲۰۵

اور اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور ڈر کے ساتھ اونچی آواز
نکالے بغیر صبح وشام یاد کرو اور غافلوں میں سے نہ ہونا۔

اللہ کی طرف سے اس قدر تاکید اور وضاحت کے باوجود اگر ہم صرف پانچ وقت کی نمازوں پر ہی اکتفا کرلیں اور کثرت ذکر کے احکام کو نظر انداز کرلیں تو یہ غفلت قیامت کے روز بڑی محرومی کا باعث بنے گی۔ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے اللہ کے ذکر کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

عن ابی موسی قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل الذی یذکر ربہ مثل الحیی و المیت۔ (۱)

ابی موسیٰؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو اللہ کا ذکر کرتا ہے
اس کی مثال زندہ کی ہے اور جو نہیں کرتا اسکی مثال مردہ کی ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں اللہ کے ذکر کی فضیلت اور ذکر کرنے والوں کی سعادت بیان کی گئی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتھم الملائکہ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ وذکرھم اللہ فیمن عندہ ھم القوم لایشقی جلیسھم۔ (۲)

کوئی گروہ جب ذکر کے لیے بیٹھتا ہے تو فرشتے انہیں ڈھانپ لیتے
ہیں اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور سکینہ ان پر نازل ہوتی ہے اور
اللہ فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے وہ ایسی جماعت ہے کہ ان کے
پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوگا۔

اللہ کے ان احکامات اور حبیب خدا کے فرمودات سے کثرت ذکر کی

---

(۱) بخاری و مسلم

(۲) ایضاً

اہمیت وفضیلت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔اللہ کے مقرب ومقبول بندوں میں شامل ہونے اور مرتبہ احسان تک پہنچنے کے لیے ذکر دوام کا اہتمام لازمی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی راہ ہے جس میں اللہ کی محبت کو تمام مخلوقات کی محبت پر مقدم رکھنا ہوتا ہے۔اللہ مالک الملک نے قرآن کی سورۃ التوبہ میں ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (۱)

اللہ نے مومنوں سے ان کے مال اور جانیں جنت کے بدلے میں خرید لی ہیں۔

جب جان ومال بک گئے اوران کی قیمت طے ہوگئی تو ان پر اب اپنا کوئی حق، اختیار یا تصرف باقی نہ رہا۔ یہ خریدنے والے کی ملکیت ہمارے پاس بحیثیت امانت ہے ان میں مالک کے حکم کے علاوہ جو تصرف ہم کریں گے وہ ظلم ہوگا۔حقیقی اسلام یہی ہے کہ ہم مکمل خودسپردگی کے ساتھ اللہ کی کامل اطاعت میں داخل ہو جائیں۔اس خیال کو علامہ محمد اقبالؒ نے کس خوبی سے باندھا ہے:

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں مومنین کی ایک خاص خوبی بیان فرمائی:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (۲)

اور جو لوگ ایمان والے ہیں سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرتے ہیں۔

اللہ سے شدید محبت کا تقاضا ہے کہ اللہ کی محبت دوسری تمام محبتوں پر

---

(۱) سورۃ التوبہ:۱۱۱

(۲) سورۃ البقرۃ:۱۶۵

غالب اور فائق رہے۔ایک مومن کسی بھی حالت میں اپنے خالق و مالک اپنے محبوب و مطلوب اور اپنے معبود اللہ کو فراموش نہ کرے ورنہ محبت خام ٹھہرے گی۔یہ کیسی محبت اور کس قسم کا پیار ہے کہ کوئی لمحہ ایسا ہو جس میں محبوب کے علاوہ کوئی دوسرا یعنی اس کا ماسوا تو یاد ہو لیکن محبوب کی یاد پس منظر میں چلی جائے یا بالکل ہی محو ہو جائے ۔اللہ سے پیار کرنے والوں کے دستور میں ایسی گھڑی کفر کی گھڑی شمار ہوتی ہے۔جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ (۱)

جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کر دی اس نے کفر کیا۔

نماز بھی اللہ کا ذکر ہی ہے۔ جب اس کا ترک کرنا کفر ٹھہرا تو اللہ والوں کے خیال میں غفلت میں گزرنے والا سارا وقت کفر ہی میں شمار ہوتا ہے۔سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ کا مشہور و معروف پنجابی کلام اس خیال کی بڑی خوبصورت عکاسی کرتا ہے:

جو دم غافل، سو دم کافر، سانوں مرشد ایہہ سمجھایا ھو
سنیا سخن، گیاں کھل اکھیں، اساں چت مولا ول لایا ھو
کیتی جان حوالے ربّ دے اساں ایسا عشق کمایا ھو
مرن تھیں اگے مر گئے باھو تاں مطلب نوں پایا ھو

مرشد نے ہمیں یہ بات خوب سمجھا دی کہ جو سانس اللہ کی یاد سے غفلت میں گزر گیا وہ کفر میں گزرا۔یہ بات سن کر ہماری آنکھیں کھل گئیں اور ہم نے ساری توجہ اللہ کی طرف لگا لی ۔اپنی جان اللہ کے سپرد کر کے عشق کی راہ پر لگ گئے ۔جب اللہ کے احکام کے مقابلے میں اپنی خواہشات سے اس طرح دستبردار ہو گئے تو گویا ہم موت سے پہلے ہی مردہ ہو گئے ۔تب مقصود حاصل ہوا۔

---

(۱) سنن ترمذی

جولوگ اس طرح اللہ کی محبت میں ڈوب کر اس کا ذکر کرتے ہیں ان کے لیے قرآن میں ایسا جانفزا پیغام آیا، جس سے ان کے بے چین دلوں کو قرار اور پیاسی روحوں کو تسکین ملی۔ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم نعمت کا اعلان یوں فرمایا:

فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ (۱)

تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

سبحان اللہ۔ ایک بندے کے لیے اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ یاد کرے اس کو پیار کا جواب پیار سے ملے۔ وہ تنہائی میں اللہ کو یاد کرے تو اللہ بھی خلوت میں اسے یاد کرے اگر وہ محفل میں اس کا ذکر کرے تو اللہ فرشتوں کی محفل میں اس کا ذکر کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا تعلق قائم کرنے کا یقینی ذریعہ اللہ کا ذکر ہے۔ علم تصوف کی روح رواں ہی اللہ کو کثرت سے یاد کرنا ہے۔ اس میں پاس انفاس کا طریقہ سکھایا جاتا ہے یعنی جو سانس اندر جائے اس کے ساتھ بھی اللہ اور جو سانس باہر آئے اس کے ساتھ بھی اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور جو لوگ اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے ہیں ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے:

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (۲)

اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں کچھ شک نہیں کہ ان کے لیے اللہ نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر سے غافل ہو جانے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۱۵۲

(۲) سورۃ احزاب:۳۵

يَـٓا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ (۱)

اے ایمان والو تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرنے پائیں۔ جو لوگ ایسا کریں گے وہی خسارے میں ہیں۔

روح کی غذا

ہر مسلمان اس بات سے آگاہ ہے کہ انسان روح اور جسم دو چیزوں سے مرکب ہے۔ جسم مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور اس کی خوراک اور آرام و آرائش کا سارا سامان مٹی ہی سے حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن روح ''امر ربّ'' ہے اس لیے اس کا رزق زمین سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کی غذا ''ذکر ربّ'' ہے۔ جس طرح انسانی جسم غذا کے بغیر کمزور اور لاغر ہو جاتا ہے اور اگر طویل عرصے تک غذا سے محروم رہے تو موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے اسی طرح روح کا حال ہے وہ بھی اللہ کے ذکر کے بغیر مر جاتی ہے۔ سورہ یٰسین میں ارشاد ہوا ہے:

لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِيْنَ (۲)

ہم نے اپنا رسول اس لیے بھیجا تا کہ اسے تنبیہ کرے جو زندہ ہے اور کافروں پر قول ثابت ہو جائے۔

اس سے مراد روح کی زندگی ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کی روح میں اللہ کی یاد کی ذرا سی رمق بھی باقی ہے۔ وہ ایمان لے آئے تو ایسا ہی ہو گا جیسے ایک ٹمٹاتے ہوئے چراغ کو دوبارہ تیل کی غذا عطا ہو جائے۔ اس کی تصدیق گزشتہ صفحوں میں رقم کی گئی حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والا مثل زندہ کے ہے اور نہ کرنے والا مثل مردہ کے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی حیات یہ ہے کہ جسم

---

(۱) سورۃ المنافقون:۹

(۲) سورۃ یٰسین:۷۰

اور روح دونوں زندہ ہوں اور کامل ترین نظام حیات وہی ہے جو جسمانی اور مادی ضروریات کی کفالت کے ساتھ ساتھ روحانی تقاضوں کی بھی بطریق احسن پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔صرف مادی زندگی پر فدا ہونے والوں اور روحانی زندگی کی غذا یعنی اللہ کے ذکر سے کنارہ کشی کرنے والوں کے بارے میں قرآن حکیم میں یہ نازل ہوا:

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا (۱)

جو ہمارے ذکر سے روگردانی کرے اور صرف دنیا ہی کی زندگی کا خواہاں ہو اس سے آپ منہ پھیر لیجیے۔

جس طرح فرد کی زندگی دل کی زندگی پر منحصر ہے اسی طرح قوموں کی زندگی کا دارومدار بھی روحانیت کے ارتقاء پر ہے کیوں کہ قومیں فرد ہی کا مجموعہ ہوتی ہیں۔ دلوں کی زندگی کے بارے میں علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ (۲)

دل اللہ کے ذکر اور فیضان الٰہی سے زندگی پاتے ہیں۔ جو قومیں صرف دنیوی زندگی کو مانتی ہیں اور آخرت کی قائل نہیں ہوتیں اور صرف مادی جسم کی آسائش اور آرائش ہی ان کا منتہائے مقصود ہوتا ہے ان کا آشیانہ نازک ہوتا ہے اور ان کی قومی زندگی نہایت مختصر ہوتی ہے۔ایسی تہذیبیں پانی کے بلبلوں کی طرح ابھرتی اور مٹتی رہتی ہیں۔ان سے کبھی بھی یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ کسی پائیدار تمدن کو وجود میں لا سکیں۔علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا:

---

(۱) سورۃ النجم:۲۹

(۲) ضرب کلیم

جو قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم

حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات (۱)

جب انسان فیضان سماوی اور وحی الٰہی سے منہ موڑ کر عقل و خرد کو اپنا امام بنالیتا ہے تو وہ مادی آسائش کے لیے ہزارہا سامان تخلیق کرسکتا ہے وہ اپنی سہولت کے لیے سینکڑوں نئی ایجادات کرسکتا ہے لیکن انسانی زندگی سے جور و جبر اور ظلم و استبداد کا خاتمہ کر کے اسے روحانی انبساط اور کیف و سرور سے آشنا نہیں کرسکتا۔ مادہ پرست معاشرے میں دولت اور سہولتوں کی فراوانی خوشیوں اور مسرتوں میں اضافہ کرنے کی بجائے ذہنی پریشانی اور روحانی کرب کا باعث بنتی ہے۔اس قوم کو رات کی نیند کی خاطر ٹنوں کے حساب سے خواب آور گولیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔اس سوسائٹی میں دل کے امراض، خودکشی، جنسی تشدد، مار دھاڑ اور طلاقوں کی رفتار میں اضافہ بے قابو ہوتا چلا جاتا ہے۔بقول علامہ محمد اقبالؒ:

ڈھونڈ نے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا

اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا

آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا

زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا (۲)

انسان کی فلاح اللہ کی محبت اور وحی کی اتباع میں ہے۔خدا کے عشق کو اپنا امام اور عقل و خرد کو اپنا غلام بنانے میں ہے۔اللہ کے ذکر کو اپنانے میں ہے، جس سے روح کو قوت اور ذہن کو جلا ملتی ہے' جو بھی قوم اس دستور حیات کو اپنا لے گی وہ زندگی کے ہر

---

(۱) بال جبریل

(۲) ضرب کلیم

شعبہ میں اس طرح آگے بڑھے گی کہ اقوام عالم کی قیادت انہی کے قدموں میں ہوگی۔
روح اللہ کے ذکر کے ذریعے سے براہ راست اللہ کی ذات سے فیضان حاصل کرتی ہے۔
قرآن میں آتا ہے کہ اللہ تمہیں زمین اور آسمان سے رزق پہنچاتا ہے۔ممکن ہے آسمان سے
آنے والے رزق سے مراد یہ فیضان الٰہی ہی ہو۔یعنی خاکی جسم کی غذا خاک سے اور روح
کی غذا عالم پاک سے آتی ہو۔علامہ محمد اقبالؒ نے بھی آسمانی غذا کے علاوہ ایک دوسرے
رزق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

کیا میں نے اس خاکداں سے کنارا
جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ (۱)

تزکیہ اخلاق اور تصفیہ قلب

انسان کی اصل حقیقت کا پتہ اس کی شکل وصورت اور ظاہری اخلاق و
اطوار سے ہرگز نہیں لگایا جاسکتا بلکہ انسان کے دل میں جو جذبات اٹھتے ہیں اور جس قسم کے
خیالات اس کے ذہن کو گھیرے رہتے ہیں وہ اس کی حقیقی شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں۔
ایک انسان کے ظاہری اقوال و افعال کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں ان کی اصلی قدر و قیمت کا
تعین اس کی نیت سے کیا جائے گا اس لیے حقیقی اصلاح کا تعلق انسان کے اندر ہی سے
ہے۔منافقین کے لیے اللہ نے بڑی سخت سزا کی وعید سنائی ہے حالانکہ وہ نماز کے پابند اور
ہر لحاظ سے مسلمان دکھائی دیتے تھے۔کسی بزرگ سے جب پوچھا گیا کہ تقویٰ کی انتہا کیا
ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ''تقویٰ کی انتہا یہ ہے کہ حالت خواب میں بھی گناہ سرزد نہ ہو
''یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جذبہ شعور سے گزر کر لاشعور کی گہرائیوں میں رچ
بس جائے۔اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں کو اہمیت نہیں دیتا بلکہ دلوں کو نظر میں رکھتا ہے اس لیے
اللہ کے قرب کے حصول کے لیے ظاہری عبادت کی پابندی کے ساتھ نیت کی درستی، نفس کا
تزکیہ اور قلب کی صفائی نہایت ضروری ہے تاکہ خشوع وخضوع، عجز و حلم مخلوق خدا سے

---

(۱) بال جبریل

محبت، احسان وایثار، عفوو درگزر، صبر وقناعت، رحم وکرم، **توکل علی اللہ** اور **تبتل الی اللہ** جیسی خوبیاں پیدا ہو جائیں یہی تزکیہ ہے کہ معائب دور ہو کر محاسن پیدا ہو جائیں۔ سورت اعلیٰ میں ارشاد ہوا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (۱)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کیا۔ اپنے ربّ کے نام کا ذکر کیا اور نماز ادا کی۔

تصوف کا بھی یہی مقصود ہے کہ ایمان لانے اور ابدی حقیقتوں کا زبان سے اقرار کر لینے کے بعد قلب ونگاہ کی پاکیزگی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جائے تاکہ حضوری والی نماز ممکن ہو سکے۔ علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ (۱)

قلب ونظر کی پاکیزگی کی اہمیت مزید واضح کرنے کے لیے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں (۲)

حضورﷺ کی بعثت اور تزکیہ نفس

قرآن کریم میں رسول اللہﷺ کی بعثت کا مقصد چند مقامات پر بیان ہوا ہے۔ اس میں آپ کا عظیم منصب تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا اللہ کی آیات کی تلاوت، دوسرا تزکیہ باطن، اور تیسرا کتاب وحکمت کی تعلیم پر مشتمل ہے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران ملاحظہ ہو:

---

(۱) سورۃ الاعلیٰ: ۱۵-۱۴

(۲) بال جبریل

(۳) ضرب کلیم

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۱)

بے شک اللہ نے احسان فرمایا مومنین پر کہ انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور اس سے قبل تو وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

اس کے علاوہ سورۃ القمر آیت نمبر ۱۵، اور سورۃ جمعہ آیت نمبر ۲ میں انہی الفاظ میں حضور نبی کریم ﷺ کے منصب رسالت کا ایک اہم فریضہ جس کا ذکر کتاب وحکمت کی تعلیم سے پہلے کیا گیا ہے مومنین کا تزکیہ کرنا ہے۔ یہ مبارک اور عظیم کام روحانی فیض اور توجہ سے کیا گیا۔ حضور کے فیض صحبت ہی کے طفیل صحابہ کرام کا اس طرح تزکیہ ہوا اور وہ ایمان کامل کے اس درجہ تک پہنچ گئے کہ اس مبارک گروہ کو اللہ کی طرف سے خیر الامت کا خطاب اور رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کی سند عطا ہوئی۔ جن صحابہ پر حضور کی نظر کیمیا زیادہ رہی اور وہ طویل عرصہ تک اس نعمت سے مستفید ہوئے انہوں نے اسی لحاظ سے بلند مراتب پائے اور صحابہ کبار کہلوائے۔ اس خیر القرون دور میں ہر وہ خوش بخت صاحب ایمان جو حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوا' صحابہ کی صف میں شامل ہوگیا۔ حضور خیر الانام کی ایک نظر اور چند لمحوں کی صحبت نے وہ کام کیا اور ایسا مقام عطا فرما دیا کہ بعد میں آنے والے اس پر صرف رشک کر سکتے ہیں لیکن اسے پا نہیں سکتے۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض نے اہل ایمان کے دلوں کا زنگ دور کر کے اور انہیں پاک وصاف کر کے ان پر اللہ کا رنگ اس طرح چڑھا دیا جو کسی دوسرے طریقہ سے ممکن ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں ان اوراد واذکار کا اہتمام نہیں تھا۔ جو موجودہ زمانے میں فقیری کے

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۱۶۴

سلسلوں میں کرائے جاتے ہیں۔انہیں اس کی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ حضورﷺ کی صحبت سے اللہ کی محبت کچھ اس طرح دلوں میں گھر کر جاتی تھی کہ وہ اللہ کو بھول ہی نہ سکتے تھے۔ان کا اٹھنا بیٹھنا اور جینا مرنا اللہ کے لیے ہو جاتا اور ہر قول، فعل اور حرکت میں اللہ کی رضا ہی ان کا مقصود بن جاتی:

تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا (۱)

انہی کی شان میں نازل ہوئی۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات مزید بلند فرمائے اور ان کی روشن مثالوں سے ہمارے کردار کی ظلمت دور فرمائے۔آمین!

صحبت اولیاء وصلحاء

حضورﷺ کے وصال کے بعد آپﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ اور پھر ان کے تربیت یافتہ تابعین کی صحبت سے تزکیہ باطن اور روحانی فیض رسانی کا کام احسن طریقے سے چلتا رہا۔ان مبارک ہستیوں کے اس کارِ خیر کو آگے بڑھانے کا کام بعد میں آنے والے علماء حق نے سنبھالا کیوں کہ وہی انبیاء کے وارث ٹھہرے۔انہوں نے حضورﷺ کے پورے مشن کو سنبھالا اور اسے کامل صورت میں آگے بڑھایا۔وہ گویا صوفی عالم تھے۔انہوں نے جہاں اللہ کی آیات بیان کیں اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے کر عقائد، ظاہری عبادات اور معاملات کو درست رکھا وہاں دلوں کا تصفیہ اور اخلاق کا تزکیہ کرنے کی مبارک سنت کا کام بھی جاری رکھا۔انہوں نے شریعت وطریقت، فقہ وفقر اور علم وعرفان میں تفریق پیدا نہیں کی بلکہ ایمان کی تکمیل کے لیے ایک دوسرے کو لازم وملزوم جانا اور اس کی تعلیم دی اور تربیت بھی کی۔بعد کے ادوار میں جب آہستہ آہستہ صفائے باطن کو ترک کر کے صرف ظواہر کی پابندی ہی کو مقصود بنالیا گیا۔جب اذانوں سے روح نکال لی گئی۔جب فلسفہ رہ گیا اور تلقین غزالی نہ رہی۔جب اللہ اور اس کے رسول کے عشق کی آگ بجھ گئی تو مسلمان راکھ کا ڈھیر بن گیا۔جسے زمانے کی ہوائیں جدھر چاہتی ہیں اڑاتی پھرتی ہیں۔اب

---

(۱) سورۃ الفتح: ۲۹

بقول علامہ محمد اقبالؒ حال یہ ہے:

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری
رہا صوفی، گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ
نہیں ممکن امیری بے فقیری (۱)

اس دور میں بھی اگر چہ اسلام کا ظاہری ڈھانچہ اپنی اصلی صورت میں قائم ہے ۔الحمدللہ ! مسجدیں آباد ہیں ۔ ماہِ رمضان تو دین کی بہار کا موسم ہوتا ہے اور حج کے امیدواروں کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ حکومتیں سنبھال نہیں سکتیں ۔ باوجود ازیں مسلمانوں کی جو حالت ہے اور اقوام عالم میں جو حیثیت ہے وہ عیاں ہے ۔وجہ صرف ایک ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے عشق کا فقدان اور دنیا کی محبت کا غلبہ ۔مسلمانوں کی اس حالت پر علامہ محمد اقبالؒ مرثیہ خواں ہیں:

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے (۲)

جس طرح صحابیت کے شرف کا مدار حضور نبی کریم ﷺ کے دیدار پر تھا اسی طرح روحانی فیض حاصل کرنے اور عشق کی آگ روشن کرنے کے لیے کسی استاد معلم یا مرشد سے بالمشافہ ملاقات ہونا اور کچھ عرصہ ان کی صحبت میں بسر کرنا ضروری ہے ۔اللہ کے طالبوں اور راہ محبت کے سالکوں کے لیے کسی مرد کامل کی صحبت اکسیر کا حکم رکھتی ہے ۔ مولانا روم کے اس مشہور شعر سے ہر کوئی واقف ہے:

---

(۱) بال جبریل

(۲) ایضاً

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یعنی اولیاء اللہ کی مجالس میں بسر کیا جانے والا تھوڑا سا زمانہ باطن میں
وہ انقلاب برپا کر دیتا ہے جو اپنے طور پر ادا کی جانے والی برسوں کی
عبادت سے ممکن نہیں۔

اولیاء اللہ جس قوت سے باطن کا تزکیہ کرتے ہیں وہ حضور خاتم النبیین رحمۃ للعالمین ﷺ کی امانت ہے اور سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہے۔ اسے جذب کی قوت بھی کہا جاتا ہے۔ جب تک جذب کی چنگاری کسی اللہ والے کے سینے سے عطا نہ ہو اللہ کی محبت کی آگ سلگ نہیں سکتی۔ حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں:

کیہ ہویا جے راتیں جاگیں جے مرشد جاگ نہ لائی ھو

یعنی مرشد اور راہبر کے فیض کے بغیر تجھے راتوں کو جاگ کر عبادت کرنا بھی فائدہ نہیں دے گا۔ گھی دودھ کے اندر ہی پوشیدہ ہے لیکن دودھ میں مدھانی چلا کر براہ راست اسے حاصل کرنے کی کوشش رائیگاں جائے گی۔ درست طریق کار یہی ہے کہ کوئی جاننے والا پہلے اسے دہی کی جاگ لگائے جو سارے دودھ کی ماہیت بدل کر اسے دہی میں تبدیل کر دے۔ اس کے بعد مجاہدے کی مدھانی چلائے تو مقصود ہاتھ آ سکے گا۔ ایک چراغ جو صحیح و سالم ہو لیکن وہ خود بخود روشن نہیں ہو سکتا جب تک اسے کسی "روشن چراغ" سے ملایا نہ جائے۔ اسی طرح ایک عام لوہے کے ٹکڑے میں مقناطیسیت پیدا کرنے کے لیے دوسرے مقناطیس کا توسل اور قرب لازمی ہے جو اس کے باطن میں غیر مرئی تبدیلی کر کے اسے بھی مقناطیس بنا دے۔ اسی طرح نفوس قدسیہ کی صحبت اور توجہ دوسرے نفوس میں جو روحانی قوت پیدا کرتی ہے وہ ایک عجیب و غریب اور حیران کن حقیقت ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ نے اس جذب کی قوت کا ذکر اور اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اک شرع مسلمانی اک جذب مسلمانی
ہے جذب مسلمانی سر فلک الافلاک
اے رہرو فرزانہ بے جذب مسلمانی
نے راہ عمل پیدا نے شاخ یقیں نمناک (۱)

اس قوت جذب کے کھو جانے ہی سے اللہ پر ایمان کمزور پڑ گیا۔ سینوں میں اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کے عشق کی آگ سرد پڑ گئی۔ نہ مومن رہا نہ مومن کی وہ نگاہ رہی جس سے سینوں کے اندر دھڑ کنے والے دل لرز جاتے تھے اور جو دوسروں کی تقدیر بدل کر رکھ دیتی تھی ۔ وہ مومن جو کبھی خود تقدیر یز داں اور اللہ کا ہاتھ تھا غیروں کے ہاتھ میں ان کا آلہ کار بن گیا اور وہی اس کی قسمت کے فیصلے کرنے لگے:

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا (۲)

جس قوم کے ارادوں سے فطرت کے مقاصد کا پتہ چلتا تھا وہ آہستہ آہستہ بے عمل ہوتی چلی گئی اور سو گئی بلکہ مردہ ہو گئی اور اسلام صرف کتاب اللہ میں باقی رہ گیا۔ جب زوال آیا تو زندگی کا ہر پہلو اس سے متاثر ہوا۔ مسلمان ہر شعبے میں پیچھے رہ گئے اور دوسری قومیں جنہوں نے علم کی روشنی مسلمانوں سے حاصل کی اور اسلامی زندگی کے حیات بخش اصولوں کو اپنا لیا وہ فطرت کی طاقتوں کو مسخر کر کے مسرت و شادمانی کی زندگی بسر کر رہی ہیں اور اقوام عالم کی سیادت و قیادت انہی کے ہاتھ میں ہے اور جس قوم کے پراسرار غازی ذوق خدائی کے حامل تھے آج ان کے ہاتھ میں کشکول گدائی ہے۔ حکیم الامت کی تشخیص ملاحظہ ہو:

---

(۱) بال جبریل

(۲) بانگِ درا

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج دل پریشاں سجدہ بے ذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے (۱)

اس جذب اندروں کے حصول کے لیے کسی مرد درویش سے تعلق پیدا کرنا لازمی ہے تاکہ دلوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عشق کی آگ بھڑک اٹھے جو مال و دولت کی محبت کے بت اور متاع غرور کے خس و خاشاک کو جلا کر راکھ کر دے۔ ہر مسلمان کا تعلق حضور ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے کثرت ذکر کے ذریعے اللہ کے ساتھ مستحکم ہو جائے اور حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے مشن کو دنیا میں پھیلانے اور انسانیت کو ہر نوع کی غلامی اور استحصال سے نجات دلا کر امن و آشتی کا گہوارہ بنانے کی تمناسینوں میں بیدار ہو جائے۔

---

(۱) بال جبریل

سلسلۂ عالیہ توحیدیہ کی انفرادیت

بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے جب دائرۂ تصوف میں قدم رکھا

تو آپ کے مرشد نے انہیں پڑھنے اور کرنے کو اس قدر زیادہ بتایا کہ رات بھر جاگنے کے باوجود بھی اوراد پورے نہ ہو سکتے تھے۔ ملازمت کے دوران ان معمولات کو جاری رکھنے میں اور زیادہ دشواری پیش آئی۔ بہر حال سلوک طے کرنے تک اپنے ذاتی تجربہ اور تحقیق سے یہ بات آپ پر واضح ہوگئی کہ اللہ سے تعلق زبان سے ذکر کرنے کی کثرت پر اس قدر منحصر نہیں ہے جس قدر دل سے اس کو ہر وقت یاد رکھنے اور تزکیہ اخلاق کرنے پر منحصر ہے۔ چنانچہ آپ نے جب نئے سلسلے کی بنیاد ڈالی تو ذکر فکر اور مجاہدے کے تمام طریقوں میں ایسی تبدیلیاں پیدا کر دیں جو زمانہ حاضرہ کے مزاج اور آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے موزوں اور آسان ترین ہیں۔ اس کے علاوہ ان تمام خرابیوں کو جو اسلامی تصوف میں شامل ہوگئی تھیں، دور کر کے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کو صحیح قرآنی تصوف کا علم بردار بنا دیا۔ وہ تجدیدی اور اصلاحی اقدام جن کی وجہ سے اس نئے سلسلہ کو انفرادیت اور امتیاز حاصل ہوا' حسب ذیل ہیں:

۱۔ دوسرے سلسلوں میں اوراد و وظائف ہزاروں بار نہیں لاکھوں بار پڑھنے کو بتائے جاتے ہیں۔ آج کل حصولِ معاش کے لیے صبح سے شام تک کام کرنا پڑتا ہے اور کئی لوگوں کو رات کی شفٹوں میں فرائض انجام دینے پڑتے ہیں۔ اتنے لمبے چوڑے وظیفے پڑھنا کسی طرح ممکن ہی نہیں۔

ہمارے سلسلے میں یہ طریقہ بتایا جاتا ہے کہ چوبیس گھنٹے میں جب بھی

کوئی دماغی کام نہیں کررہے اور خالی الذہن ہیں تو ہر سانس کے ساتھ اللہ اللہ کرتے رہیں اور اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوں۔ اللہ کے ذکر کا یہی طریقہ قرآن میں بتایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ نفی اثبات کا طریقہ لا الہ الا اللہ کا ذکر بتایا جاتا ہے جو رات کی نمازوں میں کسی ایک کے بعد پندرہ بیس منٹ کے لیے کرنا ہوتا ہے، بس یہی ذکر ہیں۔ اللہ سے اپنی محبت کا رشتہ استوار کرنے کا اس سے زیادہ آسان طریقہ بھلا اور کیا ہوسکتا ہے؟

۲۔ پہلے زمانے میں بزرگ مریدوں کو نفس کشی کے لیے بھوکا رہنا، برسوں پیدل سفر کرنا، بھیک مانگنا، بھنگی کا کام کرنا اور محلوں میں جھاڑو دینا بتاتے تھے۔ ہمارے سلسلہ میں مجاہدے کے لیے یہ بتایا جاتا ہے کہ دو چیزیں چھوڑ دیں اور ان کی جگہ دو اختیار کرلیں۔ یعنی غصہ اور نفرت کو مکمل طور پر نفی کر دیں اور عالمگیر محبت اور صداقت کو اپنالیں۔ غصہ اور نفرت کو ترک کرنے کی مشق کے لیے کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ یہ تربیت گھر کی چار دیواری کے اندر بہترین طریقے سے ہوسکتی ہے۔

۳۔ دوسرے سلسلوں میں پیروں کی اس قدر عزت کی جاتی ہے کہ عبادت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ مریدوں سے نہ صرف پیروں بلکہ ان بزرگوں کی قبروں کو سجدے کروائے جاتے ہیں، ان کو مافوق الفطرت خیال کیا جاتا ہے، ان سے منتیں مانگی جاتی ہیں۔ مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لیے ان کو پکارا جاتا ہے۔ ان کے نام کے وظیفے پڑھے جاتے ہیں اور کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔ ان باتوں کو بُرا جاننے کی بجائے اولیائے کرام کو ماننے والوں کا شعار سمجھا جاتا ہے۔ بقول مولانا حالی مرحوم:

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پہ بہر سجدہ تو کافر
کواکب کو مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پہ کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں (۱)

ہم قرآن وحدیث کی روشنی میں اس بات کو شرک اکبر جانتے ہیں۔

بزرگان عظام اور اولیائے کرام کی کرامات برحق اور ان کی دعاؤں کی مقبولیت مسلّم لیکن ہم مشکل کشا اور حاجت روا صرف اللہ کی ذات کو مانتے ہیں۔ شخصیت پرستی کی بنیاد کو ختم کرنے کے لیے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوسرے بانیان سلسلہ ہائے تصوف کی روش سے ہٹ کر نئے سلسلہ کو اپنے نام سے منسوب کر دینے کی بجائے کمال بے نفسی اور خلوص کے ساتھ اسے اللہ کی ذات بابرکات سے منسوب کرتے ہوئے ''توحیدیہ'' نام رکھا۔ ہمارے ہاں شیخ کو سجدہ کرنے، اس کی تعظیم کے لیے جھکنے اور اس کے پاؤں چھونے کی اجازت نہیں بلکہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا بھی منع ہے۔

۴۔ ہمارے سلسلہ میں بانیٔ سلسلہ کی قبر پر نہ تو چادریں چڑھائی جاتی ہیں اور نہ ہی کسی کو قبر پرستی کی کوئی حرکت کرنے دی جاتی ہے۔ شیخ کی قبر پر عام اجتماع کی صورت میں، قوالی، قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی کرنے کی بھی ممانعت ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں عرس کی رسم نہیں منائی جاتی۔

۵۔ ہمارے سلسلہ میں فقیرانہ وضع قطع کا لباس پہننے اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ نہ ہی رہبانیت اور دنیا سے نفرت وحقارت کی تعلیم دی جاتی ہے بلکہ ایک متوازن زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ جس میں نہ تو دنیا کو ترک کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی اس میں غرق ہو جانے کی۔

مریدین کو یہ تلقین کی جاتی ہے کہ اپنے آپ کو ہر وقت عمل میں مشغول رکھیں۔ مزید تعلیم اور مہارت حاصل کر کے اور فکر و تدبر کے بل بوتے پر ترقی کی نئی راہیں تلاش کریں۔ دنیوی قدر و منزلت اور عزت و مرتبہ حاصل کرنے کے لیے بھرپور کوشش

(۱) مسدس حالی

کریں ۔اپنے فرائض منصبی اور حقوق العباد خوش اور تن دہی سے پوری طرح ادا کریں ۔مخلوق خدا کی خدمت کو اپنا شعار بنائیں ۔حکومت کے عائدہ کردہ ٹیکس اور دیگر واجبات ایمانداری سے ادا کریں تا کہ آپ ایک محنتی ، قابل اعتماد ، دیانتدار انسان اور اچھے شہری ہونے کی حیثیت سے پہچانے جائیں ۔

۶۔ دوسرے سلسلوں کی روحانی معراج اور آخری منزل کشف و کرامات کا حصول ہے لیکن ہمارے سلسلہ میں ان کی کوئی قدر قیمت نہیں ہے ۔ہمارے سلسلے کا آخری مقصد اللہ کا قرب ،عرفان اور لقاء کا حصول ہے ۔

۷۔ ہمارے سلسلہ میں جماعتی تنظیم اور اجتماعی زندگی باقی سب جماعتوں سے کہیں زیادہ محکم اور مستحکم ہے ۔ہمارے ہاں جماعت میں ہم رنگی اور ہم آہنگی برقرار رکھنے کے لیے بہت سے خلیفے بنا دینے کا دقیانوسی طریقہ ختم کر دیا گیا ہے اور صرف ایک ہی خلیفہ بنایا جاتا ہے اور وہی شیخ کا جانشین بھی ہوتا ہے ۔اس طرح جماعت چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم ہو جانے کی بجائے ایک ہی مرکز پر قائم رہتی ہے ۔ایک ہی قصبہ یا شہر میں بسنے والے جماعت کے افراد میں باہمی ربط و ضبط اور محبت کے فروغ کے لیے مقامی طور پر ہفتہ وار حلقہ ذکر قائم کیا جاتا ہے تا کہ سب بھائی ہفتہ میں کم از کم ایک دن تو آپس میں مل بیٹھیں ۔سالانہ اجتماع بھی اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ جن بھائیوں کو کبھی ملنے کا اتفاق نہیں ہوتا وہ وہاں مل کر ایک دوسرے کے نزدیک ہو جائیں اور یہ ملاقات ازدیادِ محبت کا باعث ہو ۔وراثتی گدی نشینی کے نظام سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان سے ہر کوئی آگاہ ہے ۔بانیء سلسلہ نے "طریقت توحیدیہ" اور اپنے وصیت نامہ کے ذریعہ یہ آئین بنا دیا کہ حلقہ توحیدیہ کے روحانی پیشوا کا منصب ہمیشہ کے لیے غیر وراثتی ہوگا ۔کوئی شیخ اپنے کسی رشتہ دار کو اپنا جانشین ہرگز نہ بنائے خواہ وہ اس کا اہل ہی کیوں نہ ہو ۔

کوئی روحانی پیشوا کسی ایسے شخص کو اپنا جانشین نامزد نہیں کر سکے گا جو اس کے خاندان کا رکن ہو یا اس کے خاندان سے کوئی تعلق رکھتا ہو ۔جانشینی کے لیے یہ اہم

اور بنیادی اصول ہوگا کہ جانشین رشتہ داری کے لحاظ سے بالکل باہر کا آدمی ہو۔

۸۔ ہمارے سلسلہ میں مریدوں کی تعداد بڑھانے کے لیے اندھا دھند ہر کسی کو بیعت نہیں کیا جاتا۔ جو شخص سلسلہ میں شامل ہونا چاہتا ہو، اسے کچھ عرصہ کے لیے پہلے طالب بنایا جاتا ہے تا کہ وہ سلسلہ کی تعلیم اور آداب و قواعد کو اچھی طرح سمجھ لے اور ان پر عمل کر کے دکھائے۔ کم از کم چھ ماہ کے لیے ضرور طالب رکھا جاتا ہے تا کہ وہ اس جماعت کے مقاصد اور اس کے ارکان کے اخلاق و کردار سے اچھی طرح آگاہ ہو سکے اور ہم بھی اسے پرکھ لیں کہ وہ حقیقتاً اللہ کے راستہ کا متلاشی ہے اور دنیوی اغراض و مقاصد کے لیے تو شامل نہیں ہونا چاہتا۔ جب طالب خوب ذوق شوق سے ذکر وغیرہ کرنے لگے اس میں روحانیت کے آثار پیدا ہو جائیں اور اس کا اخلاق سلسلہ کے کم از کم معیار پر پورا اترے تو اسے بیعت کر لیا جاتا ہے۔

۹۔ ہمارے سلسلہ میں غریب اور ضرورت مند بھائیوں کی مدد کے لیے ماہوار خیرات فنڈ قائم کیا گیا ہے جس میں ہر صاحب استطاعت بھائی اپنی آمدنی کے مطابق حصہ ڈالتا ہے جو لوگ مالی طور پر کمزور ہوں ان سے کچھ نہیں لیا جاتا بلکہ بوقت ضرورت ان کی مدد کی جاتی ہے۔ یہ فنڈ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم کی اشاعت اور دوسرے رفاہی اداروں کے قیام میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ فنڈ کا باقاعدہ حساب کتاب رکھا جاتا ہے۔ فنڈ کا روپیہ شیخ سلسلہ اور ایک مرید (جو شیخ کا رشتہ دار نہ ہو) کے مشترک اکاؤنٹ میں بینک میں محفوظ رکھا جاتا ہے۔

۱۰۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم مذہبی گروہ بندیوں اور فرقہ واریت سے بالاتر اور وسعت قلب و نظر کی مظہر ہے۔ وہ تمام اختلافی موضوعات جن سے فی زمانہ محراب و منبر کی رونق ہے اور جن کی وجہ سے دینی معرکے آراستہ کیے جاتے ہیں، وہ بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تصانیف میں ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں گے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ اختلافات دین کے اصولوں پر ہرگز نہیں ہیں بلکہ فروعات پر ہیں پھر بھی صبر و تحمل کے فقدان کے باعث

آپس میں سر پھٹول ہوتی رہتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ائمہ فقہ نے اپنی اپنی سمجھ بوجھ اور بصیرت کے مطابق جس سنت کے حق میں دلائل اور روایات کو قوی سمجھا اس کی صرف ترجیح کے حق میں فتویٰ دیا لیکن دوسرے مسالک کو کبھی بھی کسی نے غلط قرار دینے کی جرأت نہیں کی۔اتنے متقی اور محتاط بزرگ غلط کہہ بھی کیونکر سکتے تھے جب کہ دوسرے طریقوں کے لیے بھی حضورﷺ کی سنت ثابت ہونے کے دلائل موجود تھے اس مسئلہ کو ہم ذرا مختلف انداز سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔حضرت ہاجرہؓ اپنے فرزند حضرت اسماعیلؑ کی خاطر پانی کی تلاش کے لیے صفا و مروہ پر سات مرتبہ چڑھیں اور اتریں۔اللہ تعالیٰ کو یہ ادا بھا گئی تو صفا و مروہ کی سعی کا حکم فرما کر اس منظر کو تسلسل اور دوام عطا کر دیا۔حضرت ہاجرہؓ بے شک ایک پیغمبر کی ماں تھیں لیکن خود تو پیغمبر نہیں تھیں۔جب ان کے دنیوی کام کی ادا کی یہ قدر افزائی ہوئی تو حضور نبی کریمﷺ جو خیر البشر، سید الانبیاء اور اللہ کے حبیب ہیں۔ان کی تو ہر ہر ادا اللہ کو محبوب اور پیاری لگی ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ وہ ان کی ہر ہر ادا کو جاری و ساری رکھے ہوئے ہے، ہم ان فروعی اختلافات کو اسی محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں، چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ عرب ممالک میں لوگ فقہی اختلافات کے باوجود اکٹھے نماز پڑھتے ہیں۔کسی نے ہاتھ سینے پر باندھے ہوتے ہیں کسی نے ناف پر اور کوئی کھلے چھوڑ کر پڑھ رہا ہوتا ہے لیکن کوئی کسی کو ٹوکتا نہیں اور نہ یہ کہتا ہے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ان کے ہاں عموماً سلام پھیرنے کے بعد اپنے دونوں طرف بیٹھے بھائیوں سے مصافحہ کیا جاتا ہے اور ساتھ یہ دعا بھی دی جاتی ہے تقبل اللہ یعنی اللہ یہ نماز قبول فرمائے۔اللہ ہمیں بھی ایسی سمجھ اور صبر عطا فرمائے۔آمین!

یہی وجہ ہے کہ ہمارے سلسلہ میں ان اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے سب لوگ پیار سے رہتے ہیں اور جماعت کے ارکان آپس میں سگے بھائیوں سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔سب بھائی حکمت اور پیاری پیاری نصیحتوں سے ایک دوسرے کی اصلاح کا کام کرتے ہیں اور جو کوئی بحث مباحثہ میں الجھانا چاہتے ہیں اسے ہاتھ جوڑ کر سلام کرتے ہیں کیوں کہ بحث کرنا ہمارے مسلک میں منع ہے۔

اِلَّا اللہ کی ضرب

تصوف میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ذکر کو نفی اثبات کا ذکر کہتے ہیں ۔اس ذکر کی غایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل اور سویا ہوا دل جاگ اُٹھے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے عشق کی حرارت اور سوز و گداز پیدا ہو جائے۔ ذکر کا پورا فائدہ اسی حالت میں پہنچ سکتا ہے جب لَا اِلٰـہ کہنے پر دماغ بالکل خالی ہو جائے اور کسی طرح کا بھی کوئی خیال اور تصور باقی نہ رہے اور جب اِلَّا اللّٰہ کی ضرب دل پر لگائی جائے تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خیال ہو۔ سلوک کی راہ میں جو فناء فی اللہ، بقاء باللہ کی کیفیات آتی ہیں ان کو کوئی سالک اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کی نفی اور اثبات کامل نہ ہو جائیں ۔جتنی نفی کامل ہوگی اتنی ہی روحانی طاقت پیدا ہوگی اور جس قدر اثبات کامل ہوگا اتنا ہی سالک کو اللہ تعالیٰ کا قرب، حضوری اور معرفت حاصل ہوگی ۔نفی جب تک مطلوبہ معیار کے مطابق نہ ہو، اثبات صحیح نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ لَآ اِلٰـہَ کہتے وقت یہ خیال کرنا بہت سُودمند ہوتا ہے کہ کوئی بھی چیز کائنات میں موجود نہیں۔ یہ ہے کامل نفی اور اس کیفیت کو پختہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس حالت میں چار پانچ سیکنڈ ضرور ٹھہرا جائے ۔اس کی مثال یوں ہے کہ اگر کسی سلیٹ پر پہلے ہی بہت سی تحریریں گڈمڈ کر کے لکھی ہوئی ہوں اس پر لفظ اللہ بھی لکھ دیا جائے تو وہ واضح طور پر دکھائی نہیں دے گا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سلیٹ کو پوری طرح صاف کیا جائے اور اس کے بعد اس پر اللہ کا پاک نام لکھا جائے۔ اسی طرح اِلَّا اللّٰـہُ کی ضرب لگانے سے پہلے یہ امر بڑا اہم ہے کہ لوحِ خیال کو ہر نقش سے پاک کیا جائے تاکہ اللہ کا خیال پوری طرح واضح اور روشن ہو کر ابھرے۔ بقول شاعر:

لَآ کے جھاڑو سے نہ من کی جب تک ہو صفائی

اِلَّا اللّٰـــہ کی منزل تک نہ ہوگی کبھی رسائی

اس لئے تمام سالکینِ راہِ خدا کو چاہیے کہ نفی اثبات کا ذکر بڑی باریک بینی سے حرف بہ حرف قدم بہ قدم مرشد کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کیا جائے۔ذکر کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنے دماغ کو دنیاوی وساوس اور خیالات سے فارغ کر کے پوری توجہ اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مرکوز کی جائے۔اس کے بعد ناف کے ایک انگشت نیچے سے لفظ ''لا'' شروع کرو۔اس وقت گردن جھک جانی چاہیے اب گردن اوپر اٹھاتے جاؤ اور لفظ ''لا'' کو آہستہ آہستہ کھینچتے ہوئے سینے سے اور پھر دماغ کے اندر گزارتے ہوئے اُم الدماغ یعنی کھوپڑی کی اندرونی سطح پر جا کر ختم کرو۔یہاں تک پہنچتے پہنچتے گردن تن جانی چاہیے اور سر کسی قدر اُوپر اُٹھ جائے۔اب گردن کو داہنی طرف موڑو یہاں تک سَر داہنے کندھے کی طرف خوب جُھک جائے۔اسی کے ساتھ لفظ ''اِلٰہ'' کہو اور خیال کرو کہ کوئی شے اور کوئی ہستی موجود نہیں ہے۔یہاں تک کہ نہ اللہ کا خیال رہے اور نہ اپنے وجود کا یعنی دماغ میں کوئی بھی خیال باقی نہ رہے،بالکل خالی ہو جائے۔یہ نفی کی کیفیت کہلاتی ہے یہاں وقفہ کرنا بہت ضروری ہے۔اس لیے یہاں چند سیکنڈ ٹھہرو۔بہتر ہے کہ لمبا سا سانس اندر کھینچو۔اس سے اگلا مرحلہ اثبات کا ہے۔اب گردن اور سر کو بائیں طرف قلب کی جانب پوری طاقت اور جھٹکے سے جھکا کر دل پر اِلَّا اللّٰہُ کی ضرب لگاؤ اور فوراً یہ خیال کرو کہ صرف اللہ ہی اللہ موجود ہے اور اس کے سوا اور کچھ نہیں۔اب دماغ میں صرف اللہ کا خیال باقی رہنا چاہیے یہ اثبات کی کیفیت ہے اور یہاں بھی چند سیکنڈ کا وقفہ لازمی ہے تاکہ اثبات میں ٹھہراؤ آ جائے۔بہتر ہے یہاں بھی ایک سانس اندر لے لیا جائے اور اس کے بعد نفی و اثبات کا اگلا دور اور ہر دور ناف کے نیچے ہی سے شروع کرنا بہت ضروری ہے۔دل بائیں چھاتی سے تھوڑا سا نیچے واقع ہے اور اسکی صورت پان کے پتے کی سی ہے اور تھوڑا سا بائیں پہلو کی طرف جھکا ہوا ہے۔پتے کی ڈنڈی والی جگہ کو دل کی پشت کہتے ہیں جو دائیں کندھے کی

جانب سے آنے والی ''اِلاَّ الـلّٰــہ'' کی ضرب کے عین سامنے ہے اور ضرب اسی جگہ لگانی چاہیے۔ضرب لگانے کے فوراً بعد یا تو یہ خیال کیا جائے کہ ضرب لگانے سے لفظ ''اللہ'' سنہری روشنائی سے قلب پر لکھا گیا ہے اور اس سے سنہری روشنی پھوٹ رہی ہے۔یا یہ خیال کیا جائے کہ ضرب لگانے سے دل سے نور کا زوردار چشمہ پھوٹا ہے جس کا نور پوری کائنات میں پھیل گیا ہے۔یا پھر ضرب لگانے پر یہ خیال ہی کافی ہے کہ صرف اللہ ہی موجود ہے اور ہر طرف پوری کائنات میں صرف اللہ ہی اللہ ہے۔ان میں سے جس طریقہ پر بھی خیال جم جائے وہی ٹھیک ہے۔ذکرنفی اثبات میں لَآ اِلٰـہَ اِلَّا الـلّٰہُ کے چار حروف ہیں اور نفی اثبات میں چار ہی مقامات آتے ہیں۔ناف، اُم الدماغ، داہنا کندھا اور دل۔ پہلے دو حروف نفی کے ہیں جن کے معنی ہیں کہ کوئی اِلٰہ نہیں اور آخری دو الفاظ اثبات کے ہیں جن کے معنی ہیں لیکن اللہ۔اس لئے پہلے دو الفاظ کے بعد نفی کا سٹاپ ہے اور وہاں ضرور ٹھہرنا ہوگا۔ذکر کی ابتدا ہر مرتبہ ناف کے ایک انگشت نیچے سے جو کہ مقامِ نفس سے ہوگی۔یہاں سے لا کا سفر شروع ہو کر دوسرے مقام ام الدماغ پر ختم ہوگا لیکن یہاں وقفہ یا سٹاپ ہرگز نہیں بلکہ ایک موڑ ہے۔اس موڑ سے نفی کے سفر کی سمت داہنے کندھے کی طرف اِلٰہ کہتے ہوئے طے ہوگی۔یہاں بالکل اندھیرا ہے اور یہاں وقفہ بھی ضروری ہے۔وقفے کے بعد اگلا سفر اثبات کا ہے اور یہ بہت تیز رفتاری سے طے کرنا ہوتا ہے اور اس کی منزل قلب ہے۔

وقفے کے بعد پوری قوت اور جھٹکے کے ساتھ ''اِلاَّ اللہ'' کی ضرب قلب کی پشت پر لگائی جائے گی ضرب تو اِلاَّ الـلّٰــہ کی لگائی جائے گی لیکن خیال صرف اللہ کا کیا جائے گا۔یہ نفی اثبات کے سفر کی حقیقی منزل ہے اس لئے یہاں تھوڑا سا وقفہ کرنا بہت ضروری ہے۔صحیح ذکر کے لئے بھائیوں کو چاہیے کہ کلمہ طیبہ کے چار الفاظ کو ان کے اپنے اپنے مقام تک ضرور پہنچائیں۔جہاں ''لا'' کا سیدھا عمودی سفر ہے اسے اسی طرح طے کر کے نفس سے اُم الدماغ تک ضروری پہنچائیں۔پھر دائیں طرف مڑیں اور الـــٰــہ کہتے ہوئے داہنے کندھے پر پہنچ کر نفی کا سفر مکمل کریں اور یہاں وقفہ کریں پھر اِلاَّ الـلّٰــہ کی ضرب

سے اگلا سفر تیز رفتاری اور قوت سے طے کریں کہ دل پر جو ضرب لگے اس سے اللہ کے نور کا چشمہ پھوٹ پڑے اور وہ دل بینا بن جائے۔

عشق کی اِک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں (۱)

---

(۱) بالِ جبریل

روحانی سیر

انسانی جسم پر حکمرانی کرنے والی اور اس کے تمام اعضا کو اپنی مرضی
کے مطابق استعمال کرنے والی اصل طاقت ہی انسان کی حقیقت ہے، اسے روح کا نام دیا
گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ بندگی
نباتات، جمادات اور ملائکہ کی اطاعت سے یقیناً مختلف ہے ورنہ بندگی کو انسان کے لیے
مخصوص نہ کیا جاتا۔ انسان سے جو بندگی مطلوب ہے اس سے مراد وہ والہانہ اطاعت ہے جو
معرفت اور شدید محبت سے معمور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو محبت کا جوہر عطا کر کے اس
زمین پر بھیجا جہاں کا پتا پتا اور ذرّہ ذرّہ اس کی صفات کا مظہر بن کر اللہ کی تلاش و جستجو اور اس
کے قرب و رضا کی دعوت دے رہا ہے۔ بقول علامہ محمد اقبالؒ:

یہ دنیا دعوت دیدار ہے فرزند آدم کو
کہ ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوق عریانی (۱)

اس عظیم سعادت کے حصول کے لیے انسان کو ظاہری حواس عطا کیے
گئے تاکہ ان کے ذریعے مادّی مظاہر فطرت کا مطالعہ و مشاہدہ کر کے روح اپنے ربّ کی
معرفت حاصل کرے اور اس کی محبت میں آگے ہی آگے بڑھتی چلی جائے۔ یہ روح انسانی
کا صرف ایک رخ ہے جو عقل و شعور کے توسط اور حواسِ خمسہ کے سبب مادی عالم سے جڑا ہوا
ہے۔ اس کا ایک دوسرا رخ بھی ہے اور اس کا تجربہ کم و بیش ہر انسان کو ہوتا ہے اور ہر روز ہوتا
ہے۔ انسان جب سو جاتا ہے تو اس کا شعور عارضی طور پر معطل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ

---

(۱) ارمغانِ حجاز

اپنے ارگرد کے حالات بلکہ اپنے جسم سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔اس بے خبری کی کیفیت میں کئی مرتبہ عالم خواب میں آئندہ پیش آنے والے یا دور دراز مقامات پر ہونے والے واقعات اسے نظر آتے ہیں حالانکہ بیداری کی حالت میں ایسا نہیں ہوتا۔اسی طرح جاگتے میں بغیر کسی ظاہری ذریعہ علم اور شعوری کوشش کے کبھی کبھی خیال یا تجویز اچانک ہمارے دل ودماغ میں وارد ہو جاتی ہے اسے چھٹی حس یا Extra Sensory (ESP) Perception کا نام دیا جاتا ہے۔

ان تجربوں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ روحِ انسانی کا تعلق کسی دوسرے عالم سے بھی ہے جہاں شعور کا عمل دخل نہیں اور ظاہری آنکھوں کے علاوہ ایک باطنی حس بھی ہے جو دیکھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہے۔خواب کے علاوہ بھی اگر کوئی انسان اس امر پر قادر ہو کہ اپنے حواسِ ظاہری کو اپنی قوتِ ارادی سے عارضی طور پر معطل کر لے یعنی مادی عالم کی نفی کر کے مراقبہ میں چلا جائے تو اس کا تعلق عالم روحانی سے قائم ہو سکتا ہے۔نفسیات کی زبان میں یوں کہہ لیں کہ جب شعور غائب ہو جائے تو لاشعور جاگ اٹھتا ہے اور اس کا تعلق روحانی طبقات سے ہو جاتا ہے۔اگر کوئی شخص صلوٰۃ وذکر اور مجاہدے کے ذریعے اپنے قلب کا تزکیہ کسی حد تک کر چکا ہو تو خواب یا نیم بیداری کی کیفیت میں آئندہ ہونے والے کچھ واقعات اس کے لاشعور میں منعکس ہو جاتے ہیں۔یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس شخص کو تمام عالمِ روحانی کا ہر واقعہ معلوم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی روح کو اپنے مقام کی مناسبت سے جس قدر ماحول کا علم ہوتا ہے صرف اسی حصے میں تنزل کرنے والے واقعات معلوم ہو سکتے ہیں۔جو لوگ روحانی سلسلوں میں بیعت ہو کر مطلوبہ صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں ان میں سے کسی کسی کو اس طرح کے تجربات ہوتے رہتے ہیں۔جو لوگ نفی اثبات کا ذکر صحیح طریقے سے کرتے اور پاس انفاس کے ذریعے اپنی توجہ اور دھیان اللہ کی طرف لگائے رکھتے ہیں ان کا دل بیدار ہو جاتا ہے اور ان کے قلب کی وہ آنکھ کھل جاتی ہے جو مادی دنیا کے اس پار کے عالم میں جھانک سکتی ہے اس مشاہدے کو روحانی سیر کا نام دیا

جا تا ہے۔

ان میں سے بعض سالکوں کو نور، روشنی یا روحانی شکلیں نظر آتی ہیں۔ خواب یا جاگتے میں روحیں نظر آنے لگتی ہیں۔ دوزخ اور جنتوں کی سیر ہوتی ہے۔فرشتوں اور انبیاء کی زیارت ہونے لگتی ہے لیکن ہر ایک کے ساتھ ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔ان میں سے بعض تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور محبت میں اس قدر مستغرق ہوتے ہیں کہ کسی اور چیز کو دیکھنے کی فرصت اور استعداد ہی ان میں باقی نہیں رہتی اور بعض کی آنکھوں پر اللہ تعالیٰ خود پردہ ڈال دیتا ہے ورنہ وہ ان دلفریب نظاروں کی سیر ہی میں پھنس کر رہ جائیں اس لیے جن سالکوں کو کچھ بھی نظر نہ آئے انہیں یہ خیال ہرگز نہ کرنا چاہیے کہ ہماری ترقی نہیں ہو رہی۔انہیں یہ دیکھنا چاہیے کہ مرشد کی دی ہوئی تعلیم پر عمل کرنے سے قلب میں سوزِ محبت اور اللہ کی ذات سے تعلق اور اس پر توکل بڑھ رہا ہے، دنیا کی محبت کی بجائے آخرت کی فکر دل میں بڑھ رہی ہے اور اخلاق کی اصلاح ہو رہی ہے یا نہیں۔روحانی اثرات کا جلد یا دیر سے پیدا ہونا اور روحانی سیر کا ہونا یا نہ ہونا دراصل سالک کی ذہنی اور روحانی بناوٹ پر منحصر ہوتا ہے۔اس لیے اس کے بارے میں تشویش لاحق نہیں ہونی چاہیے۔سالک کو کچھ دکھائی دے یا نہ دے لیکن اللہ کے ذکر کے اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں۔راہِ تصوف اور ذکر کا مقصود روشنیاں اور روحانی صورتیں دیکھنا تو نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا حصول ہے۔لہٰذا خلوص کا تقاضا یہی ہے کہ راستے کے نظاروں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے آقا اور محبوب کا ذکر پورے ذوق وشوق سے جاری رکھا جائے۔اللہ تعالیٰ نے کثرت سے ذکر کرنے والوں کے لیے قرآن کریم میں جس نعمت کا وعدہ فرمایا ہے وہ اصل دولت ہے جو ہر ایک کو عطا کی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ دل صرف اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔یہ بھی فرمایا کہ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا اور یہ بشارت بھی فرمائی کہ کثرت سے ذکر کرنے والوں کے لیے ہم نے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔یہی نعمتیں سب سے بڑی ہیں اور یہی دراصل مطلوب ہیں۔ان کے علاوہ جو کچھ ملے یا دکھائی دے تو یہ مالک کی اضافی رحمت

اور سالکوں کے لیے حوصلہ افزائی کا سامان ہے۔

اب بھی سلسلے کے کئی بھائی اس طرح کی چیزیں دیکھتے رہتے ہیں چونکہ اپنے روحانی مشاہدات دوسرے بھائیوں کو بتانے کی اجازت نہیں ہوتی اس لیے وہ ان کا ذکر کسی سے نہیں کرتے۔ ایسے بھائی راہنمائی حاصل کرنے کے لیے ایسے خواب یا مشاہدات مجھے لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں حال ہی میں آئے ہوئے دو بھائیوں کے خط ان کا نام لکھے بغیر یہاں نقل کر رہا ہوں۔ ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> کل میں خانہ کعبہ گیا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا گھر بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ مجھے جانے کیا ہوا کہ بس میں اللہ سے چمٹ گیا اور مجھے بہت سکون ملا۔ لیکن ساتھ ہی ڈر بھی رہا تھا کہ انہیں کہیں کھو نہ دوں اس لیے میں نے اللہ میاں کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ لیا کہ اب کہیں نہیں جانے دوں گا اللہ کو۔ یہ میرے ہیں۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے حضور ﷺ کے روضہ مبارک کی سنہری جالیاں بھی دیکھیں مگر ان کے قریب نہ جا سکا۔ نجانے کیوں، غالباً ابھی میں اس قابل نہیں ہوا۔ ایک رات پہلے ایک بزرگ خواب میں ملے، ان کی آنکھیں سبز تھیں لیکن داڑھی نہ تھی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ میں جو کچھ چاہتا ہوں کیا وہ مجھے مل جائے گا۔ وہ چپ ہو گئے لیکن میں سب کچھ سمجھ گیا۔

دوسرے بھائی رقم طراز ہیں:

> مجھ پہ کئی ماہ سے جو کیفیات وارد ہوئیں ان کو بیان کرنا ذرا مشکل ہے۔ ایک دفعہ روحانی پرواز کے بعد ایسے سمندر نما مقام پہ پہنچا جہاں ماسوائے سکون و راحت کے اور کچھ محسوس نہیں ہوا اور کافی دیر میں اس عالم میں غرق رہا۔ اس کے علاوہ بارہا روحانی پروازیں ہوئیں مگر

ان میں سے کسی بھی عالم کی وضاحت کرنے سے قاصر ہوں۔ دو دن قبل نیم بیداری کی حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ فضا میں ایک نغمہ سا گونج رہا ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح تھا کہ ہم نے جن وانس کو دیگر مخلوق پر شہنشاہی عطا کی۔ اس نغمے کو میں بھی دہرانے لگا، جونہی میں نے یہ الفاظ یا اس کے مماثل الفاظ دہرائے تو میں نے یکا یک حضرت سلیمانؑ کی قربت محسوس کی۔ اس کے ساتھ ہی ٹارچ کی روشنی کی مانند شعاؤں میں سے ایک میرے قلب کی جانب جب کہ دوسری شعاع سینے کی دوسری جانب پیوست ہوگئی۔ ان شعاؤں کی شدت اس قدر زیادہ تھی کہ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے دو بھاری میخیں میرے سینے میں گاڑھ دی گئی ہوں اس کے ساتھ ہی میری پرواز راکٹ کی سپیڈ سے بلندی کی طرف شروع ہوگئی اردگرد کے تمام مقامات کی ماہیت ایک طویل پٹی کی مانند تھی، جس میں ایک حصہ ہلکے سفید رنگ کا اور دوسرا بالکل خلا کی طرح کا تھا۔ یہ کیفیت کافی دیر تک مجھ پر طاری رہی۔ پھر کچھ لمحے بعد بالکل یہی کیفیت دوبارہ شروع ہوگئی اس مرتبہ فرق صرف یہ تھا کہ حضرت سلیمانؑ کی بجائے حضور نبی کریم ﷺ کی روحانیت سے فیضان ملا۔ اگرچہ ان مقدس ہستیوں کی صورت وشباہت تو نظر نہ آئی مگر یہ یقین حاصل رہا کہ یہ فیض انہی سے مل رہا ہے یہ کیفیات اس طرح وارد ہوئیں جیسے کسی مریض کے بے ہوش کیے بغیر اس کا آپریشن کیا جائے۔ ان مواقع پر غالباً حضرت ابراہیمؑ تھے جو نگرانی یا مشاہدہ فرما رہے تھے تاہم مجھے اس بات کا یقین نہیں کہ وہ حضرت ابراہیمؑ تھے یا حضرت نوحؑ۔ مذکورہ بالا کیفیات مجھ پر دو مرتبہ دہرائی گئیں۔ اس کے بعد میں ایک

عجیب قسم کے سمندر نما مقام تک پہنچ گیا جس میں داخل ہو کر بہت
فرحت حاصل ہوئی۔

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے والوں کو عجیب وغریب قسم کی روحانی کیفیات سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہر سالک کا راستہ اور راستے کی سیر ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ ان نازک مقامات اور کیفیات سے سلامتی کے ساتھ گزرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل اور رحمت کی ہر قدم پر ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے ساتھ جو خطرات وابستہ ہیں ان کی نشاندہی کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے ہادی و مرشد حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری کی کتاب ''تعمیر ملت'' سے متعلقہ اقتباس آپ کی خدمت میں پیش کردوں:

> جذب کی طرح کشف القبور اور رویت ارواح میں بھی کئی بڑے خطرات ہیں ایک تو یہ کہ یہ تماشا بہت دلچسپ ہوتا ہے اور اسے چھوڑ کر آگے بڑھنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ دوسرے یہ کہ اکثر سالکوں کے دل میں اس کی وجہ سے کبر وغرور پیدا ہو جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اکثر سالک رویت ارواح کو ہی انتہائے بزرگی اور منتہائے سلوک سمجھ لیتے ہیں۔ ان تینوں باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان تمام اشغال و اوراد سے دست کش ہو جاتے ہیں جو تکمیل سلوک کے لیے ضروری ہیں۔ وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ یہ تو سلوک کی الف بے تے ہے ابھی تو دائرہ ولایت میں پہلا قدم بھی نہیں رکھا گیا۔ ہم خود کئی ایسے طالبوں کو جانتے ہیں جو اس مقام پر ایسے پھنسے کہ پھر آگے نہ بڑھ سکے اور اپنے اصلی مقصد یعنی حصول معرفت و رویت باری تعالیٰ سے محروم رہ گئے اس لیے طالبان راہ حق کے فائدے کے لیے عرض کیا جاتا ہے کہ اگر یہ مشاہدات پیش آئیں تو انہیں پرپشہ کے برابر بھی وقعت نہ دو۔ ہو

سکے تو بالکل نفی کر دو، نہ ہو سکے تو نظر انداز کر کے برابر آگے بڑھتے رہو اور اس وقت تک قدم کو سست نہ ہونے دو جب تک عدم سے پار نہ ہو جاؤ کیونکہ اصل حقائق کا پتہ عدم سے آگے ہی لگتا ہے۔

سوانح نگاروں کا ظلم

ایک دن بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
نے ارشاد فرمایا کہ قبر پرستی، پیر پرستی اور بزرگوں کو مافوق الفطرت ہستی جاننے میں سوانح نگاروں کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔اولیائے کرام کے حالات وواقعات کوقلم بند کرنے والے عام طور پر ان کے مرید ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنے بزرگوں کی زندگی کا تنقیدی جائزہ لینے کی بجائے اسے صرف عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ان سے سرزد ہونے والی کرامات کے فسانے خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔اسی طرح اللہ والوں کی قبولیت دعا کے واقعات بھی اثر انگیز طریقوں سے تحریر کیے جاتے ہیں۔جب کوئی قاری اولیاءاللہ کے تذکروں میں مسلسل ایسے واقعات پڑھتا ہے کہ فلاں بزرگ کے پاس ایک لاعلاج مریض حاضر ہوا تو انہوں نے اس کے لیے دعا کی تو اس کی بیماری دور ہوگئی۔ایک شخص آیا جس کی شادی کو بارہ برس گزر گئے تھے لیکن اولاد کی نعمت سے محروم تھا۔پیر صاحب نے اسے پانی دم کر کے پلایا، اس کی بیوی کو سیب دم کر کے کھلایا تو اس کے اولاد ہوگئی۔

ایک خاص مجلس میں قبلہ حضرتؒ پر ایک لمحہ کے لیے ایسی کیفیت طاری
ہوئی کہ آپ نے پاس بیٹھے ہوئے احباب سے فرمایا "مانگو کیا مانگتے ہو" اس وقت جس نے جو کچھ مانگا اسے وہی مل گیا۔جس نے روحانی بزرگی مانگی اسے وہ مل گئی اور جس نے پیسہ مانگا وہ چند برسوں میں کروڑپتی بن گیا وغیرہ وغیرہ۔تو اس کے ذہن میں لازمی طور پر یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اللہ والے بزرگ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں وہ بگڑی ہوئی تقدیریں بناتے ہیں جس کو جو چاہیں عطا کر سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں ہر چیز کا اختیار دے دیتا ہے۔وہ مرنے

کے بعد اپنے ماننے والوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے منصب پر فائز رہتے ہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ اوپر دیئے گئے واقعات من گھڑت اور جھوٹے
ہیں۔ بخدا اس قسم کی کرامات بزرگوں سے صادر ہوتی رہتی ہیں بلکہ ان سے بھی عجیب تر
واقعات کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور اللہ والوں کی دعا سے ناممکن قسم کے کام بھی ممکن ہو جاتے
ہیں لیکن یہ تصویر کا صرف ایک رخ ہے۔ بزرگوں کی زندگی کے اس جزوی مطالعہ کی وجہ ہی
سے خدا کے یہ مخلص بندے خود خدا دکھائی دینے لگتے ہیں۔

سوانح نگاروں نے ان کی زندگی کے صرف ایک پہلو پر روشنی ڈال کر
بڑا ظلم کیا ہے۔ انہیں چاہئے تھا کہ ان بزرگوں کی پوری زندگی کا جائزہ لیتے اور ان کو جن جن
مصیبتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا' وہ بھی بیان کرتے۔ جو جو بیماریاں آئیں وہ بھی لکھتے
اور اللہ تعالیٰ کے حضور انہوں نے جو بہت سی دعائیں کیں اور اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں کیں ان
کا بھی ذکر کرتے۔ اس طرح ان کا تذکرہ پڑھنے والوں پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ
اولیائے کرام اپنی روحانی بزرگی کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہی تھے۔ جہاں ان کی
دعائیں قبول ہوئیں اور ان سے کرامات کا ظہور ہوا' وہاں کئی دعائیں اور التجائیں اللہ تعالیٰ
نے نامنظور فرما دیں۔ اللہ اللہ ہے اور بندہ بندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ منظور فرما لے تو ناممکن سے
ناممکن کام بھی ہو جاتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو اس پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ خود میری اتنی
کرامات ہیں کہ لکھنے بیٹھوں تو ایک کتاب بن جائے لیکن ہم انہیں وقعت نہیں دیتے۔ ہم
تعلیم اور اخلاق پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اگر اخلاق اچھا نہ ہو تو روحانی طاقت بھی فضول ہے
کیونکہ اس سے انسان ولی الرحمٰن بننے کی بجائے ولی الشیطان بن جاتا ہے۔ میری دعاؤں
سے کئی ایک بیماروں کو شفا اور بے اولادوں کو اولاد عطا ہوئی۔

شاہدرہ والے ڈاکٹر صادق کی بھینس دودھ دینے نہیں دیتی تھی میں
نے اسے کہا کہ جا کر بھینس کے کان میں کہہ دو کہ انصاری صاحب کہتے ہیں کہ دودھ دے
دو۔ تو اس نے فوری طور پر دودھ دینا شروع کر دیا۔ پشاور میں ایک مرتبہ بجلی چلی گئی۔ میں

سویا ہوا تھا لیکن جو پنکھا میرے لیے لگا رکھا تھا وہ بدستور چلتا رہا اور بیسیوں بھائیوں نے دیکھا۔ یہ سب کچھ کون کرتا ہے؟ اللہ کرتا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے تب ہی ایسا ہوتا ہے، ہر وقت ایسا نہیں ہوتا۔ یہی کرامات کی حقیقت ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے ہوئیں اور ہوں گی۔ جب اللہ چاہتا ہے کہ کسی بزرگ سے کوئی کرامت سرزد ہو تو اس کی طاقت عارضی طور پر اس کو دے دیتا ہے۔ کرامات وغیرہ کی طاقتیں اولیاء کی ذاتی طاقتیں نہیں ہوتیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب بندے ہوتے ہیں اور ان کے ذریعے سے نوع انسان کو ہدایت ملتی ہے اس لیے ہمیں ان کی عزت اور محبت کرنی چاہیے۔ نہ تو ان کو خدا اور مشکل کشا سمجھنا چاہیے اور نہ ہی ان کے متعلق کبھی کوئی برائی دل میں لانی چاہیے۔ میری اپنی زندگی میں کتنی مصیبتیں آئیں لیکن میں کسی کو بھی دور نہیں کر سکا۔ ملازمت کے دوران جب میں شملہ میں تھا تو گھر میں چوری ہوگئی چور سب کچھ لے گئے اور گھر کا صفایا ہوگیا۔

ایک مرتبہ بغیر کسی قصور کے نوکری سے نکال دیا گیا اور مجبوراً ہڈیوں کا

کاروبار کرنا پڑا اور کچھ عرصہ قیام ایک جنگل میں رہا۔ کئی ایک بیماریاں لگیں جن میں چند ایک نے کافی طول کھینچا۔ اب بھی کتنی ساری ہیں کس کس کا نام لوں۔ اب آخری وقت اور بڑھاپے میں اللہ میاں نے ٹانگ توڑ دی ہے۔ ایک ہی جوان بیٹا تھا اسے اللہ نے واپس بلا لیا۔ عبدالستار خاں کے لیے میں نے بڑی دعائیں کیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بیٹا دے لیکن نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ ایک مرتبہ میرے پاس سیب آئے تو میں نے دم کر کے ایک سیب بیگم ستار کو بھیجا کہ اسے کھا لے، مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اولاد نرینہ سے نوازے گا۔ اتفاق سے ان کے پاس کوئی مہمان عورت آئی ہوئی تھی انہوں نے سیب اسے کھلا دیا اور اللہ نے اسے فرزند عطا فرمایا۔ اب بتاؤ جب اللہ ہی نہ چاہے تو کیا ہوسکتا ہے۔ اس پر کسی کا زور نہیں چلتا وہ جو چاہے کرے کہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔

الغرض زندگی میں ہر قسم کی مشکلات آئیں۔ کبھی کچھ ہوا بس صرف

فاقے نہیں آئے ان کا مجھے انتظار ہی رہا۔ یہ ہے بزرگی کا دوسرا رخ جو سوانح نگاروں کو

چاہیے کہ اپنے قارئین کو ضرور دکھائیں تاکہ وہ جان لیں کہ اولیائے کرام اپنی بزرگی اور عظمت کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہی تھے اور بندے کا کام ہے کہ ہر حال میں اپنے آقا سے خوش رہے اور کبھی بھی حرفِ شکایت اپنی زبان پر نہ لائے۔

پیغمبرانہ اخلاق

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "دنیا کی محبت تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے اور تمام نیکیوں اور خوبیوں کا منبع اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔" انسانی زندگی کا مقصود ہی یہ ہے کہ حیات ارضی کی مدت اس طریقہ او رانداز سے بسر کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے ۔اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ دین اس مقصود کو حاصل کرنے کے لیے ایک مکمل لائحہ عمل ہے اور اس کی بنیاد ہی نوع انسان اور مخلوق خدا کی محبت اور خدمت پر رکھی گئی ہے۔مخلوق سے محبت کیے بغیر خالق کی محبت کا ملنا محال ہے۔حضور نبی رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایمان لانے کے بعد سب سے بڑی دانائی انسانوں کے ساتھ محبت کرنا ہے۔سیرت کی کتابوں میں جانوروں کے ساتھ محبت کا ایک سبق آموز واقعہ درج ہے ایک مرتبہ مجاہدین اسلام جس راستے پر جا رہے تھے اس کے کنارے ایک جھاڑی کی اوٹ میں ایک کتیا نے بچے دیئے ہوئے تھے۔وہ ان کی حفاظت کے پیش نظر او راپنی محبت سے مجبور ہو کر بار بار دوڑ کر آتی او رمسافروں کو کاٹنے کے لیے لپکتی ۔جب حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صورت حال کا علم ہوا تو آپ نے اس جھاڑی سے پہلے مناسب فاصلے پر ایک مجاہد کو کھڑا کر دیا اور ہدایت دی کہ پیچھے آنے والے مجاہدین کو بتاتے جائیں کہ جھاڑی سے دور ہٹ کر گزریں تا کہ اس کتیا کو تکلیف نہ ہو۔سبحان اللہ۔کتنی گہرائی اور وسعت تھی آپ کی محبت میں کہ ایک بے زبان جانور کے جذبات کا احساس کرتے ہوئے اس کے آرام کے لیے فوری انتظام کر دیا گیا۔اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبر محبت و مودّت اور رحمت و رافت کی تعلیم کے علمبردار تھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ خود سراپا رحمت ہیں ۔قرآن کریم میں ارشاد

ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے رحمت لکھ دی ہے۔

اسی طرح ایک حدیث قدسی میں اللہ فرماتا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ تفسیر کبیر میں امام رازی لکھتے ہیں کہ جب موسیٰ سے ایک آدمی مارا گیا تو آپ وہاں سے بھاگ کر حضرت شعیبؑ کے پاس مدین پہنچ گئے اور ایک معاہدہ کے تحت ان کی بکریاں چرانی منظور کر لیں۔ ایک دن ایک بکری باڑے سے نکل بھاگی تو موسیٰ اسے پکڑنے کے لیے گئے لیکن وہ کسی طرح قابو میں نہ آ رہی تھی۔ وہ کانٹے دار جھاڑیوں میں الجھتی ہوئی آگے آگے اور حضرت صاحب پیچھے پیچھے تھے۔ اس بھاگ دوڑ میں دونوں کے پاؤں بھی لہولہان ہو گئے۔ آخر کار تھک ہار کر بکری کھڑی ہو گئی تو موسیٰؑ اسے پکڑ کر فرمانے لگے "اگر میرا خیال نہیں تھا تو اپنا خیال تو کیا ہوتا، بھاگ بھاگ کر تھک گئی ہو۔ جسم میں کانٹے چبھے ہوئے ہیں اور خون رس رہا ہے۔" آپ نے بکری کے جسم سے کانٹے نکالے اور پھر اس کی تکان کا احساس کرتے ہوئے اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر واپس لے آئے۔ جن فرشتوں نے یہ سارا منظر دیکھا تھا وہ محبت کے اس منفرد مظاہرے سے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور گزارش کی کہ باری تعالیٰ بکریوں کا یہ گڈریا تو سراپا محبت ہے۔ اسے بکری کی اتنی فکر تھی کہ اپنے زخموں کا خیال ہی نہ تھا۔ اس کا اخلاق تو پیغمبروں جیسا ہے اسے تیرا رسول ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ہمارا رسول ہی ہے اور بہت جلد یہ ذمہ داری اس پر ڈالی جانے والی ہے۔ معزز قارئین کرام خدمت خلق اور اکرام انسانیت ہی اسلام کی تعلیم ہے جس میں انسانی مال، جان اور عزت کو حرمت عطا کی گئی ہے۔ فقر اور طریقت بھی خدمت خلق ہی کا نام ہے:

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح وسجادہ و دلق نیست (۱)

---

(۱) بوستان سعدی، شیخ سعدی شیرازی

اولی الالباب

اللہ تعالٰی نے انسان کو اپنی معرفت کے لیے پیدا کر کے زمین کی خلافت عطا فرمائی اور حصول معرفت کے لیے دو وسیع میدان عطا کر دیئے۔ ایک میدان تو انسان کے اردگرد پھیلی ہوئی وسیع کائنات کا ہے، جسے آفاق کہا جاتا ہے اور دوسرا میدان انسان کی اپنی ذات کا ہے، جسے جہان اصغر بھی کہا جاتا ہے اور قرآن اسے انفس کا نام دیتا ہے۔ ان دونوں ہی میں اللہ تعالٰی کی ان گنت آیات موجود ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

وَفِى الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (۱)

اور زمین میں اہل ایمان و یقین کے لیے نشانیاں موجود ہیں اور تمہارے نفسوں کے اندر بھی۔ کیا تم دیکھتے نہیں۔

اس آیت مبارکہ کے پیغام کے مطابق جو لوگ اہل ایمان ہوتے اور اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں کہ پوری نسل انسانی اور تمام کائنات اللہ تعالٰی کی پیدا کی ہوئی ہے وہ یہاں کی ہر چیز کا وسعت نظر سے مشاہدہ کرتے اور اور تمام مظاہر فطرت میں تدبر و تفکر کرتے رہتے ہیں تاکہ اللہ تعالٰی کی صنعت میں اس کی پوشیدہ و ظاہر آیات کے ذریعے صانع کی معرفت حاصل کر سکیں۔ علم کی دوسری بے شمار برکات اور مادی فوائد کے علاوہ یہ سب سے بنیادی مقصد ہے۔

---

(۱) سورۃ الذاریات: ۲۱-۲۰

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے بندے وہی علم نفع مند ہے جو تجھے مجھ تک پہنچا دے اور جدائی سے ملاپ تک لائے اور دوری سے حضوری تک راستہ دکھائے۔ جس چیز کو تو دیکھے مجھ کو جانے اور مجھ ہی کو پڑھے۔'' علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

علم آں باشد کہ جاں زندہ کند
مرد را باقی و پائندہ کند (۱)

علم وہی ہے جو جان یعنی روح کو زندہ کرے اور اس فانی انسان کو باقی اور قائم رہنے والا بنائے۔

اس طرح زندگی کے سفر میں اہل ایمان کا ہر قدم اللہ کی معرفت کی راہ میں نئی آن اور نئی شان سے آشنا ہوتا اور تعلق مع اللہ اور توکل علی اللہ کے لحاظ سے ہر آنے والا دن گزشتہ کل سے بہتر ہوتا چلا جاتا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے کیوں کہ حضور آقائے دو جہاں، سرور عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''اللہ تعالیٰ کی محبت اور ایمان و ایقان کے لحاظ سے جس مومن کے دو دن یکساں حالت میں گزریں، وہ خسارے میں ہے۔'' اسی حقیقت کو علامہ محمد اقبالؒ نے شعر کی صورت میں یوں فرمایا:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان (۲)

اس کیفیت کے حصول کے لیے لازمی ہے کہ انسان کے اندر زندگی کے ایک ایک لحظہ کی قدر و قیمت کا شعور پیدا ہو جائے اور وہ کسی بھی لمحے اپنے محبوب حقیقی کی محبت اور یاد سے غافل نہ ہو اور اللہ کے ذکر کی برکت سے اس کا ہر سانس عرش کی جانب سفر میں اسے قوت پرواز مہیا کرتا چلا جائے اور وہ اس طرح کے رنگ میں رنگا جائے کہ اس کی گفتگو سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور بے نیازی کی خوشبو اور اس کے کردار سے اللہ کے پیار کا اظہار ہونے لگے:

---

(۱) بالِ جبریل

(۲) ضربِ کلیم

کاش کہ قیمت انفاس بدانستے خلق

تا دمے چند مانند غنیمت شمارند

کاش کہ لوگوں کو سانسوں کی قدر و قیمت کا پتہ ہوتا تا کہ جتنے دم باقی ہیں انہیں تو غنیمت جانتے۔

ہمارے سلسلۂ توحیدیہ میں جو ذکر پاس انفاس بتایا جاتا ہے اس کی یہی غرض و غایت ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر سانس جو اندر جائے یا باہر آئے اس کے ساتھ لفظ ''اللہ'' اس طرح کہا جائے کہ دل کہے اور کان سنیں۔ زبان و لب اور کام و دہن کا اس میں کوئی کام نہیں اور اس قلبی ذکر کے دوران یہ خیال بھی کرو کہ اللہ میرے اندر، باہر، اوپر نیچے، آگے پیچھے، دائیں بائیں اور ساری فضا و خلا میں موجود ہے۔ اگر چہ وہ نظر نہیں آتا لیکن وہ یقیناً ہر وقت اور ہر جگہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ اللہ کہتے وقت یہ خواہش بھی پوری شدت کے ساتھ شامل ہونی چاہیے کہ اے اللہ تو مجھے نظر آ جا، مجھے اپنا جلوہ دکھا اور مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرما کیوں کہ یہ خواہش ہی اللہ تعالیٰ کی محبت کی ابتدا ہے۔ اس ذکر کی برکات بے شمار ہیں اور اس کی لذات سے آشنائی اس پر عمل کرنے ہی سے حاصل ہوتی ہے کیوں کہ اسی سے سالکِ راہ خدا کو حقیقی اطمینان قلب کی دولت ملتی اور اس پر روحانیت کی وسیع و عریض دنیا کا دروازہ کھلتا ہے۔

غور و خوض کرنے کا مادہ ہر انسان میں موجود ہوتا ہے، کسی میں کم کسی میں زیادہ۔ انسان کے ارگرد نباتات، جمادات اور حیوانات کی ہزاروں قسمیں، سورج چاند، اور ستارے، بلند و بالا پہاڑ، سمندر اور دریا، ہواؤں کا چلنا، گھٹاؤں کا برسنا، مردہ زمین کا زندہ ہو جانا اور اس میں سے رنگا رنگ پھولوں اور مختلف ذائقوں کے حامل پھلوں اور غلوں کا پیدا ہونا مخلوق کی ہر نوع کا جوڑا جوڑا ہونا اور ان کی نسلوں کی پیدائش، افزائش یہ سارے مناظر انسان کو دعوت نظارہ دیتے اور اسے تدبر و فکر پر اکساتے ہیں تا کہ وہ حقیقت شناس بن کر خالق کائنات کی معرفت میں ترقی کرتا چلا جائے۔ کئی مفکرین ایسے بھی گزرے ہیں جو

اگرچہ ایمان کی دولت سے محروم تھے پھر بھی ان کی فکر رسا نے انفس و آفاق میں فطرت کے ایسے ایسے راز معلوم کیے کہ انسانی زندگی میں انقلاب آ گیا۔ان کی لکھی ہوئی کتابوں اور پیش کردہ نظریات نے انسانی ترقی کی تاریخ میں دائمی مقام حاصل کر لیا۔لیکن ایمان کی محرومی کی بنا پر ان کی یہ جدوجہد یک طرفہ ہی رہی اور اللہ تعالیٰ کی کاریگری کے عظیم راز جان لینے کے باوجود بھی مادی سوچوں سے باہر نہ نکل پائے اور خالق کی معرفت سے محروم رہ گئے۔اس راہ میں کئی لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جو بنیادی طور پر دہریہ تھے لیکن سائنسی تحقیق کے دوران اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ نظاموں اور اس کی حیرت انگیز کاریگری کو دیکھ کر ان کی عقلیں دنگ اور ذہن مبہوت ہو کر رہ گئے اور وہ ایک صاحب ارادہ، منتظم، عظیم حساب دان اور اعلیٰ ترین شعور کے حامل، خالق کائنات کی ہستی کے وجود کا اقرار کرنے پر مجبور ہو گئے۔
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی فرما رکھا ہے:

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (۱)

ہم عنقریب ان کو انفس اور آفاق میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔
یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ یہ قرآن حق ہے۔

یہ تو فیضان سماوی اور لذات ذکر سے محروم سائنس دانوں کا حال بیان ہوا ہے۔لیکن قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کی تعریف فرمائی ہے۔انہیں "اولی الالباب" کا نام دیا ہے۔ان الفاظ کا ترجمہ عام طور پر اہل عقل یا ارباب دانش کیا جاتا ہے۔لیکن اولوالالباب میں جو وسعت اور گہرائی ہے اس کی ترجمانی اہل عقل کے الفاظ سے نہیں ہو سکتی۔لب کا لفظ اردو میں بھی مستعمل ہے جس کے معنی عطر، نچوڑ، خلاصہ یا حقیقت ہے۔لب لباب اکثر انہی معنوں میں لیا جاتا ہے۔اس طرح اولی الالباب سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی معرفت کی جستجو میں اس کا ذکر کرتے اور مظاہر فطرت میں تدبر

---

(۱) سورۃ حم سجدۃ:۵۳

وتفکر کرتے ہیں تاکہ ہر شے کی حقیقت جان سکیں۔ چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ کُلِّ شَیْءٍ کَمَا ھِیَ۔ اے اللہ ہمیں (یعنی سارے مومنین کو) ہر شے کی حقیقت جیسی کہ وہ دراصل ہے دکھا دے۔ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ لگانے کے لیے اس دور کے ایک معروف سائنس دان سٹیفن ہاکنگز (Stephen Hawking) کی ایک تحریر ملاحظہ فرمائیں۔ وہ اپنی مشہور کتاب (A Brief History of Time) میں لکھتا ہے:

> آج بھی ہم یہ جاننے کے لیے سرگرداں ہیں کہ ہم اس دنیا میں کیوں ہیں اور ہم کہاں سے آئے ہیں؟ انسانیت کے اندر حصول علم اور تلاش حق کی جو تڑپ موجود ہے وہی ہماری مسلسل علمی جستجو کے لیے جواز مہیا کرتی ہے۔ اور ہمارا ہدف اس سے کم ہرگز نہیں ہے کہ ہم جس کائنات میں رہ رہے ہیں اس کی مکمل تشریح اور پوری حقیقت جان لیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور ایک سائنس دان اور مفکر کے مدعا میں کتنی مشابہت اور کس قدر یکسانیت ہے۔ ان حقائق کی موجودگی میں ہمارے علمائے کرام کو چاہیے کہ وہ سائنسی علوم کو غیر دینی سمجھ کر نظر انداز کرنے کی روش بدل لیں۔ سائنسی علوم کا حصول اور کائنات کی تسخیر خلافت ارضی کے منصب کا اہم تقاضا ہے۔ اس کے بغیر نہ تو دنیوی شان وشوکت حاصل ہوسکتی ہے نہ ہی معرفت الٰہی۔ اس لیے سائنسی اور صنعتی ترقی کو دوسری قوموں کے ہم پایہ بنانے بلکہ ان سے بھی آگے بڑھانے کے لیے ملی سطح پر متحدہ منصوبہ بندی اور عملی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمان قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے صلوٰۃ وزکوٰۃ کے پابند اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اللہ کو محبت کے ساتھ یاد کرتے تھے اور اس جستجو میں کائنات و مافیہا کو اپنے محبوب کی آیات یعنی نشانیاں سمجھ کر

مراقبہ ومشاہدہ کے ذریعے ان کی حقیقت جاننے کی سعی کرتے تھے۔ جس کے نتیجے میں دنیا کی علمی قیادت بھی مسلمان حکماء کے ہاتھ میں رہی۔ ایسے مومنین ہی اولی الالباب کہلاتے ہیں اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّار (۱)

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں حقیقت کے متلاشیوں کے لیے نشانیاں ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب آپ نے انہیں بے فائدہ پیدا نہیں فرمایا۔ آپ پاک ہیں۔ ہمیں آگ کے عذاب سے بچالیں۔

اس کائنات میں جو اللہ تعالیٰ کی ظاہر اور پوشیدہ آیات ہیں وہ حصول معرفت میں انہی لوگوں کی معاون بنتی ہیں جو اس پر ایمان لاکر اس کی رضا کو اپنا مقصودِ حیات بنا لیتے ہیں۔ وہ ''ذکر اور فکر'' دونوں کو اپنا کر اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی صلاحیت کے مطابق درجہ کمال تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہی اسلامی تصوف اور قرآنی فقر کی روح ہے اور اسی سے اہل ایمان دنیا میں بھی امن و امان اور عزت و اکرام کی زندگی گزارتے ہوئے اقوام عالم کی قیادت کا منصب سنبھالتے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے مقربین میں شامل ہوتے ہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۱۹۱-۱۹۰

فقر قرآں اختلاط ذکر و فکر

فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر

یعنی قرآن کا فقر ذکر اور فکر دونوں پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے۔ ذکر کی

برکات کے بغیر میں نے خالی عقل کو کمال تک پہنچتے نہیں دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب تک انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت کا چراغ اور ذکر کی شمع روشن نہ ہو تب تک اس کی ذہنی قوتوں کو بھی جلا نہیں ملتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا جذبہ ہی ہے جو اسے خوب سے خوب تر کی جستجو میں آگے ہی آگے بڑھنے پر اکساتا اور حریم کبریا تک پہنچاتا ہے۔ عطار و رومی ہوں یا رازی و غزالی، سید احمد شہید ہوں یا شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ ہوں یا پیر مہر علی شاہ، علامہ محمد اقبالؒ ہوں یا خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ یا ان کے علاوہ دوسرے اکابرین ملت، سبھی کی فکر و دانش کا کمال اللہ تعالیٰ کے ذکر کی نورانیت کا مرہون منت ہے۔

یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ اسلام میں رہبانیت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ دنیا و مافیہا کو حقیر سمجھ کر قابل التفات نہ جاننا۔ اس پر تدبر و تفکر نہ کرنا اور اسے تسخیر کر کے زندگی کو سہولت اور قوت سے بھرپور بنانے کی راہ کو چھوڑ دینا، اسلام کی تعلیم ہرگز نہیں۔ اسلام فکر کو یکسر ترک کر کے صرف ذکر میں ڈوب جانے کے لیے خانقاہوں اور زاویوں میں بند ہو جانے کی تلقین نہیں کرتا بلکہ ذکر کو اولیت دیتے ہوئے فطرت کی طاقتوں کو تسخیر کر کے انسانیت کی خدمت میں لگانے کی راہ دکھاتا ہے۔ ممانعت اس بات کی ہے کہ مادی دنیا کو اپنا مقصود و مطلوب قرار دے کر اللہ تعالیٰ اور حیات آخرت کو فراموش نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ اور تصوف کے سلسلوں کے سربراہان یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کی مثالیں ہماری راہنمائی کے لیے موجود ہیں جن میں رہبانیت یا دنیا سے فرار کا شائبہ تک ہمیں دکھائی نہیں دیتا۔

ایک مومن کے اندازِ فکر اور طرزِ حیات میں ترک کی جو صورت مستحسن قرار دی جا سکتی ہے۔علامہ محمد اقبالؒ نے اس کی توضیح کس خوبی سے فرمائی ہے:

کمال ترک نہیں آب و گل سے مہجوری
کمال ترک ہے تسخیر خاکی و نوری (۱)

یعنی اسلامی فقر میں کمالِ ترک حاصل کرنے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ مادی دنیا سے منہ موڑ کر روحانی لذات و کیفیات میں انسان کھو جائے بلکہ حقیقی ترک یہ ہے کہ مومن نہ صرف مادی جہان کو تسخیر کر کے اپنی خدمت میں لگا دے بلکہ ماورائے مادہ عوالم کو بھی تسخیر کرتا ہوا اپنی منزل قرب و دیدارِ الٰہی کی جانب بڑھتا چلا جائے کیوں کہ کسی چیز سے دور بھاگنے کو فرار کا نام تو دیا جا سکتا ہے لیکن اسے ہم ترک نہیں کہہ سکتے بلکہ اسے حاصل کر لینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی محبت کے مقابلے میں ٹھکرا دینے اور پس پشت ڈال کر آگے بڑھ جانے کا نام ترک ہے۔جب تک مسلمان قرآن کی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر علمی اکتشافات اور سائنسی ایجادات میں بھی دنیا کی راہنمائی کا فریضہ ادا کرتے رہے اقوام عالم پر انہی کی سیادت کا جھنڈا لہراتا رہا کیوں کہ یہی قانون فطرت ہے، جو اس سے منہ موڑے گا زمانہ اسے پیچھے چھوڑ جائے گا۔

جو عالم ایجاد میں ہے صاحب ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ (۲)

---

(۱) بالِ جبریل

(۲) ضربِ کلیم

اللہ کی نشانیاں

ا۔ فرعون کی لاش

قرآن کریم میں انبیاء کرام میں سے سب سے زیادہ ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آیا ہے۔ جب اللہ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ظلم وستم سے نجات دلانے کے لیے اپنی قوم کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل پڑے تو خبر ہو جانے پر فرعون بھی اپنا لاؤ لشکر لے کر ان کے تعاقب میں چل پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ قاہرہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو بحیرات مرہ (جو اس زمانے میں بحرِ احمر سے ملی ہوئی تھیں) سے پار گزار کر فرعون اور اس کے لشکر کو ڈبو دیا۔ اس وقت ربوبیت کا دعویٰ کرنے والے فرعون کے دماغ سے اپنی بادشاہت اور آمریت کا بھوت کافور ہو گیا اور عقل ٹھکانے آ گئی۔ وہ بھی پکار اٹھا کہ میں بنی اسرائیل کے خدائے لاشریک پر ایمان لاتا ہوں اور مسلمان ہوتا ہوں۔ قرآن کریم میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ فرمایا:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ (۱)

آج ہم تیرے بدن کو بچالیں گے تاکہ تو پچھلوں کے لیے عبرت کا نشان ہو اور انسانوں میں سے اکثر ہماری نشانیوں سے غفلت برتتے ہیں۔

---

(۱) سورۃ یونس:۹۲

جس وقت قرآن کا نزول ہوا اس وقت فرعون کی لاش کا کوئی اتا پتا
معلوم نہ تھا اس لیے اس آیت کو متشابہات میں شمار کیا جاتا تھا۔ مفسرین یہی فرماتے تھے کہ اگر چہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فرعون کا بدن آنے والے انسانوں کی عبرت کے لیے باقی رہے گا لیکن اس آیت کی حقیقت سے اللہ ہی آگاہ ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی جس بادشاہ نے مخالفت کی تھی فرعون اس کا نام نہیں تھا بلکہ یہ تو مصر کے بادشاہوں کا لقب ہوتا تھا۔ مصر پر فراعین کے تیس خاندانوں نے تقریباً ساڑھے تین ہزار برس حکومت کی اور فرعونوں کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے۔

مختلف فراعین نے اپنی آخری آرام گاہ کے طور پر جو مقبرے تعمیر
کروائے وہ اہرام کی صورت میں اب بھی موجود ہیں۔ تحقیق و تفتیش کرنے والوں نے انیسویں صدی کے اواخر میں مختلف جگہوں پر کھدائیاں کر کے اور کئی اہراموں کو کھول کر فرعونوں کی حنوط شدہ لاشیں دریافت کر لیں۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کے دور والے فرعون کی لاش نہ ملی۔ آخر کار تلاش بسیار کے بعد 1907ء میں ایک انگریز محقق سر گرافٹن ایلیٹ سمتھ (Grafton Elliot Smith) کی کوششوں سے ایک فرعون کی لاش برآمد ہوئی اور تحقیق کے بعد یہ تصدیق ہوگئی کہ یہی فرعون موسیٰ ہے اور اس کی موت پانی میں ڈوبنے ہی سے واقع ہوئی تھی۔ یہ رمسیس فرعون خاندان کا تیسرا بادشاہ ہونے کی بنا پر رمسیس سوئم کہلواتا تھا اور اس کا نام مِنْفُطَ (Mineptah) تھا۔ اس طرح فرعون کی موت کے تقریباً ساڑھے تین ہزار برس بعد اس کی لاش منظر عام پر آ گئی اور اللہ کی آخری الہامی کتاب قرآن کریم کی صداقت روز روشن کی طرح واضح ہوگئی۔ یہ لاش آج بھی مصر کے عجائب گھر میں انسانوں کے لیے عبرت کا سامان فراہم کرنے کے لیے موجود ہے۔ چند برس قبل اس لاش کو پھپھوندی لگنے لگی تو یہ خبر دنیا بھر کے اخباروں میں چھپی۔ جب لاش کو ریڈیائی شعاؤں کے ذریعے علاج کے لیے ایک خصوصی ہوائی جہاز کے ذریعے فرانس لے جایا گیا تو وہاں اسے مکمل شاہی پروٹوکول دیا گیا اور ہوائی اڈہ پر اسے ایک سربراہ مملکت کے شایان شان گارڈ

آف آنر کے دستے نے سلامی پیش کی اور مجوزہ علاج کے بعد فرعون کی لاش مصر واپس بھیج دی گئی۔

۲- نباتات میں سبز مادے کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے زمین پر وافر مقدار میں پانی نازل فرمایا جس کے باعث روئیدگی ہوئی اور انواع و اقسام کی جڑی بوٹیاں، پودے اور درخت پیدا ہوئے۔ پانی نباتات کی جڑوں، ٹہنیوں اور پتوں کی رگ رگ میں موجود ہوتا ہے۔ سورج کی روشنی اور پانی کے ردِعمل سے نباتات میں ایک سبز رنگ کا نہایت ہی اہم مادہ پیدا ہوتا ہے جسے ''کلوروفل'' (Chlorophyl) کہتے ہیں۔ اسی کے ذریعے نباتات میں دانے اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ آج سے چودہ سو برس قبل اس سبز مادے کی تخلیق، غرض و غایت اور اہمیت کے بارے میں کسی انسان کو علم نہ تھا۔ لیکن اللہ علیم و خبیر جو ہر شے کا خالق اور ہر چیز کی حقیقت سے آگاہ ہے اس نے اپنی آخری کتاب میں اس سبز مادے کی حقیقت کو بڑی وضاحت سے بیان فرمادیا۔ چنانچہ سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا:

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا (۱)

اللہ وہی تو ہے جو آسمان سے مینہ برساتا ہے پھر ہم ہی اس سے ہر طرح کی روئیدگی اگاتے ہیں پھر ہم ہی اس میں سے ایک سبز مادہ (کلوروفل) نکالتے ہیں جس سے ہم ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے دانے نکالتے ہیں۔

۳- انسانی جلد اور حرارت کا احساس

حواس خمسہ میں سے دیکھنے، سننے، سونگھنے اور چکھنے کا عمل بالترتیب آنکھ، کان، ناک اور زبان کے توسط سے واقع ہوتا ہے۔ جسم کا دوسرا کوئی حصہ ان کی جگہ کام

---

(۱) سورۃ الانعام: ۹۹

کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ ان حواس کے برعکس چھونے کی حس جس کے ذریعے چیزوں کی نرمی سختی اور ان کی گرمی سردی کا احساس ہوتا ہے سارے جسم میں پھیلی ہوئی ہے۔ بالوں اور ناخنوں کے سوا جسم کے کسی بھی حصے کے ساتھ کوئی چیز مس کر جائے تو اس کی سطح کی کیفیت اور درجہ حرارت کا احساس انسان کو ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حرارت کا احساس کرنے والا نہایت ہی حساس نازک نظام انسان کی جلد کے نیچے چھپا رکھا ہے۔ چند برس پہلے سعودی عرب کے ماہرین جلد (Skin) کی ایک بین الاقوامی کانفرنس ہوئی تو حرارت کو محسوس کرنے والے نظام کے بارے میں ایک مسلمان ڈاکٹر نے ایک قرآنی آیت پیش کی تو چین کا ایک ماہر جلد متاثر ہوا کہ قرآن کی صداقت کو تسلیم کرتے ہوئے فوراً مسلمان ہو گیا۔

وہ آیت کریمہ یہ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (۱)

جن لوگوں نے ہماری نشانیوں سے انکار کیا۔ ہم عنقریب انہیں آگ میں ڈالیں گے۔ جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کو دوسری کھالوں سے بدل ڈالیں گے تاکہ وہ مسلسل عذاب کو محسوس کرتے رہیں۔ بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

اس چینی ڈاکٹر نے یہ اعتراف کیا کہ یہ بات ہمیں حال ہی میں معلوم ہوئی ہے کہ حرارت کو محسوس کرنے والے نازک سے سیل (Sensors) جلد کے عین نیچے ہوتے ہیں۔ اگر یہ آگ سے جل کر بے کار ہو جائیں تو اس کے بعد حرارت کا احساس ہی ختم ہو جاتا ہے۔ جہنم میں جانے والوں کو مسلسل تکلیف میں رکھنے کے لیے اللہ عزیز و حکیم جلی ہوئی جلدوں کو نئی جلدوں سے تبدیل کرتے رہیں گے۔ ۱۴۰۰ برس پرانی کتاب میں اس

---

(۱) سورۃ النساء:۵۶

حقیقت کا درج ہونا نہایت واضح ثبوت ہے کہ یہ کتاب اللہ کی نازل کی ہوئی ہے اور اس کا علم ازلی اور قدیم ہے۔

۴- سات آسمان

قرآن کریم میں سَمَاءٌ جس کا ترجمہ آسمان کیا جاتا ہے۔ بلندی، فضا اور خلا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ بارش کے بارے میں ایک آیت میں فرمایا گیا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (۱)

اللہ وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا۔

اس جگہ سماء سے مراد کرہ ارض کے اردگرد پھیلی ہوئی فضا ہی مراد لی جا سکتی ہے کیوں کہ یہ بات عملی طور پر انسان کے مشاہدے میں آ چکی ہے کہ بارش کا پانی بادلوں سے نکلتا ہے جو فضا میں صرف چند ہزار فٹ کی بلندی پر معلق ہوتے ہیں۔ پہاڑی مقامات پر جہاں بادل بہت کم بلندی پر اڑتے پھرتے ہیں وہاں بادل کے آوارہ ٹکڑے گھروں کے اندر گھس کر بھی برس جاتے ہیں۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے یہی ارشاد فرمایا کہ ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر سات آسمانوں کی تخلیق کا ذکر ہے اور کئی جگہوں پر صرف سماوات یعنی آسمانوں کا نام آیا ہے۔

مندرجہ بالا معنوں کے لحاظ سے غور طلب بات یہ ہے کہ سات آسمانوں سے مراد فضا یا خلا کے کون سے طبقات مراد ہیں۔ ہماری زمین جس نظام شمسی کا حصہ ہے وہ ہماری کہکشاں کے ایک سرے پر واقع ہے۔ خود ہماری اس کہکشاں کے اندر ہمارے سورج سے کئی کئی گنا بڑے سینکڑوں سورج اور نظام ہائے شمسی موجود ہیں۔ گویا ہماری اپنی کہکشاں کے اندر بھی ہمارے سورج اور نظام شمسی کی کوئی خاص حیثیت نہیں ہے۔ جب کہ پوری کائنات کے بارے میں ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ اس میں کل کہکشاؤں کی

---

(۱) سورۃ الانعام: ۹۹

تعداد تقریباً ایک ارب ہے جو بڑی تیز رفتاری سے ایک دوسری سے دور ہٹتی چلی جا رہی ہیں۔اس پس منظر میں سات آسمانوں کی حدود کیوں کر متعین کی جائیں۔موجودہ دور کے ہیئت دان جو خلا کی وسعتوں کے حیرت کدہ میں گم ہیں،ان کی نظر میں بھی سات ایک کم تر اہمیت کا حامل اور محدود سا ہندسہ ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں دیئے گئے سات آسمانوں سے مراد اس پھیلی ہوئی کائنات کی کہکشاؤں کے کوئی سات طبقات مراد ہیں یا انسانوں کے محدود علم کے مطابق صرف کرہ زمین کے حوالے سے اس کے اوپر سات آسمانی طبقات کا تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ انسان پہلے اپنے نظام شمسی میں واقع زمین کے پڑوسی سیاروں کے بارے میں جان کر اپنے خلائی علم اور سفر کی ابتدا کر سکے۔قرآن کریم میں زمین اور سات آسمانوں کی تخلیق کے بارے میں آیا ہے:

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ (۱)

وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں،تمہارے لیے پیدا کیں۔پھر آسمان یا بلندی کی طرف متوجہ ہوا تو اس کے ٹھیک سات آسمان یا طبق بنا دیئے اور وہ ہر چیز سے خبردار ہے۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے زمین پر بنی نوع انسان کی حیات کے بقا کے لیے ہر چیز پیدا فرمائی اس کے بعد اس کے ساتھ پیوستہ فضا کی بلندی کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے سات آسمان،منطقے یا طبقے بنا دیئے۔یعنی پہلے سب کچھ آپس میں جڑا ہوا تھا پھر انہیں دور دور مناسب فاصلوں پر جدا جدا کر کے سات سماوات بنا دیئے۔کیا ان سے ہم زمین کے اوپر گردش کرنے والے سات دوسرے سیاروں کے مدار مراد لے سکتے ہیں جو ایک ہی نظام شمسی کا حصہ ہیں۔قرآن حکیم کی سورت المومنون میں صاف صاف فرمایا گیا ہے:

---

(۱) سورۃ البقرہ:۲۹

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِيْنَ (۱)

اور ہم نے تمہارے اوپر سات راستے یا مدار پیدا کیے اور ہم خلقت سے غافل نہیں ہیں۔

اسی طرح سورت النباء میں ارشاد فرمایا:

وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا (۲)

اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط نظام بنائے ہیں۔

فطرت کو سمجھنے کے لیے سائنس نظریات گھڑتی اور پھر خود ہی انہیں غلط ثابت کر کے ان کی جگہ زیادہ قابل قبول خیالات آگے بڑھاتی چلی جاتی ہے۔ اب تک یہی بیان کیا جاتا رہا ہے کہ سورج کے گرد گردش کرنے والے تمام سیارے کس وقت سورج سے الگ ہوئے تھے۔ اسی طرح چاند جو کہ زمین کے گرد چکر کاٹ رہا ہے وہ کسی وقت کسی وجہ سے زمین سے ٹوٹ کر الگ ہوا تھا۔

اب حال ہی میں چاند سے لائی جانے والی مٹی کے تجزیہ کے نتیجے میں سائنس دان گزشتہ نظریئے سے دستبردار ہو کر یہ کہہ رہے ہیں کہ چاند کبھی بھی زمین کا حصہ نہیں رہا ہے بلکہ اس کی عمر تو زمین سے زیادہ ثابت ہو گئی ہے۔ اسی طرح اس امر کا قوی امکان ہے کہ مزید تحقیق سائنس دانوں کو قرآنی آیات کا ہمنوا ہونے پر مجبور کر دے اور وہ اپنے نظام شمسی کے دوسرے سیاروں کی نسبت کرہ ارض کی اہمیت کو تسلیم کر لیں اور یہ سات آسمان صرف ہمارے اپنے نظام شمسی کا حصہ قرار پائیں۔ قرآن کریم کی ایک اور آیت تخلیق کی ترتیب پر مزید روشنی ڈالتی ہے اور اس دائمی معجزہ سے انکار کرنے والوں کو چیلنج کر رہی ہے:

---

(۱) سورۃ المؤمنون: ۱۷

(۲) سورۃ النباء: ۱۲

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا (۱)

کیا انکار کرنے والوں نے دیکھ نہیں لیا کہ سماوات اور ارض باہم ملے ہوئے تھے پس ہم نے ان کو جدا کر دیا۔

اس آیت مبارکہ میں ایک دقیق نکتہ یہ بھی ہے کہ ملاپ والی صورت حال میں زمین اور آسمانوں کے لیے سماء کا لفظ آیا ہے جو عربی میں دو چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی پہلی چیز زمین تھی اور دوسرا وہ مواد جس سے آسمان بنائے گئے۔اس سے بھی زمین کی خصوصی اہمیت کا اظہار ہو رہا ہے جو سات آسمانوں کے مقابل ہے۔ان آیات کے علاوہ اگر فرقان حمید کی مندرجہ ذیل آیت پر تدبر و تفکر کیا جائے تو اس خیال میں مزید وزن پیدا ہو جاتا ہے کہ سبعہ سماوات سے مراد صرف ہمارے نظام شمسی کے سات طبقات ہیں نہ کہ پوری کائنات۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (۲)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ نے سات سماوات اوپر نیچے بنائے اور ان میں چاند کو اجالا بنایا اور سورج کو چراغ بنایا۔

یہاں یہ وضاحت فرما دی گئی کہ سات آسمان ایک دوسرے کے اوپر طبقات کی صورت میں واقع ہیں۔ان میں اجالا کرنے کے لیے چاند بنایا ہے اور سورج کو جلتے ہوئے چراغ کی مانند اپنا ایندھن جلا کر روشنی اور حرارت مہیا کرنے کا کام سپرد کر رکھا ہے۔موجودہ خلائی تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہمارا سورج پوری کائنات کو روشنی نہیں دے رہا بلکہ یہ تو کروڑوں کہکشاؤں میں سے ایک کہکشاں کے کونے میں ایک معمولی سا روشنی اور حرارت کا

---

(۱) سورۃ الانبیاء:۳۰

(۲) سورۃ نوح:۱۶-۱۵

ذریعہ ہے جو صرف اپنے گرد گھومنے والے چند سیاروں کے لیے کفیل ہے۔ان سب کی محوری اور مداری رفتار ایک دوسرے سے مختلف ہے اور اسی وجہ سے ان کے دن رات اور سال کی مدتیں زمین سے مختلف ہیں۔بہر کیف اس آیت سے یہ حقیقت قرین قیاس دکھائی دیتی ہے کہ سورج کو جن سات آسمانوں کے لیے روشنی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے ان سے مراد وہ سات سیاروں کے مدار یا طبقات ہیں جو زمین کے اوپر واقع ہیں۔واللہ اعلم۔

۵- آسمانوں کے فاصلے

جس نظام میں ہماری زمین واقع ہے اس کا مرکز سورج ہے، جس کے گرد کچھ سیارے ایک دوسرے سے ہٹ کر اپنے اپنے دائرے یا مدار میں تیرتے ہوئے چل رہے ہیں۔سورج سے قریب ترین سیارہ عطارد ہے، اس کے بعد زہرہ اور پھر تیسرے نمبر پر ہماری زمین ہے۔زمین سے مزید اوپر جن سیاروں کے مدار ہیں ان کی تعداد کا صحیح تعین ماضی قریب تک نہ ہو سکا۔پچھلے صفحات میں ہم تحریر کر آئے ہیں کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ تمہارے اوپر ہم نے سات راستے بنائے ہیں۔ایک دوسری آیت میں سات مضبوط نظاموں یا چنائیوں کا ذکر آیا ہے۔حالانکہ خلائی ماہرین زمین کے اوپر صرف پانچ سیاروں کے وجود کو تسلیم کرتے تھے۔۱۹۳۰ء میں ہمارے نظام شمسی کا سب سے چھوٹا اور بعید ترین سیارہ پلوٹو دریافت ہوا جس کا قطر اڑھائی ہزار کلومیٹر سے بھی کم ہے۔پلوٹو کی دریافت سے ان سیاروں کی تعداد چھ ہوگئی۔قرآنی حقائق کے مطابق زمین کے اوپر سات سیارے ہونے چاہئیں۔اب ذرا معجزے کا اظہار ملاحظہ فرمائیے کہ اس ساتویں سیارے کی موجودگی کا علم ایک حسابی فارمولے کے ذریعے سے ہوا' جو قادر مطلق نے ان سیاروں کے درمیانی فاصلوں کی نسبت میں چھپا رکھا تھا۔ایک ہیئت دان یہ حقیقت دریافت کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ ہمارے نظام شمسی کے سیاروں کا سورج سے فاصلہ بے ترتیب نہیں بلکہ ایک خاص حسابی نسبت سے ہے۔اس نے ستاروں کے مقامات کو نو منزلوں سے تعبیر کرتے ہوئے یہ فارمولہ بنایا کہ یہ نو منزلیں تین قدم سے شروع ہو کر دگنی ہوتی چلی جاتی ہیں۔یعنی

۰،۳،۶،۱۲،۲۴ علیٰ ہٰذا القیاس ۔اب ہر ایک میں مزید چار کا عدد جمع کیا جائے ۔اب ان کی صورت یہ بن گئی ۴،۷،۱۰،۱۶،۲۸ ......الخ ان حاصل جمع اعداد کو نوملین سے ضرب دی جائے تو ہر سیارے کا سورج سے تقریباً فاصلہ میلوں میں آ جائے گا۔سبحان اللہ! ان بظاہر بے ترتیب فاصلوں کے اندر بھی نظم وترتیب موجود ہے۔اس طرح سورج سے عطارد کا فاصلہ تقریباً ۳۶ملین میل، زہرہ کا ۶۳ ملین میل اور زمین کا ۹۰ملین میل بنا جو درست ہے۔ اس فارمولے میں بس ایک نقص نظر آیا۔وہ یہ کہ اس حساب سے مریخ اور مشتری کے درمیان والی منزل پر بھی ایک سیارہ ہونا چاہیے تھا جو کہ اس وقت انسانی علم میں نہ تھا۔جب بڑی طاقت ور دوربینوں سے جائزہ لیا گیا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ اس جگہ کسی وقت ایک سیارہ گردش کرتا تھا جو کسی نامعلوم وجہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا۔اب اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اسی مدار میں گھوم رہے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اسے ایک سیارہ کی بجائے سیارات جعفرہ کا نام دیا گیا ہے۔اس طرح سائنس گھٹتی لڑھکتی اس قرآنی حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے اوپر سات راستے یا آسمان بنا رکھے ہیں۔

آغازِ حیات

۱۔ تخلیقِ ارض

کرۂ ارض ایک اندازے کے مطابق پانچ ارب سال پہلے وجود میں آیا۔ ابتدا میں تو یہ جہنم کی طرح دہکتا ہوا ایک گولہ تھا جہاں ہر طرف آتش فشاں، اُبلتا ہوا لاوا، گرم گیسیں اور آبی بخارات اُگل رہے تھے۔ آسمان بھی دھواں دار تھا۔ جس سے وقتاً فوقتاً سورج کی روشنی کسی سوراخ کو چیرتی ہوئی زمین پر آ جاتی البتہ آسمان پر بجلی کی گرج چمک اکثر رہتی۔ اس وقت نہ تو کہیں خشکی تھی نہ سمندر اور نہ کسی نوع کی زندگی کا کوئی وجود تھا۔ کروڑوں برس گزر جانے کے بعد زمین کی سطح کچھ ٹھنڈی ہوئی تو آتش فشانی کا عمل بھی کم ہوگیا۔ فضا میں جو آبی بخارات تھے وہ پانی بن کر زمین پر برس پڑے اور گہری جگہوں پر پانی کے ذخیرے وجود میں آ گئے۔ اس طرح وہ پہلا مرحلہ مکمل ہوگیا جس سے حیات کا آغاز ہونا ممکن تھا۔

سائنس دانوں کے نزدیک اب یہ مسلمہ امر ہے کہ پانی کے بغیر کسی قسم کی زندگی وجود میں نہ آ سکتی تھی اس لیے آسمان سے پانی کے نزول کے عمل کو خصوصی اہمیت کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔ اللہ کی کتاب میں اس حقیقت کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہوا:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (۱)

ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز بنائی۔

---

(۱) سورۃ الانبیاء:۳۰

پھر سورۃ النور میں حیوانی زندگی کی ابتداء کے بارے فرمایا:

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ (۱)

اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا فرمایا۔

شکاگو یونیورسٹی (Chicago Univercity) کے سائنسدانوں نے ۱۹۵۰ء کی دہائی میں ابتدائی تخلیق کے بارے میں لیبارٹری تجربات کیے۔انہوں نے ابتدائی دور میں زمین پر موجود گیسوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ان میں برقی شعلے گزارے تو ایک ہفتے کے بعد امینو ایسڈ (Amino Acid) نمودار ہوا جو کہ ہر قسم کی پروٹین کی بنیاد ہے۔اس طرح زندگی کو وجود میں لانے والے دوسرے ناگزیر عناصر بھی پیدا ہو گئے۔پھر بھی یہ مسئلہ حل طلب ہی رہا کہ اگرچہ زمین پر زندگی کے پیچیدہ مشین کے یہ چھوٹے چھوٹے ذرے یا پرزے برقی اور شمسی توانائی کے ذریعے فرداً فرداً تو وجود میں آ گئے لیکن ان کا وہ خصوصی ملاپ کس طرح وقوع پذیر ہوا جس سے پروٹین، ڈی این اے اور جینز پیدا ہوئے۔ ہاں عقل سلیم نے یہ تسلیم کر لیا کہ انہیں بنیادی عناصر کو بارشوں کا پانی اپنے ساتھ بہا کر لے گیا اور ساحلی علاقوں میں انہیں یکجا کرنے کا فریضہ ادا کیا۔ان بنیادی عناصر کو نئے عناصر میں تبدیل ہونے کے لیے کچھ وقت بھی درکار تھا۔اس کے ساتھ ہی بیرونی عوامل کی ضرورت تھی جو ان کے باہمی عمل اور ردِّ عمل کو بحفاظت آگے بڑھانے میں مدد دیں۔اگرچہ پانی مطلوبہ عناصر کو ایک جگہ جمع کرنے کا فرض ادا کر رہا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ تیز ہواؤں کی وجہ سے اٹھنے والے طوفان اور تند لہریں خلل انداز ہو کر انہیں علیحدہ علیحدہ بھی کر دیتیں جس کی وجہ سے مطلوبہ نتائج حاصل ہونے کے امکانات معدوم ہو جاتے اس لیے سائنس دان اس نظریہ پر بھی مطمئن نہ ہو سکے۔بعض سائنس دانوں نے خیال پیش کیا کہ سمندر مخلول لہروں کی قوت سے ساحل پر پھیل گیا تو پانی بخارات بن کر اُڑ گیا اس طرح عناصر کو باہم یکجا ہونے کا وقت مل گیا اور نئے مرکبات وجود میں آ گئے۔اس نظریہ پر بھی اتفاق نہ ہو سکا کیوں کہ

---

(۱) سورۃ النور:۴۵

اس پر اعتراض وارد ہوتا تھا کہ جہاں پانی بخارات بن کر اُڑے گا وہاں کئی دوسرے اہم مرکبات بھی اُڑ جائیں گے جس کی وجہ سے مطلوبہ تخلیقی عمل مکمل نہ ہو پائے گا۔

اس مشکل کا حل ڈھونڈنے کے لیے ایک برطانوی سائنس دان جے ڈی برنل (J.D. Bernal) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ تخلیق کے عمل میں پانی کے علاوہ مٹی کا کردار نہایت ہی اہم ہے۔ مٹی کیمیاوی طور پر سلیکیٹ (Silicate) کی نہایت پتلی پتلی تہوں پر مشتمل ہوتی ہے کہ اگر انہیں علیحدہ کر کے بچھایا جائے تو ٹینس کے دس میدانوں کو پوری طرح ڈھانپ لیں۔ مزید برآں ان تہوں میں منفی اور مثبت برقی چارج بھی ہوتا ہے جو اپنے درمیان سے گزرنے والے مرکبات میں اہم تبدیلیاں لانے کا باعث بنتا ہے۔ حالیہ تجربات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ مٹی کی یہ نفیس تہیں پانی کے اُڑ جانے کے بعد نامیاتی عناصر کو اپنے درمیان بڑے محفوظ اور احسن طریقہ سے اکٹھا رکھتی اور آپس میں ملاپ کر کے نئے مرکبات میں تبدیل ہونے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی نئے پیدا شدہ نازک مرکبات کو سورج کی مضرت رساں ماوراء بنفشی شعاؤں سے حفاظت بھی کرتی ہیں۔ سائنس دانوں نے مٹی کو بحیثیت ایک عمل انگیز متحرک کے استعمال کرتے ہوئے امینو ایسڈ (Amino Acid) تخلیق کر لیا جو کہ پروٹین کی بنیاد ہے۔ حیات کی ابتداء پروٹین اور نیوکلک ایسڈ (Nucleic Acid) سے ہوئی جنہوں نے پیچیدہ عمل کے بعد ڈی این اے (DNA) تیار کیا۔ زندگی کی ابتدا کے بارے میں سائنس دانوں کا علم ابھی ابتدائی مراحل میں ہے اور یہی وجہ ہے کہ مختلف نظریات سامنے آ رہے ہیں لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ سب سے حیرت انگیز مرحلہ وہ تھا جب غیر حیاتی مادہ سے حیات نے جنم لیا یعنی مردہ عناصر سے زندگی کی ابتدا ہوئی۔ موجودہ معلومات کے مطابق یہ عجوبہ کسی سمندر کے ساحل پر اس کیچڑ میں رونما ہوا جسے سورج نے خشک کر دیا تھا۔

آیئے اب اللہ کی کتاب سے اس بارے میں راہنمائی حاصل کریں۔

سورۃ الرحمٰن میں ارشاد فرمایا:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (۱)

اللہ نے انسان کوکھنکتی ہوئی چکنی مٹی سے پیدا فرمایا۔

اسی طرح سورۃ الحجر میں فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (۲)

اورہم نے انسان کوچکنی مٹی سے بنایا جوبدبودار کیچڑ سے تیار ہوئی۔

۲۔ جنسی جوڑے

ابتدا میں انسان اپنے محدود مشاہدہ اور علم کے مطابق یہی سمجھتا تھا کہ جنسی جوڑے صرف جانداروں میں ہی موجود ہیں۔نزول قرآن کے وقت اہل عرب کھجور کے درخت کے بارے میں یہ جان چکے تھے کہ ان میں بھی نر اور مادّہ درخت ہوتے ہیں۔نر درخت پر صرف پھول آتے ہیں لیکن پھل نہیں لگتا۔اہل عرب کھجوروں کی زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لیے نر درخت کے پھول اتار کر مادہ درختوں کے پھولوں پر ڈالنے کا عمل کرتے تھے۔اس دور میں غالباً انسانی علم اس سے آگے نہ بڑھا تھا۔لیکن کائنات کے پیدا کرنے والے ربّ نے سورۃ یٰسین میں جوانکشاف فرمایا،اس نے انسانوں کوحیرت میں ڈال کر نئے علوم کی طرف گامزن فرمادیا۔اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ (۳)

پاک ہے وہ ذات جس نے ہر اس شے کا جوڑا پیدا فرمایا ہے جسے زمین اُگاتی ہےاوران کے اپنےنفسوں میں بھی اوران چیزوں میں بھی جن کاان کوتا حال علم نہیں ہے۔

---

(۱) سورۃ الرحمٰن:۱۴

(۲) سورۃ الحجر:۲۶

(۳) سورۃ یٰسین:۳۶

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (۱)

اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

اللہ تعالٰی نے نر اور مادہ کے نظام کے بارے میں یہ فرما کر مزید وسعت دے دی کہ ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے ہیں۔ چنانچہ موجودہ دور میں منکشف ہونے والی بجلی میں بھی مثبت اور منفی بار پائے جاتے ہیں۔ اس طرح ایٹم کی ساخت الیکٹرون یعنی منفیہ اور پروٹون یعنی ثباتیہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایٹم کے اندر منفی الیکٹرون کی تعداد کے فرق سے مختلف عناصر بنتے ہیں۔ اب تک جو عناصر دریافت ہوئے ہیں ان کی تعداد سو سے اوپر ہوگئی ہے لیکن ان سب کا وجود الیکٹرون اور پروٹون کا ہی مرہون منت ہے۔ یورپی سائنسدانوں نے اس حقیقت کو اٹھارہویں صدی میں تسلیم کیا، سویڈن کے ایک حکیم کیرولس لینس (1707-1778ء)(Carolus Linnaeus) نے سب سے پہلے پودوں میں نر اور مادہ کی حقیقت کو تسلیم کیا۔

پھول دار پودوں کی انواع اڑھائی لاکھ کے قریب ہیں۔ ان میں کچھ نر ہوتے ہیں جن میں زرد رنگ کے ذرّات ہوتے ہیں جنہیں پولن کہتے ہیں۔ جب تک یہ ذرّات مادّہ پھولوں تک نہ پہنچیں ان میں بیج اور پھل نہیں لگتے۔ بعض پودوں میں دونوں قسم کے پھول لگتے اور ایک دوسرے کے قریب ہونے کی وجہ سے ہوا چلنے یا بھنوروں کے بیٹھنے سے ہی پولن مادّہ پھولوں پر گر پڑتا ہے اور اگر نر اور مادّہ پھولوں کے پودے الگ الگ ہوں تو اللہ تعالٰی پولن کو مادّہ پھولوں تک منتقل کرنے کا کام ہواؤں سے لیتے ہیں۔ اسی طرح کیڑے مکوڑے، بھنورے اور پرندے بھی اپنے پاؤں اور پروں کے ذریعے پولن کی کچھ مقدار نر پودوں سے مادہ پودوں کے پھولوں تک منتقل کر کے فطرت کے مقاصد پورا کرتے ہیں۔

چنانچہ قرآن میں ان خصوصی ہواؤں کا ذکر سورۃ الحجر میں اس طرح کیا گیا ہے:

---

(۱) سورۃ الذاریات:۴۹

وَاَرْسَلْنَا الرِّیَاحَ لَوَاقِحَ (۱)

اور ہم نے حاملہ کر دینے والی ہوائیں چلائیں۔

۳- رحم مادر

انسانی روح صلب پدر سے نطفہ کی صورت میں رحمِ مادر میں منتقل ہوتی ہے۔وہاں عورت کے بیضہ میں داخل ہو جاتی ہے اور تخلیق کے باقی مراحل شروع ہو جاتے ہیں جو کم و بیش نو ماہ میں پورے ہو جاتے ہیں۔نزول قرآن کے وقت انسان قطعاً نہیں جانتا تھا کہ انسان کی تخلیق کن کن مراحل سے گزرتی اور نطفہ کیا کیا صورتیں اختیار کرتا ہوا انسانی شکل وصورت اختیار کرتا ہے۔ایمبر یالوجی (Embryology) کی سائنس جو کہ رحم مادر میں بچے کی پیدائش کا مطالعہ کرتی ہے، بہت عرصہ بعد وجود میں آئی۔بطن مادر میں انسان کی حیاتیاتی نشوونما کے مختلف مدارج کا سائنسی نظام کے مطابق مطالعہ کا طریقہ سب سے پہلے ڈاکٹر سٹریٹر نے ۱۹۴۱ء میں ایجاد کیا۔ماں کے پیٹ میں جو کچھ ہو رہا ہوتا ہے اس سے نہ بچہ خود آگاہ ہوتا ہے نہ ماں اس کے بارے میں کچھ جانتی ہے نہ باپ کو کچھ خبر ہوتی ہے۔تو پھر انسان جیسے حسین شاہکار کی تخلیق کون سی ہستی کر رہی ہوتی ہے، یہی امر اللہ کی الوہیت کے لیے نہایت قوی اور آسانی سے سمجھ میں آ جانے والی دلیل ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ آل عمران میں ارشاد فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (۲)

اللہ وہ ہے جو تمہاری ماؤں کے رحم میں جیسی چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے۔اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

---

(۱) سورۃ الحجر:۲۲

(۲) سورۃ آل عمران:۶

جس وقت انسان رحمِ مادر کے اندر جنین کی پرورش کے علم سے آگاہ نہیں تھا۔اس وقت اللہ نے تخلیق کے مراحل حقیقی ترتیب کے ساتھ بیان کر کے انسان کے علم میں اضافہ فرمایا اور تخلیق کے بارے میں تحقیق کرنے کے لیے راہنمائی فرمائی۔

چنانچہ سورۃ المؤمنون میں سات مراحل کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ

بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ

پھر ہم نے اسے نطفہ بنا کر ایک محفوظ مقام میں رکھا۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً

پھر ہم نے اس نطفہ کو جالی کی طرح جما ہوا معلق وجود بنایا۔

فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً

پھر علقہ سے لوتھڑا بنایا۔

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا

پھر ہم نے لوتھڑے سے ہڈیاں بنائیں۔

فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا

پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا آخَرَ

پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (۱)

پس اللہ تعالیٰ سب سے بہتر بنانے والا ہے بڑا ہی بابرکت ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں انسانی تشکیل کے جن سات مراحل کا ذکر اللہ

---

(۱) سورۃ المؤمنون:۱۲-۱۴

علیم وخبیر نے فرمایا ان کی تصدیق جدید علوم اور تحقیق سے ہو چکی ہے۔اس کے علاوہ موجودہ سائنس نے ان تین پردوں کی حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے جن کے اندر جنین کا مرحلہ وار ارتقاء ہوتا ہے اور جسے قرآن ظلمت ثلاث یعنی تین اندھیروں سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

یَخۡلُقُکُمۡ فِیۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِکُمۡ خَلۡقًا مِّنۡۢ بَعۡدِ خَلۡقٍ فِیۡ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمۡ لَهُ الۡمُلۡکُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰی تُصۡرَفُوۡنَ (۱)

وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں تین اندھیروں کے بیچ پیدا کرتا ہے۔یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے۔اسی کی بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں۔پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کا ہر لفظ نپا تلا اور حکمت سے بھرا ہوتا ہے پھر الفاظ کی جو ترتیب ہے اس ترتیب میں بھی حقائق چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔جو لفظ پہلے آتا ہے اس کے پہلے آنے میں اور جو بعد میں آتا ہے اس کے بعد آنے میں بھی کئی راز پوشیدہ ہوتے ہیں۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو سماعت، بصارت اور دماغ عطا کرنے کا کئی مقامات پر ذکر کیا ہے اور بیشتر جگہ پہلے کانوں پھر آنکھوں اور بعد میں دماغ کا ذکر فرمایا ہے۔

چنانچہ سورۃ سجدہ میں ارشاد فرمایا:

وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ (۲)

---

(۱) سورۃ الزمر:۶

(۲) سورۃ سجدۃ:۹

اور اس نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دماغ بنائے مگر تم بہت کم
احسان شناسی کرتے ہو۔

اسی طرح سورۃ الدھر اور سورۃ النحل میں ان نعمتوں کا اسی ترتیب سے
ذکر کیا گیا ہے۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعاً بَصِيراً (۱)

ہم نے انسان کو ایک ملے جلے نطفے سے اس طرح پیدا کیا کہ اسے
آزمائیں، پھر اسے ایسا بنایا کہ وہ سنتا بھی ہے، دیکھتا بھی ہے۔

وَاللّهُ أَخْرَجَكُم مِّن بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لاَ تَعْلَمُونَ شَيْئاً وَجَعَلَ لَكُمُ الْسَّمْعَ وَالأَبْصَارَ وَالأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (۲)

اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم
کچھ نہیں جانتے تھے اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل پیدا کیے،
تاکہ تم شکر ادا کرو۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت اور قرآن کی صداقت کا ایک اور ثبوت
ملاحظہ فرمائیے کہ کینیڈا کی ٹرانٹو یونی ورسٹی کے پروفیسر کیتھ مور کے بقول آج ایمبر یالوجی
کی جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ مادرِ رحم میں بچے کی تخلیق کے دوران سمعی نظام
کی تخلیق بصری نظام سے پہلے ہوتی ہے اور دماغ کی سب سے آخر میں۔ یعنی قرآن کریم
میں دی گئی ترتیب بھی حکمت پر مبنی ہے۔

---

(۱) سورۃ الدھر:۲

(۲) سورۃ النحل:۷۸

خِرد چلی قدم قدم

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر حیات ارضی کے
لیے روانہ کرتے وقت یہ فرمادیا تھا کہ میری طرف سے آنے والی ہدایت کی پیروی کرو گے تو
گمراہی اور خوف وحزن سے بچ جاؤ گے اور جو لوگ میرے رسولوں کی اطاعت نہیں کریں
گے ان کے لیے تنگی کا جینا ہوگا اور آخرت کی زندگی میں انہیں سزا کے طور پر دوزخ میں ڈالا
جائے گا۔ چنانچہ بنی نوع آدم کی یاددہانی اور رہنمائی کے لیے ہر قوم کی طرف انبیاء آتے
رہے اور اس سلسلے کی آخری کڑی خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
مبارک ہے جو پوری انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول بن کر آئے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے
انسان کو عقل جیسی عظیم نعمت سے نواز رکھا ہے لیکن تنہا عقل نہ تو حقائق کا ادراک کر سکتی ہے
اور نہ ہی زندگی کی گتھیوں کو سلجھا سکتی ہے۔

وہ اپنے محدود دائرہ کار میں مادّی قوتوں کی تسخیر کا ملکہ ضرور رکھتی ہے
اور مظاہر فطرت پر تدبر و تفکر کر کے اسے ایک غیر مرئی کائنات اور اس کے خالق کی پراسرار
ہستی کا احساس بھی ہوتا ہے لیکن حریمِ کبریا اور حیاتِ آخرت کے حقائق تک رسائی حاصل
کرنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کے لیے بنی نوع انسان کی طرف انبیاء کا بھیجا جانا
ضروری تھا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان واسطہ بن کر انہیں زندگی کے ازلی و
ابدی حقائق سے آگاہ کریں اور وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کی زندگی پر ایمان لا کر وحی الٰہی کی
ہدایت کے مطابق دنیا میں امن و امان اور عزت و اکرام سے زندگی بسر کریں اور آخرت میں
اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر کے اس کی جنت میں داخل ہو سکیں۔ انسان کی گزشتہ تاریخ اس

حقیقت کی گواہ ہے کہ جن انسانی گروہوں یا امتوں نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں اور حیات آخرت پر ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کے دستور کے مطابق زندگی گزاری وہ کامیاب و کامران ہو گئے اور جنہوں نے حاملین وحی کی مخالفت کرتے ہوئے نفس پرستی اور من مرضی کی روش قائم رکھی انہیں اللہ کے عذاب نے آ پکڑا اور آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ کے دین کے دو بنیادی عقائد اللہ تعالیٰ کو کائنات کا خالق و مالک اور الٰہ و ربّ ماننا اور موت کے بعد آخرت کی ناختم ہونے والی زندگی پر ایمان لانا ہیں۔تمام انبیاء نے ہر زمانے کے انسانوں کو ان حقائق پر ایمان لانے کی دعوت دی تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا والی زندگی اختیار کر کے آخرت کے عذاب سے بچ جائیں۔اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جانے والی آخری کتاب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ معجزاتی اعلان فرمادیا کہ جن لوگوں کی عقلیں اللہ تعالیٰ سے دوری اور ان کی بدکرداری کی وجہ سے کند ہو چکی ہیں اور ان کی روحوں کے چراغ ذکر خدا کی غذا نہ ملنے کی وجہ سے بجھ گئے ہیں، انہیں یہ ازلی حقائق بعید از قیاس معلوم ہوتے ہیں۔وہ یہ جان لیں کہ عنقریب ایسے علمی انکشافات اور سائنسی اکتشافات ہونے والے ہیں جو ان کے باطل نظریات کو مٹا کر رکھ دیں گے اور ان کی علمی پیش رفت ہی اللہ تعالیٰ اور حیاتِ آخرت پر ایمان کا پیش خیمہ بن جائے گی لیکن اس وقت تک ان کم عقلوں اور کج فہموں کی پھیلائی ہوئی گمراہی کے سبب ان کے پیروکاروں کی کتنی ہی نسلیں اپنی دنیا و عاقبت برباد کر کے اس جہان فانی سے کوچ کر چکی ہوں گی۔اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی حقانیت پر ایمان لا کر نیکی کی راہ پر چلنے والے ہر دور کے انسان اس بات سے بچ گئے اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہو گئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود اور حیاتِ آخرت کو قصہ پارینہ سمجھا اور اس عارضی زندگی کی لذتوں میں ڈوب کر رہ گئے۔وہ زندگی کی تجارت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گئے۔

آئندہ سطروں میں ہم یہ بیان کریں گے کہ طلوع اسلام سے اکیسویں صدی کے آغاز تک عقل وخرد نے صدیوں پر محیط سائنسی علوم کے حصول کا جو طویل سفر طے کیا ہے، اس نے انسانی سوچوں میں کیا تبدیلی پیدا کی اور آج کا انسان قرآن کریم کی تعلیم اور حقائق کائنات کے کس قدر قریب ہو گیا ہے۔

ا۔ تخلیق کائنات

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء نے انسانوں کو اس بنیادی حقیقت کی طرف متوجہ فرمایا کہ پوری کائنات کو جس ہستی نے پیدا کیا وہ اللہ ہے۔ وہی تمہارا مالک اور معبود ہے اور اس کی بندگی کرنے میں تمہاری ہی فلاح ہے۔ دنیا کی یہ زندگی عارضی ہے اور اس کے بعد آخرت کی زندگی ہے اور تم سب کو اللہ تعالیٰ کے ہاں واپس جانا اور اپنے اعمال کی جزا و سزا پانی ہے۔ اگر تم ہماری قیادت میں پاک صاف اور نیکی والی زندگی بسر کرو گے تو اللہ کی خوشنودی حاصل کر کے دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے لیکن عقل وخرد کے دیوانوں اور مادی لذات کے پروانوں نے اللہ تعالیٰ کے ان منتخب بندوں کی تعلیم کو ٹھکرا دیا۔ انہوں نے اپنی محدود سوچوں اور مختصر زندگی کے نامکمل مشاہدات کی بنا پر یہ سمجھ لیا کہ کائنات ہمیشہ سے ایسی ہی چلی آ رہی ہے اور ایسی ہی رہے گی اور اس کو کسی نے بھی پیدا نہیں کیا۔ یہ مادہ ازلی ہے اور کبھی فنا نہیں ہوتا بلکہ مختلف صورتیں بدلتا رہتا ہے۔ انسان کی پیدائش اور موت بھی مادے کے اثرات اور زمانے کی گردشی حالات کے سبب واقع ہوتی ہے۔ یہ نظام اسی طرح چل رہا ہے اور یوں ہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلتا رہے گا۔ جب انسان علمی ترقی کرتے کرتے بیسویں صدی میں پہنچا تو سائنس دانوں نے ایٹم توڑ کر یہ ثابت کر دیا کہ مادہ فنا ہو جاتا ہے۔ اس طرح مادے کی ازلی و ابدی حیثیت والا نظریہ پاش پاش ہو گیا۔ اب پوری دنیا اس حقیقت کو تسلیم کر چکی ہے کہ مادہ فنا ہو کر توانائی کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور اسی طرح بہت ساری توانائی کثیف اور منجمد ہو کر مادہ میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ مشہور و معروف سائنس دان البرٹ آئن سٹائن (Albert Einstein) جسے بیسویں صدی کا عظیم ترین

انسان قرار دیا گیا ہے' کی دی ہوئی مساوات (e=mc2) جو مادے اور توانائی کا باہمی تعلق ظاہر کرتی ہے، علمی دنیا کی مشہور ترین مساوات بن گئی۔ ایٹمی دھماکے نے انسانی عقل پر پڑے ہوئے پردوں میں سے ایک پردہ اٹھا دیا اور اسے اپنی جولانیاں دکھانے کے لیے ماوراءالطبیعات (Metaphysics) کا ایک وسیع میدان عمل ہاتھ میں آ گیا۔ اب حال یہ ہے کہ نت نئے ہونے والے انکشافات نے عقل پرستوں کی عقلوں کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے وجود انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کی صداقت کے سامنے سربسجود ہونے پر مجبور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

۲- ایمان باللہ

سب سے پہلے ہم دین کے اولین رکن ایمان باللہ کو لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اقرار ہی تمام الہامی مذاہب کی بنیاد اوّل ہے۔ مادہ پرستی اور دہریت کے اندھیروں میں بھٹکنے والے سائنس دان اب اپنی علمی تحقیقات کے نتیجے میں خدائے واحد کے قائل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس سے قبل بڑے بڑے مادہ پرست سائنس دانوں کا موقف یہ تھا کہ اگر کائنات ازلی و ابدی یعنی ''قدیم'' ہے اور ہمیشہ رہے گی تو پھر اس میں کسی خالق کے وجود کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے برعکس اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کائنات ''حادث'' ہے یعنی کسی وقت پیدا کی گئی ہے تو پھر اس کو پیدا کرنے والی کسی ہستی کے وجود کو تسلیم کرنا لازم ٹھہرے گا۔ اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے ایک ماہر ریاضیات و فلکیات مرلن گرانٹ سمتھ کا بیان ہے کہ:

> اگر خدا ہے تو وہ صرف ہمارا پیدا کرنے والا ہی نہیں ہے بلکہ ہمارا مالک و آقا بھی ہے۔ اس لیے ہمیں اس کے دونوں قسم کے پسندیدہ افعال و اعمال کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہئیں یعنی ان افعال کے بارے میں بھی جن کا تعلق براہ راست خدا سے ہے اور

ان کے بارے میں بھی جن کا تعلق ہم جنس انسانوں سے ہے۔(۱)

قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ دلیل دیتے ہوئے فرمایا ہے:

اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲)

کیا زمین اور آسمانوں کے پیدا کرنے والے اللہ کے وجود میں بھی شک کرتے ہیں۔

اب تو دہریہ قسم کے کئی سائنس دان اپنی علمی تحقیق کے دوران ہونے والے انکشاف کی وجہ سے نہ صرف خود وجود باری تعالیٰ کے قائل ہو چکے ہیں بلکہ دوسرے لوگوں کی راہنمائی کے لیے نہایت ہی مضبوط علمی، عقلی دلائل بھی پیش کرر ہے ہیں۔

جان کلورو موزما (John Clover Monsma) کی امریکہ میں چھپنے والی ایک مشہور کتاب (The Evidance of God in an Expanding Universe) اس کا بیّن ثبوت ہے جس میں مختلف شعبوں میں تحقیق کرنے والے ان چالیس سائنس دانوں کے بیانات درج کیے گئے ہیں جو اپنی تحقیق کے دوران ہونے والے انکشافات سے اس قدر حیرت زدہ ہوئے کہ ان کے لیے حی وقیوم، حکیم وخبیر، عقل کل، مدبر ومنتظم، خالق کائنات ہستی کا اقرار کیے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔ یہ ایمان افروز کتاب پڑھنے کے لائق ہے۔ اور اس کا اردو ترجمہ ''خدا موجود ہے'' کے عنوان سے پاکستان میں بھی دستیاب ہے، اس کا مقدمہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا لکھا ہوا ہے۔ تسخیر کائنات کے لیے کی جانے والی تحقیق اور نئے نئے سائنسی انکشافات نے انسانی ذہن کو نئی سوچوں سے آشنا کیا ہے۔ خاکسار تحریک کے بانی عنایت اللہ المشرقی نے اپنی مشہور عالم تصنیف ''تذکرہ'' میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ میں انگلینڈ میں کیمبرج یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا تو ایک اتوار کے دن بازار میں گھومتے ہوئے مجھے اپنے ایک پروفیسر نظر آئے جو ہاتھ میں

---

(۱) ''خدا موجود ہے'' جان کلور موزما، مترجم عبدالحمید صدیقی، مکتبہ افکار اسلامی، انارکلی لاہور، ۱۹۶۰ء ص ۲۴۷

(۲) سورۃ ابراہیم: ۱۰

بائبل تھامے کسی چرچ سے واپس آ رہے تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا اور کہا کہ آپ اتنے بڑے سائنس دان اور فطرت کے عالم ہونے کے باوجود مذہب پر یقین رکھتے ہیں۔ انہوں نے میرا نام پوچھا اور اگلے روز چائے کے لیے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ میں نے اپنے ہاسٹل جا کر دوستوں کے سامنے ڈینگ ماری کہ مجھے پروفیسر صاحب نے اپنے ہاں چائے پر بلایا ہے۔ لیکن کسی نے میری بات کا یقین نہیں کیا کیوں کہ وہاں تو پروفیسر کا بڑا اونچا مقام ہوتا ہے، وہ بھلا ایک طالب علم کو اپنے گھر کیوں بلائے۔ جب میں خوب تیار ہو کر مقررہ وقت پر چل پڑا تو میرے دو دوست بھی میرا جھوٹ سچ جاننے کے لیے میرے ساتھ ہو لیے۔ میں نے منزل پر پہنچ کر پروفیسر صاحب کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ان کی ملازمہ نے باہر آ کر میرا نام پوچھا۔ جب میں نے بتایا کہ میرا نام عنایت اللہ ہے تو اس نے کہا کہ آ جایئے پروفیسر صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ سن کر میرے دوست تو واپس لوٹ گئے اور میں اندر چلا گیا۔ پروفیسر صاحب نے چائے وغیرہ سے میری تواضع کی اور فرمایا کہ کل بازار میں آپ نے کیا بات کی تھی؟ جب میں نے اپنا سوال دہرایا تو پروفیسر صاحب نے اپنی قمیض کی آستین اوپر کرتے ہوئے فرمایا:

> مسٹر عنایت اللہ! ادھر دیکھو۔ جب سے میں سائنسی تحقیق کے میدان میں داخل ہوا ہوں خالق کائنات کی ہستی کی عظمت اور ہیبت مجھ پر اس طرح چھا گئی ہے کہ میرے بدن کے رونگٹے ہمہ وقت کھڑے رہتے ہیں۔(۱)

میں ان کی بات سن کر اور ان کے کھڑے رونگٹے دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا اور مجھے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر اچھی طرح سمجھ میں آ گئی بلکہ اس کا مشاہدہ ہو گیا:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ (۲)

---

(۱) "تذکرہ" عنایت اللہ المشرقی

(۲) سورۃ فاطر: ۲۸

بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو
صاحب علم ہیں۔ بے شک اللہ غالب اور بخشنے والا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مطالعہ فطرت اور کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی آیات میں تدبر و تفکر کرنے کے بارے میں قرآن کریم میں سات سو سے بھی زیادہ مرتبہ حکم دیا گیا ہے تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور عظمت کو سمجھتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے اور اس کی معرفت اور محبت کی منزل کو حاصل کر لے۔

۳۔ آخری کتاب اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن کریم خالق کائنات کی طرف سے اتاری گئی وہ آخری کتاب ہے جو قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کے لیے منبع نور اور سر چشمہ ہدایت ہے تا کہ وہ زندگی کی غرض و غایت جان کر اپنے عقائد و اعمال درست کر لیں اور فلاح پا جائیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی وحدانیت اور ربوبیت کی شان بیان کی ہے وہاں انسانوں پر کی جانے والی ان گنت نعمتوں کا بھی بار بار ذکر کیا ہے تا کہ وہ اس کے لطف و کرم کا احساس کرتے ہوئے اس کی دعوت قبول کر لیں۔ اس ضمن میں کائنات کی ابتدا، آسمانوں اور زمین کی پیدائش، شمس و قمر اور لیل و نہار کی تسخیر، آسمان سے پانی کا نزول، نباتاتی، حیوانی اور انسانی زندگی کے آغاز، گزشتہ قوموں کے حالات و آثار، حیات ارضی اور کائنات کا انجام، حیات آخرت کا آغاز، میدان حشر میں اولاد آدم کے اعمال کا حساب اور جنت و دوزخ میں ان کے احوال کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس طرح قرآن مجید کی حیثیت کائناتی حقائق، موت و حیات کے اسرار، گزشتہ امتوں کے حالات اور علمی رموز کے ایک بے مثل خزانے اور اتھاہ سمندر کی سی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا عظیم معجزاتی پہلو ہے کہ ہر دور کے انسان اس بحر بے کراں میں غوطہ زن ہو کر علوم و اسرار کے نادر موتی نکالتے اور خالق کائنات کی عظمت و حکمت کے قائل ہو کر ایمان کی دولت سے اپنے قلوب کو منور کرتے رہیں گے۔ قرآن حکیم کی دائمی اخلاقی اصولوں اور ازلی و ابدی حقائق پر مشتمل تعلیم، زمان و مکاں

کے اثرات سے ماوراء ہے۔اس سے ہر دور کا انسان روشنی اور ہدایت حاصل کرتا رہے گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آئندہ آنے والے ہر دور کی امت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ کِتَابًا فِیْهِ ذِکْرُکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۱)

ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے، کیا تم نہیں سمجھتے۔

تمہارے کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں اور تم ترقی کر کے علم و معاشرت کے کتنے ہی بلند مقام پر فائز کیوں نہ ہو تمہیں قرآن کریم سے علمی، فکری، ذہنی اور روحانی ترقی کرنے کے لیے بدستور ہدایت ملتی رہے گی۔موجودہ دور میں اس کا ثبوت وہ یورپی اور امریکی سکالرز اور سائنس دان ہیں، جو صرف اور صرف قرآن کریم اور اس کی عملی تفسیر یعنی اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے گہرے مطالعہ کی برکت سے ایمان کی دولت سے مشرف ہو رہے ہیں اور یہ سلسلہ تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے کیوں کہ نور اسلام سے مستفیض ہونے والے یہ عالم و فاضل نو مسلم حضرات بذات خود دین حق کی تبلیغ کا وسیلہ بن گئے ہیں اور اپنے ہم وطنوں کو ان کے ذہنی معیار اور سائنسی انداز فکر کے مطابق اللہ کے دین کی بڑی کامیابی کے ساتھ دعوت دے رہے ہیں۔قرآن کریم اور حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی صداقت کو تسلیم کر کے اسلام میں داخل ہونے والے ہر نو مسلم کی سرگزشت بڑی ہی ایمان افروز اور روح پرور ہوتی ہے۔ان کی خود نوشت سوانح عمریاں دعوت دین کا ذریعہ بن رہی ہیں۔اس سلسلے میں آسٹریا کے رہنے والے لیوپولڈ اسد اور امریکن خاتون مریم جمیلہ کی سوانح عمری اور دوسری تصانیف بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔اسی طرح عائشہ باوانی ٹرسٹ کراچی کی کتاب (Islam Our Choice) اور حال ہی میں لکھی گئی پروفیسر عبدالغنی فاروق کی کتاب ''ہم کیوں مسلمان

---

(۱) سورۃ الانبیاء:۱۰

ہوئے'' پڑھنے کے قابل ہیں۔ اسی طرح فرانس کے رہنے والے عیسائی سکالر (Maurice Bucaille)موریس بکائے کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے جس نے اپنی کتاب(The Bible, The Quran And Science) تحریر کر کے جہاں موجودہ عیسائیت کی بنیادیں ہلا دیں وہاں اس نے سائنسی بنیادوں پر قرآن کریم کی صداقت کے ثبوت بھی مہیا کیے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ کتاب فرانسیسی زبان میں تھی جو بعد میں انگریزی ترجمے کے ذریعے سے دنیا بھر میں پھیل گئی اور اب اس کا اردو ترجمہ ''بائبل، قرآن اور سائنس'' کے عنوان سے پاکستان میں بھی دستیاب ہے۔ موریس بکائے کو کسی طرح قرآن مجید کا فرانسیسی ترجمہ پڑھنے کا اتفاق ہوا تو وہ حیران رہ گیا کہ متعصب پادریوں نے اسلام کی جو بھیانک تصویر ہمارے ذہنوں میں بٹھا رکھی ہے قرآن کریم کی تعلیم تو اس سے قطعی مختلف ہے۔ اس نے تلاش حق کی خاطر اپنی جستجو کو آگے بڑھانے کا فیصلہ کر لیا تو سب سے پہلے قرآن کی زبان یعنی عربی میں ماہرانہ صلاحیت حاصل کی پھر اس نے قرآن کریم اور اس کی قدیم وجدید عربی تفاسیر کا بغور مطالعہ کیا اور اس کے بعد یہ شہرہ آفاق کتاب لکھی۔ اس نے تسلیم شدہ سائنسی حقائق کی مدد سے یہ ثابت کر دیا کہ موجودہ بائبل میں بیان کیے گئے کئی واقعات غلط ہیں اس لیے اسے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کسی غلطی کا امکان ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم کے بارے میں لکھا ہے کہ سائنس کے ذریعے ہونے والے جدید ترین انکشافات بھی اس کی کسی ایک آیت کو جھٹلا نہیں سکے بلکہ قرآن کریم میں سائنسی علوم کے بارے میں ہمیں ایسے نادر حقائق اور دقیق نکات معلوم ہوئے ہیں جنہیں بیسویں صدی کے علماء بھی حال ہی میں سمجھنے کے قابل ہوئے ہیں اور ان کی کئی مثالیں بھی اس نے تفصیل کے ساتھ لکھی ہیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ مصنف مذکورہ نے اسلام اور قرآن کی حقانیت کے یہ ثبوت ایک عیسائی ہوتے ہوئے تحریر کئے ہیں۔ اس سے بڑھ کر قرآن کا معجزہ کیا ہو

سکتا ہے کہ دین کی مخالفت کرنے والے مادہ پرست سائنس دان اور دوسرے مذاہب کے پیروکار اہل علم حضرات نہ صرف اس کی صداقت کے قائل ہو رہے ہیں بلکہ جس مبارک ہستی پر یہ کتاب نازل کی گئی ہے اس کے اسوہ حسنہ کے گہرے مطالعے کے نتیجہ میں انہیں اللہ تعالی کا عظیم پیغمبر، قانون دہندہ اور انسانیت کا محسن اعظم قرار دینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

۴۔ یوم قیامت

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ (۱)

وسیع و عریض کائنات ایک دن سمیٹ دی جائے گی اور ہم اسے نئے انداز سے دوبارہ پیدا کریں گے جیسا کہ پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔

إِذَا السَّمَآءُ انفَطَرَتْ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ (۲)

جب قیامت برپا ہوگی تو آسمان پھٹ جائے گا۔ستارے بے نور ہو کر جھڑ جائیں گے اور سمندر ابل پڑیں گے۔

وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ يَقُولُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ (۳)

پورا نظام درہم برہم ہو گا تو روشنی اتنی تیز ہو گی کہ آنکھیں چندھیا جائیں گی۔چاند کی روشنی ختم ہو جائے گی اور سورج اور چاند اکٹھے ہو جائیں گے اور اس دن انسان کو بھاگنے کی جگہ نہ ملے گی۔

---

(۱) سورۃ الانبیاء:۱۰۴

(۲) سورۃ الانفطار:۳-۱

(۳) سورۃ القیامۃ:۱۰-۸

وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ (۱)

صور پھونکا جائے گا اور کائنات میں بسنے والے سب بے ہوش ہو جائیں گے۔

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (۲)

ایک عظیم زلزلہ اور کھڑکھڑاہٹ بپا ہوگی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر روئی کے گالوں کی طرح اڑیں گے۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (۳)

پوری زمین اس شدت سے ہلائی جائے گی کہ اپنے اندر کے سارے بوجھ باہر نکال دے گی۔

یہ تو تھی قرآن کریم کی بیان کی گئی قیامت کے واقعات کی ایک مختصری جھلک۔ جس سے جہاں یہ مقصود ہے کہ کرہ ارض پر بسنے والے انسان اس زندگی کی ناپائیداری کو سمجھ لیں اور حیات آخرت کو سنوارنے کے لیے ایمان وعمل کی راہ اپنائیں۔ وہاں موجودہ اور آئندہ دور کے انسانوں کو تدبر وتفکر کا میدان بھی مہیا کیا گیا ہے تا کہ وہ قیامت کے واقعات پر غور وخوض بھی کر سکیں۔ اب تو سائنس دان حضرات میں بھی کائنات کی مکمل تباہی کے بارے میں یہ نظریہ بہت مقبولیت حاصل کر چکا ہے کہ آج سے تقریباً بارہ سے اٹھارہ ارب سال پہلے ایک عظیم دھماکہ (Big Bang) ہوا۔ جس کے نتیجے میں مادہ بنا اور کہکشائیں وجود میں آئیں۔ یہ پوری کائنات مسلسل پھیل رہی ہے اور کہکشائیں ایک دوسری سے دور ہٹتی چلی جارہی ہیں۔ سائنس دانوں کا خیال یہ ہے کہ جب ابتدائی دھماکہ

---

(۱) سورۃ الزمر: ۶۸

(۲) سورۃ القارعۃ: ۵

(۳) سورۃ الزلزال: ۲-۱

والی توانائی ختم ہو جائے گی تو پھر پھیلاؤ رک جائے گا اور کہکشاؤں کی واپسی کا سفر شروع ہو جائے گا اور ساری کائنات بڑی قوت اور تیز رفتاری سے سمٹ کر دوبارہ ایک نقطہ میں جمع ہو جائے گی۔ اس کائناتی حادثے کو (Big Crunch) "عظیم دھڑام" کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی علوم فطرت کے ماہرین وسعت علم کی وجہ سے حیات ارضی کے خاتمے کے قائل ہو چکے ہیں اور مختلف امکانات کی بنیادوں پر اپنے اپنے نظریات پیش کر رہے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ کسی وقت بھی ایٹمی جنگ شروع ہو گئی تو پوری نسل انسانی نیست و نابود ہو جائے گی، پہاڑ اپنی جگہوں سے ہل جائیں گے، کئی دریا خشک اور کئی نئے وجود میں آ جائیں گے اور زمین کا نقشہ ہی بدل جائے گا، دفاعی ماہرین کے اندازوں کے مطابق مختلف ممالک کے پاس جو ایٹمی اسلحہ موجود ہے اس سے کرہ ارض کی پوری آبادی کو تین مرتبہ ختم کیا جا سکتا ہے۔ کسی کا نظریہ ہے کہ کرہ ارض کا درجہ حرارت بتدریج بڑھ رہا ہے جس کی وجہ سے جمی ہوئی برف زیادہ پگھل رہی ہے اور سمندروں کی سطح آہستہ آہستہ بلند ہو رہی ہے۔ اگر یہی حال رہا تو ایسا وقت آ سکتا ہے کہ پہاڑوں اور قطبین پر صدیوں سے جمی ہوئی ساری برف پگھل جائے گی۔ اس طرح سمندروں کی سطح غیر معمولی طور پر بلند ہو جائے گی اور پورا کرہ ارض زیر آب آ جائے گا اور یوں اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ فلکیات کے ماہرین کا خدشہ ہے کہ خلا میں تیرتے ہوئے سیاروں میں سے کوئی بھی کسی وقت حادثاتی طور پر زمین سے ٹکرا سکتا ہے جس کے نتیجے میں لاکھوں ہائیڈروجن بموں کی طاقت کا دھماکہ ہو سکتا ہے جس سے زمین کے پرخچے اڑ جائیں گے۔ اسی طرح کے کسی چھوٹے پیمانے کے حادثہ کی وجہ سے اگر زمین اپنے موجودہ مدار سے ہٹ کر سورج سے دور ہو گئی تو ہر شے سردی کی شدت سے یخ بستہ ہو کر ختم ہو جائے گی۔ اگر دور ہٹنے کی بجائے سورج کی طرف لڑھک گئی تو سورج کی شدید گرمی کی وجہ سے ہر چیز بھسم ہو جائے گی، سمندر بھاپ بن کر اڑ جائیں گے اور زندگی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ قدیم آتش فشاں پہاڑوں سے نکل کر جم جانے والے لاوے کی تہوں میں جمے ہوئے مقناطیسی ذرات کا مطالعہ کرنے والے ماہرین پر یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا ہے

کہ زمین کا موجودہ مقناطیسی شمالی قطب ہزاروں برس پہلے جنوبی قطب تھا اور جنوب والا حصہ شمال میں تھا۔اس سے یہ امکان ظاہر ہوتا ہے کہ زمین ماضی میں کسی تباہ کن عظیم حادثے سے دوچار ہوئی جس سے اوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا اوپر ہو گیا۔ایسا حادثہ آئندہ بھی قیامت صغریٰ برپا کر سکتا ہے۔الغرض وسعت علم نے انسان کو قادر مطلق کی عظمت وقوت اور اپنی بے بسی کا احساس دلا دیا ہے اور زمین و کائنات کی تباہی کے ممکنہ خدشات ابھر کر اب حقیقی دکھائی دے رہے ہیں۔اس موضوع پر اس قدر کتابیں لکھی جارہی ہیں کہ ''مکمل تباہی'' (Hollocaust) کا عنوان مغربی لٹریچر کی ایک جانی پہچانی اور مقبول صنعت بن چکا ہے۔ یہ تو ہیں اہل عقل کے اندازے اور ہر ایک اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اپنے نظریئے کی بانسری بجا رہا ہے حالانکہ یہ عظیم کائناتی حادثہ بالکل اچانک ہوگا اور اس کے وقوع کے بارے میں کوئی پیش گوئی نہیں کی جا سکے گی۔قرب قیامت کی جو نشانیاں قرآن و حدیث میں دی گئی ہیں وہ تو ضرور واقع ہوں گی لیکن قیامت کی خاص گھڑی کے بارے میں پیش گوئیوں کی بنیاد پر کبھی کبھی جو سنسنی پھیلائی جاتی ہے اس سے اہل ایمان کو لاتعلق رہنا چاہیے۔

۵۔ حیات آخرت

قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق تمام انسانی ارواح روز ازل ہی پیدا کر دی گئی تھیں۔جس مقام پر تمام روحیں اکٹھی رہتی ہیں اسے روح بسیط یا روح اعظم کہتے ہیں۔وہاں سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق، مقررہ اوقات اور اپنی اپنی باری پر انسان اس مادی دنیا میں آ کر زندگی گزارتے ہیں اور موت کے بعد عالم مثال یا عالم برزخ میں چلے جاتے ہیں۔یہ ایک حقیقت ہے کہ اس مادی دنیا میں جو بھی حادثات و واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں ان سب کی تقدیر و تدبیر اور تعمیر پہلے روحانی عالم میں کی جاتی ہے اور اس کے بعد وہ مادی دنیا میں نزول کرتے ہیں۔اللہ والے بزرگ اور روحانیت کے ماہرین جو آنے والے واقعات کے بارے میں پیش گوئیاں کرتے ہیں وہ وقوع سے پہلے عالم مثال میں ان کا مشاہدہ اپنی باطنی یا روحانی بصیرت کی بنا پر کر لیتے ہیں۔صوفیائے کرام نے روحانی

مشاہدے کی بنا پر دو عالم بیان فرمائے ہیں۔ایک عالم امر ہے اور دوسرا عالم خلق لیکن بیسویں صدی کے ایک عظیم روحانی محقق اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "تعمیر ملت" میں روحانی عالم کی تشریح میں سہولت کی خاطر عالم خلق کو مزید دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصے کو عالم مثال اور دوسرے کو عالم مادی کا نام دے دیا ہے۔اس میں آپ نے یہ انکشاف بھی فرمایا ہے کہ تمام انسان جو اس مادی دنیا میں موجود ہوتے ہیں ان سب کے مثالی اجسام یعنی روحانی نمبر (Duplicate) عالم مثال میں موجود ہوتے ہیں۔اس دنیا میں عقائد و اعمال کے سبب انسان کو جو علم، باطنی بصیرت اور روحانی طاقت وقوت حاصل ہوتی ہے وہ اس کے مثالی اجسام کو بھی منتقل ہوتی رہتی ہے۔اب طبیعی سائنس دان بھی کائنات کی حقیقت کا کھوج لگاتے لگاتے اس قسم کی باتیں کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ برطانیہ کا چوٹی کا ایک سائنس دان سٹیفن ہاکنگ (Stephen Hawking) اپنی مشہور زمانہ کتاب A Brief History of Time میں لکھتا ہے:

> ۱۹۲۸ء میں ایک سائنس دان پال ڈارک (Paul Dirac) نے یہ نظریاتی پیش گوئی کی کہ ہر الیکٹرون کے لیے ایک ساتھی اینٹی الیکٹرون یا پازیٹرون (Positron) کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ چار سال بعد ۱۹۳۲ء میں پازیٹرون کی دریافت سے اس کی تھیوری کی تصدیق ہو گئی اور ۱۹۳۳ء میں اسے فزکس کا نوبل انعام دیا گیا۔ چنانچہ اب ہم جانتے ہیں کہ ہر ذرہ میں ایک "ضد ذرہ" موجود ہے۔ (in every particle there is an antiparticle) جس کے ساتھ اگر وہ مل جائے تو دونوں معدوم ہو جائیں گے۔اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اس کائنات کے مقابلے میں ضد کائنات اور انسانوں یعنی الناس کے مقابلے میں ضد الناس

موجود ہوں جو ضد ذرات سے بنے ہوئے ہوں۔ اگر اتفاق سے
تمہاری ملاقات اپنے ہمزاد یا مثالی جسم (Anti Self) سے ہو
جائے تو اس سے ہاتھ ہرگز نہ ملانا ورنہ بجلی کی ایک زوردار چمک ہوگی
اور تم دونوں معدوم ہو جاؤ گے۔(۱)

اس طرح انسانی عقل یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئی ہے کہ جس طرح درختوں، حیوانوں اور انسانوں کے جنسی جوڑے ہیں اسی طرح ہر ذرے کا بھی جوڑا موجود ہے اور مادی کائنات کے مقابلے میں ایک غیر مادی کائنات اور دنیوی حیات کے مقابلے میں اخروی حیات بھی موجود ہے۔ سبحان اللہ۔ جس نے قرآن کریم میں سچا وعدہ فرمایا ہے کہ:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (۲)

ہم عنقریب انہیں کائنات اور ان کے نفسوں میں ایسی نشانیاں
دکھائیں گے کہ وہ پکار اٹھیں گے کہ اللہ کا فرمان حق ہے۔

اس سائنسی نقطہ نظر کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں سینکڑوں روحانی انجمنیں موجود ہیں جہاں مردہ انسانوں کی روحوں کو بلا کر ان کے رشتہ داروں سے ملوایا جاتا ہے۔ ماہرین کی روحوں کو بلوا کر ان سے علمی استفادہ کیا جاتا ہے۔ روحوں کو بلانے والے لوگ (Medium) میڈیم کہلاتے ہیں اور بالکل معمولی آدمی ہوتے ہیں۔ میری نظر سے ایک امریکن کتاب (Communicating with the Dead) یعنی "مردوں سے رابطہ" گزری جس میں روحانی عاملوں کے ذریعے روحوں سے رابطہ کرنے کے بہت سے واقعات درج تھے۔ یہ تجربات تحقیقی اور تنقیدی نقطہ نظر سے سائنس دانوں اور پیشہ ور

---

(1) A Brief History of Time, By Stephen Hawking

(۲) سورۃ حم سجدۃ:۵۳

علماء کے بورڈز کی نگرانی میں کیے گئے تھے اور کئی ایک کو تو براہ راست ٹیلی ویژن پر بھی دکھایا گیا تھا۔ عملی مشاہدہ کے بعد ماہرین نے تصدیق کی تھی کہ عامل لوگوں نے حقیقتاً مرے ہوئے انسانوں سے رابطہ قائم کیا تھا۔ ان مجالس میں ایسے ایسے تکنیکی نوعیت کے مسائل ارواح سے پوچھے گئے تھے جن کا سمجھنا عاملوں کی ذہنی اور علمی استعداد سے بلند تر تھا لیکن ماہرین کی ارواح نے ان کے صحیح اور تسلی بخش جواب دیئے۔

موت کے بعد زندگی کے ثبوت میں ایک یورپی ڈاکٹر کی کتاب (From Beyond the Grave) بھی بڑی مشہور ہے جو ایسے مریضوں کے انٹرویوز پر مشتمل تھی جنہیں ڈاکٹروں نے معائنے کے بعد مردہ قرار دے دیا لیکن وہ چند گھنٹوں کے بعد دوبارہ زندہ ہو گئے۔ ان سے پوچھا گیا تھا کہ اس عارضی موت اور دوبارہ زندگی کے درمیانی وقفہ میں ان پر کیا بیتی؟ سبھی کے بیان میں یہ بات مشترک تھی کہ وہ مادی جسم سے نکل کر ایک لطیف روحانی جسم کے ساتھ پرواز کر گئے۔ وہ اپنے مردہ مادی جسم اور اس کے پاس بیٹھے ہوئے اپنے عزیزوں کو روتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اس کے بعد انہیں ایک طویل اور تاریک سرنگ سے گزرنا پڑا، جس کے بعد انہوں نے ایک نہایت ہی لطیف اور روشن دنیا کی جھلک دیکھی لیکن پھر ہم واپس اپنے جسم میں لوٹ آئے۔

چند برس قبل ایک یورپی ملک میں کسی مریضہ کا آپریشن ٹیلی ویژن پر دکھایا جا رہا تھا لیکن وہ بے چاری آپریشن کے دوران تھیٹر ہی میں چل بسی۔ عین اس وقت ٹیلی ویژن کیمرہ نے آپریشن تھیٹر کی فضا میں معلق اس عورت کے جسم لطیف کی تصویر محفوظ کر لی حالانکہ اس کا مادی جسم آپریشن ٹیبل پر مردہ پڑا ہوا تھا۔ یہ خبر اور تصویر پاکستان کے اخبارات میں شائع ہوئی اور راقم الحروف نے خود دیکھی۔

اب ہم ڈاکٹر غلام جیلانی برق ایم اے پی ایچ ڈی کی مشہور تصنیف ''من کی دنیا'' میں درج واقعات میں سے چند یہاں نقل کرتے ہیں، جن سے حیات بعد از ممات پر مزید روشنی پڑے گی۔ انہوں نے مذکورہ کتاب کے پانچویں باب میں ایک انگریز

ماہر روحانیت پادری لیڈ بیٹر کی کتاب (Invisible Helpers) سے ایک واقعہ یوں نقل کیا ہے:

ہوایوں کہ امریکہ کا ایک جہاز ایس ایس واٹر ٹاؤن بحرالکاہل میں سفر کر رہا تھا۔ ایک دن اس کے دو ملاح کسی گیس والے کمرے میں پھنس گئے اور وہیں ہلاک ہو گئے۔ ان کی لاشیں سمندر کے حوالے کر دی گئیں۔ لیکن ہر رات جہاز سے ذرا دور ان دونوں ملاحوں کی صورتیں ایک ماہ تک نظر آتی رہیں۔ کیمرے سے ان کی تصاویر بھی لی گئیں اور یہ تمام تفاصیل امریکہ کے انگریزی میگزین فارچون (Fortune) کی اشاعت ماہ فروری ۱۹۳۴ء میں شائع ہو چکی ہیں۔

اسی طرح ڈاکٹر کرنگٹن اپنی کتاب (Invisible World) جو کہ رائڈ اینڈ کمپنی لندن نے ۱۹۳۹ء میں شائع کی' میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ امریکہ کی (Society for Psychical Research) انجمن برائے روحانی تحقیق نے ایک سوال نامہ شائع کیا کہ کیا آپ کے کسی دوست یا رشتہ دار کو موت سے پہلے فضا میں غیبی صورتیں یا اگلی دنیا کے مناظر کبھی نظر آئے ہیں؟ تو جواب میں تیس ہزار آدمیوں نے لکھا کہ ان کے مرنے والے رشتہ داروں کو ایسی چیزیں نظر آئی تھیں۔

ڈاکٹر برق مزید لکھتے ہیں کہ:

گورنمنٹ کالج کیمبل پور (موجودہ اٹک) کے ایک لیکچرار ۱۹۵۸ء میں کراچی گئے اور وہاں انہیں دل ڈوبنے کے دورے پڑنے لگے۔ جب طبی علاج ناکام ہو گیا تو کسی نے ایک ایسی خاتون کا پتہ دیا جو ارواح کو طلب کر سکتی تھی۔ چنانچہ یہ اس خاتون کے پاس پہنچ گئے۔ اس نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور کہنے لگی کہ میں خود تو کچھ نہیں

جانتی البتہ اتنا کر سکتی ہوں کہ کسی بڑے طبیب یا ڈاکٹر مثلاً بقراط، بوعلی سینا وغیرہ کی روح کو طلب کر لوں اور آپ اس سے مشورہ لے لیں۔ اس وقت ان کے ساتھ ایک ایسے صاحب تھے جو پامسٹری میں دلچسپی رکھتے تھے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ سب سے پہلے پامسٹری کے ماہر کیرو کی روح کو طلب کیا جائے۔ چونکہ وہ خاتون روح کے تسلط سے بے خود ہو جاتی تھی اور اس کا جسم چور ہو جاتا تھا اس لیے اس نے کہا کہ وہ ایک دن میں ایک ہی روح کو طلب کر سکتی ہے۔ فیصلہ یہی ہوا کہ اس روز کیرو کی روح کو بلایا جائے۔ اس کے بعد ہوا یہ کہ اس خاتون کے کہنے پر پروفیسر صاحب کے ساتھی نے اپنی ہتھیلی میز پر رکھ دی اور وہ خاتون بے ہوش ہو گئی۔ اس حالت میں اس کے منہ سے چھ سات منٹ تک ایک تقریر جاری رہی جس کی ابتدا یوں ہوئی: گڈ مارننگ ایوری باڈی! کیرو سپیکنگ! (Good Morning evey body! Cheiro speaking) یعنی سب کو صبح بخیر، میں کیرو بول رہا ہوں اور اس کے بعد ہاتھ کی تمام لکیروں پر سیر حاصل بحث کی اور آخر میں پھر کہا: گڈ مارننگ! اور پسینے میں ڈوبی ہوئی خاتون دوبارہ ہوش میں آ گئی۔

اب راقم السطور ٹیلی ویژن پر دیکھے ہوئے ایک پروگرام کا مختصر سا حال تحریر کرتا ہے سال ۲۰۰۰ء کے شروع کی بات ہے کہ میں نے صبح کے وقت خبروں کے لیے ٹی وی لگایا تو سی این این (CNN) پر لیری کنگ کے پروگرام میں ایک روحانی عامل یعنی میڈیم (Medium) عورت روز میری کا تعارف کرایا جا رہا تھا۔ اس نے روحوں کے ساتھ رابطہ کے طریقوں پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا عنوان تھا (You Own The Power) ''آپ میں بھی قوت موجود ہے'' اور اس کے بارے میں بھی بتایا جا رہا تھا۔ وہ

عورت بتا رہی تھی کہ یہ صلاحیت بنیادی طور پر ہر انسان میں موجود ہے لیکن اسے اجاگر کرنے اور ترقی دینے کے لیے کچھ مشق کرنا پڑتی ہے۔اس کے بعد مسٹر لیری کنگ نے اپنا فون نمبر بتا کر پوری دنیا کے ناظرین کو یہ دعوت دی کہ سٹوڈیو میں موجود میڈیم روز میری سے اپنے فوت شدہ عزیزوں کے بارے میں سوالات پوچھ سکتے ہیں۔چنانچہ دنیا کے مختلف گوشوں سے فون آنے لگے۔اس عورت نے نہ تو آنکھیں بند کر کے مراقبہ کیا اور نہ ہی وہ بے ہوش ہوئی بلکہ جوں ہی فون پر کوئی سوال کرتا وہ کھلی آنکھوں کے ساتھ فوراً جواب دیتی کہ جس متوفی کے بارے میں آپ نے پوچھا ہے وہ میری دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہے اس کا اتنا قد ہے،اس طرح کا حلیہ ہے اور اس کے بالوں کا سٹائل اس طرح کا ہے۔وہ مجھے اپنی موت کے مقام اور حالات سے بھی آگاہ کر رہا ہے۔آپ کے سوالوں کے یہ جواب دے رہا ہے اور آپ کے لیے یہ پیغام بھی دے رہا ہے۔سوال کرنے والے اس عورت کی بتائی ہوئی اطلاعات کی تصدیق کر رہے تھے اور جوابات سے پوری طرح مطمئن ہو رہے تھے۔قارئین کرام! آپ اس سے اندازہ کیجیے کہ اس طرح کے ثقہ ادارے جب خود ہی موت کے بعد کی زندگی کے ثبوت دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے دین اور قرآن کریم کی صداقت کا اعتراف نہیں تو کیا ہے؟

اب میں اس موضوع پر ۱۹۲۳ء میں ہندوستان کے شہر بردوان میں ہونے والا ایک پر اسرار واقعہ تحریر کرنا چاہوں گا جو علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی کتاب "سیرۃ النبی" جلد سوم صفحہ ۱۵۵ پر درج ہے اور اس وقت کے ایک مشہور انگریزی اخبار (Leader) میں بھی شائع ہوا۔ہوا یوں کہ:

> وہاں ایک کھتری زمیندار کندن لال کپور شام چھ بجے فوت ہوا۔چونکہ متوفی سوریہ بنسی کھتری تھا اس لیے ہندو دھرم کے مطابق جب تک دوسرے دن صبح کا آفتاب نہ نکلتا اس کی لاش جلائی نہیں جا سکتی تھی۔اگلے دن جلانے سے پہلے اس کے لڑکے انندالال نے ہال

کمرے میں جہاں اور کوئی نہ تھا اپنے والد کی لاش کا فوٹو لیا لیکن
جب تصویر تیار ہوئی تو لاش کے علاوہ اس پر دھندلی سی پانچ دوسری
تصویریں بھی آ گئی تھیں۔ ان تصویروں میں سے دو کو تو خاندان کے
لوگوں نے پہچان لیا، ایک تو متوفی کی پہلی بیوی کی تھی اور دوسری اس
کے لڑکے کی تھی جسے مرے ہوئے کئی برس ہو چکے تھے۔ باقی تین
تصویریں جو زیادہ روشن نہ تھیں پہچانی نہ جا سکیں۔

کیا اس قسم کے واقعات یہ ٹھوس ثبوت مہیا نہیں کرتے کہ اس زندگی
کے فوراً بعد ایک نئی زندگی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ روحانی عاملوں کے توسل کے علاوہ ایسے
واقعات بھی ہوئے ہیں جس میں روحوں نے خود رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ کوئی
سات برس پہلے کی بات ہے کہ راقم نے ایک اردو اخبار میں یہ دلچسپ تفصیلی خبر پڑھی کہ ایک
انگریز نے جب ریڈیو لگایا تو اس پر اس کی فوت شدہ بیوی اس کے ساتھ ہم کلام ہو گئی۔ جب
ایسا کئی بار ہوا تو اس نے یہ معاملہ ماہرین کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے ریڈیو پر سنائی
دینے والی آواز کو ریکارڈ کر کے اس کا موازنہ اس عورت کی زندگی میں ریکارڈ کی گئی آواز
سے کیا تو انہوں نے اس امر کی تصدیق کر دی کہ دونوں آوازیں ایک ہی عورت کی ہیں یعنی
ریڈیو پر گفتگو کرنے والی عورت اس کی فوت شدہ بیوی ہی تھی۔

اس سے قبل بھی اس قسم کے بیسیوں واقعات مشاہدات میں آ چکے
ہیں جن سے مادی دنیا ہی کو اوّل و آخر سمجھنے والوں کا عقیدہ ریزہ ریزہ ہو گیا ہے اور وہ اس
حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ جسے ہم موت کہتے ہیں وہ زندگی کا انجام ہرگز نہیں
بلکہ ایک نئی اور نا ختم ہونے والی حقیقی زندگی کا آغاز ہے۔ بقول علامہ محمد اقبالؒ:

موت کو سمجھے ہے غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی (۱)

---

(۱) بانگِ درا

ان انکشافات کی وجہ سے مغربی دانشور مزید تجربات اور مشاہدات کو اکٹھا کر کے حیات آخرت کے نا قابل تردید ثبوت ریکارڈ پر لا رہے ہیں۔یورپ اور امریکہ میں اس موضوع پر چھپنے والی کتابوں میں سے چند ایک کے عنوان ملاحظہ ہوں:

☆The Dead Have Never Died.

☆The Mystery of Death.

☆Communicating with the Dead.

☆From Beyond the Grave.

☆Invisible World.

☆Human Personality and Its Surviral of BodilyDeath

ان کتابوں کے عنوانات ہی موت کے بعد والی زندگی کا اعلان اور

اعتراف ہیں۔ان انکشافات کے باوجود بھی ایمان کی دولت صرف ان خوش نصیبوں کے حصے میں آئے گی جن کے روحانی چراغ مکمل طور پر بجھے نہیں پائے اور جن کے دل اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانیوں کے سبب زنگ خوردہ نہیں ہیں۔ تاہم انسان کی اجتماعی سوچ میں معتد بہ تبدیلی واقع ہوئی ہے۔سائنسی علوم کا صداقت قرآن کے سامنے سر جھکا دینا، اہل اسلام کے لیے تقویت ایمان کا باعث بن رہا ہے اور امت مسلمہ پر خود اپنی بے یقینی اور بے عملی کی وجہ سے مغربی تہذیب کا جو بے بنیاد رعب چھایا ہوا تھا' وہ بھی کافور ہو رہا ہے۔گزشتہ چند صدیوں میں سائنسی علوم کے حصول میں ملت اسلامیہ سے جو کوتاہی ہوئی اب اس کا مداوا کرنے کا عزم بیدار ہو گیا ہے کیوں کہ علم یا سائنس اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے بغور مطالعہ اور مشاہدہ کا نام ہے اور یہ ایک اصولی بات ہے کہ مخلوق سے خالق اور صنعت سے صانع کا پتہ چلتا ہے،اس لیے جیسے جیسے انسان کا علم ترقی کر رہا ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت یعنی پہچان بھی بڑھ رہی ہے،اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو آیات کائنات میں تدبر و تفکر کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ وہ فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے اپنی خدمت میں لگا لیں اور

اپنے خالق کی معرفت کے حصول میں بھی کامیاب ہو جائیں۔اللہ تعالیٰ کائنات میں جاری و ساری قوانین کے ذریعے بھی اپنی قدرت وعظمت کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ ان قوانین کو سمجھنے کی صلاحیت اس نے انسان کو عطا کر رکھی ہے تاکہ اس کی ترقی کا سفر تحقیق کے ہر میدان میں آگے بڑھتا چلا جائے اور وہ مایوس ہو کر کہیں رک نہ جائے۔

٦۔ اللہ کے ذکر کے اثرات

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے وہ ایک بامقصد اور عظیم کائناتی نظام کا حصہ ہے۔انسانی جسم کا ایک ایک عضو اس نظام حق کا حصہ ہے۔جو شے جس مقصد کے لیے بنائی گئی ہو اسے اسی طرح استعمال کرنا ہی حق ہوتا ہے۔اگر ہم بے احتیاطی اور بداعتدالی کی وجہ سے کوئی مضر صحت غذا کھالیں یا کسی عضو کا غیر صحت مندانہ استعمال کریں تو ہمارا معدہ یا متعلقہ عضو ہماری اس ناحق حرکت کے خلاف بغاوت کر دیتا ہے اور بیمار پڑ جاتا ہے۔ہم خود اپنے اختیار کا غلط استعمال کرتے ہیں لیکن ہمارے اپنے جسم کے اعضاء ہمارے ناحق فیصلے میں ہمارا ساتھ نہیں دیتے کیوں کہ وہ نظام حق کا حصہ ہیں۔موجودہ دور کی ایک حیرت انگیز ایجاد جھوٹ پکڑنے کا آلہ ہے جسے (Lie Detector) ''کذب نما'' کہا جاتا ہے۔اس میں ملزم کے خون کے دباؤ اور قلب وتنفس کی رفتار ماپنے کے لیے اس کے جسم کے مختلف حصوں پر حساس آلات لگا دیئے جاتے ہیں اور پھر اس کا بیان لیا جاتا ہے۔جب تک وہ سچ بولتا رہتا ہے اس کے جسم کے کل پرزے معمول کے مطابق چلتے رہتے ہیں۔لیکن جوں ہی وہ کوئی جھوٹ بولتا ہے تو اس کے اندر ہلچل مچ جاتی ہے اور فوری طور پر اس کے قلب وتنفس کی رفتار اور خون کا دباؤ اس کی چغلی کھاتے ہیں اور اس کا جھوٹ پکڑا جاتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ خوبصورت اور پیچیدہ جسمانی مشین جھوٹ بولنے کے لیے نہیں بلکہ راہِ حق پر چلنے کے لیے عطا کی ہے۔اسی طرح گناہ کے سارے کام اندرونی روحانی نظام کو مسخ کر دیتے ہیں۔قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ

تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (۱)

اہل ایمان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں اور جان لو کہ
دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر سے ہی ہے۔

انسانی قلب کو عرش الٰہی سے خاص نسبت ہے اور قلب ہی روحانی لہروں اور انوار کا ریسیور اور ٹرانسمیٹر (Reciever & Transmitter) ہے۔ قرآن کریم میں بیسیوں جگہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے اپنے دل میں اللہ کو یاد کرتے رہا کرو کیوں کہ قلبی ذکر ہی سے انسان کا اللہ تعالیٰ اور روحانی عالم سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور دیدار کی عظیم نعمت بھی اسی کی برکت سے عطا ہوتی ہے۔ اہل ایمان کے لیے اس ذکر کی برکات اور اس کے ثمرات بے حد و بے شمار ہیں لیکن اولین نعمت جو اللہ کے بابرکت نام کا کثرت سے ذکر کرنے سے ملتی ہے وہ اطمینان قلب ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ:

تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ (۲)

تیرے رب ذوالجلال والاکرام کا نام ہی برکت والا ہے۔

اب سائنسی طور پر یہ انکشاف ہوا ہے کہ اس پاک نام کے ایک ایک حرف میں شفا اور رحمت کے خزانے چھپے ہوئے ہیں۔ اسم ذات اللہ میں تین حروف الف، لام اور ہا (ا، ل، ہ) استعمال ہوئے ہیں۔ بلکہ کلمہ طیبہ کا پہلا جز ''لا الٰہ الّا اللّٰہ'' جسے افضل الذکر فرمایا گیا ہے ان تین حروف پر ہی مشتمل ہے۔ اس کلمہ طیبہ کی عظمت و برکت اور روحانی فضائل کا بیان تو احاطہ تحریر میں نہیں آسکتا لیکن ان تین حروف کی آواز کی تھرتھراہٹ اور صوتی اثرات میں بھی اللہ تعالیٰ نے ذہنی سکون اور قلبی اطمینان کا بے مثل سامان پوشیدہ کر رکھا ہے۔ اب خدا کے وجود کے منکر اور روحانیت کے مخالف ڈاکٹر اور ماہرین نفسیات پریشان خیالی، ذہنی دباؤ اور

---

(۱) سورۃ الرعد: ۲۸

(۲) سورۃ الرحمٰن: ۷۸

تشویش میں مبتلا مریضوں کو ذہنی سکون پہنچانے کیلئے (Laa-Haa Technique) لا۔ ہا ٹیکنیک استعمال کر رہے ہیں۔ اس میں مریض کو خصوصی ہیلمٹ پہنا کر ساؤنڈ پروف چیمبر میں رکھا جاتا ہے اور پھر مشینوں کے پیدا کردہ لا۔ ہا کے صوتی اثرات ہیڈ فون کے ذریعے اس کے دماغ تک پہنچائے جاتے ہیں جس سے وہ انتہائی سکون محسوس کرتا اور تر و تازہ ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کے حرف کے جزوی استعمال کی برکت ہے۔ جو اہل ایمان لاَ اِلٰــہَ اِلاَّ اللہ کا ذکر روزانہ کرتے ہیں ان کی کیفیات کا کیا ہی کہنا ہے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کے مبارک کلام کی یکسوئی کے ساتھ تلاوت کی جائے تو اس میں پوشیدہ نور، رحمت اور شفا کے اثرات محسوس ہونے لگتے ہیں۔ اب تو منکرین کے لیے بس ایک آنچ کی کسر باقی ہے۔ اگر وہ ایمان لا کر لاَ اِلٰــہَ اِلاَّ اللہ کا ذکر کرنا اور ذکر کی بہترین صورت نماز کی ادائیگی شروع کر دیں تو اللہ کے آخری رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے مطابق قلب کی ساری سیاہی دھل جائے اور زندگی میں ایک انقلاب برپا ہو جائے۔ انسان مومن کہلانے کا حق دار اسی وقت ہوتا ہے جب ایمان اس کے قلب میں داخل ہو جائے۔ اس نعمت کے حصول کا بہترین طریقہ اسم ذات یعنی ”اللہ“ کا قلبی ذکر ہے جسے اہل تصوف پاس انفاس کہتے ہیں۔ یعنی یہ کوشش کرنا کہ کوئی سانس اللہ کی یاد کے بغیر نہ لیا جائے جو سانس اندر جائے اس کے ساتھ بھی دل سے اللہ کہا جائے اور جو باہر نکلے اس کے ساتھ بھی اللہ۔ اس ذکر سے جسم کو راحت و آرام اور قلب کو سرور و اطمینان کی جو دولت ملتی ہے اس کا تجربہ غیر مسلموں کو بھی کرایا جانا چاہیے تاکہ وہ عملی طور پر اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت محسوس کر کے دین اسلام کی عظمت کے قائل ہو جائیں۔ مغربی معاشروں میں کبھی کبھی اتفاقیہ طور پر ایسے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں اور انہیں خوب شہرت ملتی ہے۔

امریکہ کے سینٹ لوئیس ہسپتال میں کیتھرائن نام کی ایک عورت چھاتی کے کینسر کی مریضہ تھی اور ڈاکٹروں نے اسے لا علاج قرار دے دیا تھا۔ اب وہ ہسپتال میں پڑی زندگی کی آخری گھڑیاں گن

رہی تھی ۔ زندگی اور موت کی کشمکش میں اسے ایک دن اپنے خالق و مالک کا خیال آنا شروع ہوگیا ۔ ایک مرتبہ گہری سوچ کے دوران اس کے ذہن میں اپنی مرحومہ نانی کی صورت ابھری جسے وہ زندگی میں اکثر پوچھا کرتی تھی کہ نانی اماں آپ ہر وقت چپکے چپکے کیا پڑھتی رہتی ہیں تو وہ مسکرا کر جواب دیتی کہ بیٹی اپنے خدا کو جب بھی یاد کرو چپکے چپکے اور دل میں یاد کرو اور اس کے نور کو اپنے اندر جذب ہوتا ہوا محسوس کرو ۔ جب کیتھی اس کی وجہ دریافت کرتی تو نانی اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتی اور کہتی چونکہ بیٹی خدا کی یاد بھی خوراک ہوتی ہے ۔ روح کی خوراک ، یہ نہ ملے تو روح بیمار ہو جاتی ہے اور بیمار روح والے جسم زیادہ دن صحت مند نہیں رہتے ۔ تم بھی چپکے چپکے خدا کی یاد کیا کرو ورنہ کروڑوں لوگوں کی طرح اندر سے گل جاؤ گی ۔ ایک دن اس نے اس بات پر غور کیا کہ خدا کو کیسے یاد کیا جاتا ہے تو اس کے دل سے آواز آئی کہ خدا سے مدد مانگنا ہی اسے یاد کرنا ہے ۔ اس نے دل میں کہا (Help Me God) ''اللہ میری مدد فرما'' تو پھر ''گاڈ'' یعنی اللہ کا نام اس کے دل میں گھر کر گیا ۔ حتیٰ کہ اس نے ہر سانس کے ساتھ یہ جملہ دہرانا شروع کر دیا ۔ پھر ایسا ہوا کہ ہر سانس کے ساتھ اسے آسمان سے ایک سفید نورانی شعاع اترتے اور جسم میں داخل ہوتے دکھائی دینے لگی ، جس سے اسے انتہائی سکون ملنے لگا ۔ یہ مبارک جملہ اس نے کتنی بار دہرایا اسے یاد نہیں وہ جب تک جاگتی رہتی ہر سانس کے ساتھ ''ہیلپ می گاڈ'' کے الفاظ دہراتی رہتی اور جب سو جاتی تو اس کا دل یہ وظیفہ جاری رکھتا ۔ چند دن بعد ہی کیتھرائن کی حالت حیرت انگیز طور پر بہتر ہونا شروع ہوگئی اور صرف

تین ماہ بعد حیرت میں ڈوبے ہوئے ڈاکٹروں نے اسے مکمل طور پر صحت یاب قرار دے دیا۔ ڈاکٹروں اور طبی ماہرین نے جب کیتھی سے اس پراسرار روحانی صحت یابی کا راز دریافت کرنا چاہا تو اس نے کہا کہ اس کا نسخہ "ہیلپ می گاڈ" ہے۔ اس دھماکہ خیز روحانی معجزے نے طبی دنیا کو ایک نیا رخ عطا کیا۔ چنانچہ پورے امریکہ کے تمام معروف ہسپتالوں میں سروے کرایا گیا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ اللہ پر یقین رکھنے اور اس سے شفا طلب کرنے والے مریض دہریہ مریضوں کی نسبت جلد صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں (Positive Thinking) "مثبت سوچ" کی تھیوری سامنے آئی ہے اور مریضوں کو یہ خوشخبری دی جا رہی ہے کہ اگر وہ خدا کو سچے دل سے یاد کرتے ہوئے اس سے شفا اور مدد مانگنے کا طریقہ اپنا لیں تو لاعلاج امراض سے مکمل اور یقینی شفا حاصل ہو سکتی ہے۔

مزید تحقیق سے دائمی ذکر، تسبیح و تہلیل اور نمازوں کے جسمانی اور روحانی فوائد آشکار ہوتے چلے جائیں گے اور ایک دن پوری نسل انسانی اللہ کے دین کی حقانیت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ حال ہی میں انگریزی کے معروف مجلّہ ریڈرز ڈائجسٹ کے ماہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے شمارہ میں 'صحت یابی پر ایمان و عقیدہ کے اثرات" کے بارے میں ایک تحقیقی مقالہ شروع ہوا۔ جس میں تحریر تھا کہ روحانیت کو ماننے والے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے انسان بیماریوں سے بہت حد تک محفوظ رہتے ہیں اور انہیں علاج معالجہ کے لیے ہسپتالوں میں داخلہ لینے کی ضرورت بہت کم پیش آتی ہے۔ اگر کبھی ایسی ضرورت لاحق ہو جائے تو ان کی صحت یابی کی رفتار دوسرے لوگوں کی نسبت کہیں زیادہ ہوتی ہے اور وہ قلیل مدت ہی میں ہسپتالوں سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی لکھا تھا کہ جو لوگ ہفتے میں ایک دن چرچ جاتے ہیں ان کی اوسط عمر میں تقریباً سات برس کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

کرّہ ارض کی گردش اور بناوٹ

ہماری زمین فٹ بال کی صورت کا ایک کرہ ہے جو چوبیس گھنٹوں میں اپنے محور کے گرد گھومنے کے ساتھ ساتھ سورج کے گرد اپنے مخصوص مدار میں تیرتی ہوئی ایک سال میں اپنی گردش مکمل کرتی ہے۔ زمین کی محوری اور مداری حرکات کو سمجھنے کے لیے ہم ایک گھومتے ہوئے لٹو کی مثال دیتے ہیں جو اپنی محوری پن پر گھومنے کے ساتھ ساتھ زمین پر نشان زدہ ایک دائرہ کی ایک لکیر پر بھی حرکت کرتا ہوا چل رہا ہو۔ لٹو سے تو ہر کوئی واقف ہے کہ اگر اس کی پن عین مرکز میں نہ ہو یا اس کا جسم صحیح طور پر متوازن نہ ہو تو وہ نہ تو ایک جگہ کھڑا ہو کر گھوم سکتا ہے اور نہ ہی کسی مقرر دائرہ میں حرکت کر سکتا ہے بلکہ وہ بے ترتیبی کے ساتھ ادھر ادھر بھاگتا ہے اور اس کی گردش میں کھردرا پن اور ارتعاش بڑا واضح نظر آتا ہے۔ یہ ایک بنیادی ضابطہ ہے کہ اگر گردش کرنے والے جسم کا مرکز ثقل اس کے محور پر واقع نہ ہو تو وہ یکساں اور ہموار حرکت کرنے کی بجائے لڑکھڑانے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اچھی کارکردگی کے لیے گھومنے والے اجسام کو بیلنس کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے مختلف جگہوں سے مادہ کی مقدار کم یا زیادہ کی جاتی ہے تا کہ مرکز ثقل عین محور پر منتقل ہو جائے۔ فضا میں پرواز کرتے ہوئے یا خلا میں تیرنے والے اجسام کے لیے یہ بیلنس بہت ہی زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ حرکیاتِ ہوائی (Aerodynamics) کا علم رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ پرواز کے دوران اگر جہاز کے پر یا دم پر کسی پرندہ یا گولی کے لگ جانے سے سطح میں تبدیلی آ جائے تو ہوا کے دباؤ میں اتنا فرق واقع ہو جاتا ہے کہ پائلٹ کے لیے جہاز کو سنبھالنا ممکن نہیں رہتا اور وہ قلابازیاں کھاتا ہوا زمین پر آ گرتا ہے۔

اب ذرا اپنی عظیم الجثہ زمین کے بارے میں غور فرمائیے جو اپنے محور کے گرد گھومنے کے ساتھ ساتھ اپنے مقررہ مدار میں تیرتی ہوئی مسلسل چل رہی ہے۔اگر یہ صحیح طور پر بیلنس نہ ہوتی تو کبھی بھی کسی مقررہ راستہ پر نہ چل سکتی۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زمین کو اس مہارت اور نفاست سے بیلنس کر رکھا ہے کہ ہم انسان جو اس کی سطح پر آباد ہیں بلکہ یوں کہیے کہ اس پر سوار خلا میں ۶۰ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے مسلسل سفر کر رہے ہیں اس کی کسی حرکت کو محسوس تک نہیں کر سکتے۔اللہ تعالیٰ نے یہ کام زمین کے مختلف مقامات پر پہاڑوں کو ڈال کر کیا۔چنانچہ سورۃ الانبیاء میں ارشاد فرمایا:

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ (۱)

اور ہم نے زمین میں پہاڑ ڈال دیئے تا کہ ان کو لے کر کسی ایک طرف جھک نہ جائے۔

سائنس دان غالباً ابھی یہ معلوم نہیں کر سکے کہ زمین اور پہاڑ اپنی خلقت اور مادہ کی نوعیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ابتدائی سائنس کا وہ نظریہ اب بوسیدہ ہو چکا ہے کہ جب زمین کا سرخ گولہ آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہوا تو جو سخت حصے تھے وہ اوپر اٹھ آئے اور پہاڑ بن گئے۔قرآن میں صاف صاف لکھا ہے کہ پہاڑ زمین کے اوپر سے خلا میں ڈالے یا گرائے گئے تھے۔چنانچہ سورۃ حم سجدہ میں ارشاد ہوا ہے:

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا (۲)

اللہ نے زمین پر اس کے اوپر سے پہاڑ ڈالے۔

زمین چونکہ اپنے محور پر شرقاً غرباً گھومتی ہے اور گھومتی ہوئی زمین پر خلا سے جو مادہ گرایا گیا ہوگا اس کا پھیلاؤ بھی زیادہ تر شرقاً غرباً ہی ہونا چاہیے۔اسی نقطہ نظر سے دنیا کے مشہور سلسلہ ہائے کوہ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے کہ کیا ہمالیہ کی طرح وہ بھی شرقاً غرباً پھیلے

---

(۱) سورۃ الانبیاء:۳۱

(۲) سورۃ حم سجدۃ:۱۰

ہوئے ہیں؟

اس کے علاوہ جب قیامت کا عظیم حادثہ برپا ہوگا تو اس منظر کو بیان کرتے ہوئے بھی قرآن نے پہاڑوں کا ذکر جس انداز سے کیا ہے اس سے بھی یہی اشارے ملتے ہیں کہ پہاڑوں کے مادے کی نوعیت زمین سے قطعی مختلف ہے اور قیامت میں ان کی ماہیت بھی بدل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (۱)

اس دن پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی رنگین اون۔

قرآن میں دوسری جگہوں پر بھی زمین کے صرف زلزلے کا ذکر آتا ہے لیکن پہاڑوں کے بارے میں ان کی ہیئت کی تبدیلی کا واضح بیان ہے مثلاً:

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ (۲)

اور جب زمین بھونچال سے لرزنے لگے اور پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں پھر غبار ہو کر اڑنے لگیں۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ (۳)

اس دن آسمان ایسا ہو جائے گا جیسا پگھلا ہوا تانبا اور پہاڑ جیسے رنگین اون۔

وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ (۴)

اور جب آسمان پھٹ جائے اور جب پہاڑ اڑے اڑے پھریں۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ

---

(۱) سورۃ القارعۃ:۵

(۲) سورۃ الواقعۃ:۱-۴

(۳) سورۃ المعارج:۹-۸

(۴) سورۃ المرسلات:۱۰-۹

سُیِّرَتۡ (۱)

جب سورج لپیٹ لیا جائے گا اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے
اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔

ان آیات مبارکہ سے یہ نشان دہی ہوتی ہے کہ قیامت کے عظیم زلزلے اور نظام شمسی کی تباہی کے ساتھ ساتھ زمین پر واقع پہاڑ جو وزن اور سختی کی علامت ہیں اس دن دھنکی ہوئی اون کی طرح نرم اور ہلکے ہو جائیں گے۔قرآن کریم میں دوسرے کئی مقامات پر جبال اور ارض یعنی پہاڑوں اور زمین کا ذکر علیحدہ علیحدہ کیا گیا ہے گویا ان دونوں کی ماہیت الگ الگ ہے اگر کوئی مسلمان ہیئت دان (Astronomer) یا ماہر طبقات الارض (Geologist) اس نقطۂ نظر سے مزید تحقیق کرے تو جدید انکشافات سے اس علم میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو سکتا ہے۔

قرآن کریم میں زمین کی ساخت کے بارے میں جو روشنی ڈالی گئی ہے اس سے بھی کسی مسلمان عالم نے استفادہ نہیں کیا۔طبقات الارض پر تحقیق کرنے والے یورپی ماہرین نے زمین کی بناوٹ، آتش فشاں پہاڑوں اور زلزلوں کے بارے میں جو جدید نظریہ پیش کیا ہے وہ قرآنی حقائق کی صداقت کے تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔
قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا وَالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا (۲)

کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں۔

اگر زمین کو مٹی کا ایک ہی عظیم الجثہ گولا مانا جائے تو اس میں پہاڑوں کی میخوں کی کوئی افادیت سمجھ میں نہیں آتی کیوں کہ میخیں ہمیشہ مختلف تہوں کو مربوط کرنے اور آپس میں پیوست رکھنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ایک ہی جسم میں میخوں کے

---

(۱) سورۃ التکویر:۳-۱

(۲) سورۃ النباء:۷-۶

استعمال سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔جدید نظریہ کے مطابق زمین کی اندرونی ساخت بہت بڑی بڑی پلیٹوں یا تختوں پر مشتمل ہے۔یہ پلیٹیں سینکڑوں کلومیٹر چوڑی اور ہزاروں کلومیٹر لمبی ہوتی ہیں۔زمین کی اندرونی حرارت،گیسوں کا دباؤ اور دوسرے عوامل کے زیر اثر یہ پلیٹیں سرکتی رہتی ہیں۔اس حرکت کی وجہ ہی سے زلزلے آتے اور اندرونی دباؤ میں اضافہ کی وجہ سے پہاڑ لاوہ اور آگ اگلنے لگتے ہیں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ جن ملکوں میں زیادہ زلزلے آتے ہیں وہ خاص خاص پلیٹوں پر واقع ہیں۔اس نظریہ کی بدولت پہاڑوں کا ایک نیا کردار سامنے آیا ہے کہ انہوں نے زمین کے ان تختوں کو آپس میں پیوست کر رکھا ہے اور انہیں حرکت کرنے سے روکتے ہیں کیوں کہ یہ کئی کلومیٹر کی گہرائی تک زمین میں گڑے ہوئے ہوتے ہیں۔اگر پہاڑ نہ ہوتے تو زلزلوں کی شدت اور کثرت تباہی مچاتی رہتی۔اس طرح زمین کی پلیٹوں کو مربوط رکھنے کے لیے پہاڑوں کی میخوں کا کردار اجاگر ہوگیا ہے۔

زمین کی اندرونی پلیٹوں کے بارے میں سورۃ الرعد میں فرمایا گیا۔

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ (۱)

یعنی زمین کے اندر قطعات ہیں باہم ایک دوسرے سے ملے ہوئے

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے:

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ (۲)

اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا ہے۔اس پر بھی وہ ہماری نشانیوں سے منہ پھیر رہے ہیں۔

ہم انسان جو اپنے مکان تعمیر کرتے ہیں تو ان کی چھتیں ہمیں دھوپ، بارش اور اولوں سے بچاتی ہیں یا کسی پھینکے ہوئے پتھروں یا بندوق کی گولیوں سے ہمیں محفوظ

---

(۱) سورۃ الرعد:۴

(۲) سورۃ الانبیاء:۳۲

رکھتی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آسمان کو ایک محفوظ چھت قرار دیا ہے لیکن آسمان سے دھوپ، بارش اور اولے ہم تک پہنچتے رہتے ہیں۔آیئے دیکھتے ہیں کہ اس چھت کی نوعیت کیا ہے اور انسان اس کی افادیت کے کون کون سے پہلوؤں سے ابھی تک آگاہ ہو سکا ہے۔سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ ہمارے خلا میں شہاب ثاقب کی ایک کثیر تعداد گردش کر رہی ہے۔ان میں سے جب کوئی شہاب کسی وجہ سے زمین کے قریب سے گزرتا ہے تو زمین کی کشش ثقل اسے اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔زمین کی کشش کی وجہ سے شہاب کی رفتار میں 32 فٹ فی سیکنڈ کے حساب سے مزید اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کی رفتار پچیس ہزار میل فی گھنٹہ تک پہنچ سکتی ہے۔اس رفتار کے ساتھ جب وہ زمین کے فضائی کرہ میں داخل ہوتا ہے تو ہوا کی رگڑ کی وجہ سے اس کا اندرونی درجہ حرارت اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ وہ جل اٹھتا ہے جسے دیکھ کر ہم کہہ دیتے ہیں کہ آسمان سے تارا ٹوٹا ہے۔حالانکہ اس کا آسمان کے کسی ستارے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

سائنس دانوں کے اندازے کے مطابق ہر روز تقریباً چھیاسی لاکھ
چھوٹے موٹے شہابی ٹکڑے کرۂ ہوائی میں داخل ہوتے ہیں اور قریباً ۸۰ میل کی بلندی پر ہی جل کر بھسم ہو جاتے ہیں۔ان کی راکھ فضا میں بکھر جاتی ہے اور کم و بیش ایک ماہ میں زمین تک پہنچ جاتی ہے۔یہ بھی اندازہ لگایا گیا ہے کہ فضا سے ہر سال کم از کم دس کروڑ ٹن کی مقدار میں شہابی راکھ سطح زمین پر برستی ہے۔بعض شہابی اجسام جو بڑے حجم کے ہوں اور فضا میں داخل ہوتے وقت ان کی رفتار بھی کم ہو وہ زمین تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔آج سے ہزاروں برس پہلے امریکہ کے ریگستان اریزونا (Arizona) میں گرنے والا شہاب سب سے بڑا تھا جو لاکھوں ٹن وزنی تھا۔اس کے گرنے سے ۵۷۵ فٹ گہرا گڑھا ہو گیا تھا جو آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے زمین کے اردگرد یہ فضائی غلاف اگر نہ بنایا ہوتا تو شہابی اجسام کی شدید بمباری زمین پر تباہی مچا دیتی جیسا کہ چاند کی سطح پر ہوتا ہے۔چاند کے اردگرد چونکہ ہوا کا وجود نہیں ہے اس لیے وہاں شہابی اجسام مسلسل گرتے رہتے ہیں اور چاند

کی سطح شہابی گڑھوں سے بھری پڑی ہے۔ زمین کے گرد اتنی بلندی تک بنائی گئی یہ ہوائی چھت ہمارے لیے حقیقی معنوں میں ایک محفوظ چھت کی حیثیت ہی رکھتی ہے جس کی وجہ سے ہر روز لاکھوں کی تعداد میں گرنے والے شہابی اجسام فضا ہی میں جل کر راکھ ہو جاتے ہیں اور ہم تک نہیں پہنچ پاتے۔ یہ "سب انتظام اللہ کی رحمت اور مہربانی کی وجہ سے وجود میں آئے" اور اللہ تعالیٰ سورۃ الحج میں اس نعمت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۱)

وہ تھام رکھتا ہے آسمان کو کہ زمین پر گر نہ پڑے مگر اس کے حکم سے
بے شک اللہ لوگوں پر نرمی کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

شہابی اجسام سے حفاظت کے علاوہ اس آسمانی چھت کا ایک نہایت ہی اہم کردار ماوراء بنفشی شعاؤں (Ultra Violet Radiation) کو روکنا ہے یہ کام اوزون (Ozone) گیس کی پتلی سی تہہ سرانجام دیتی ہے۔ اوزون گیس آکسیجن ہی کی ایک صورت ہے۔ آکسیجن (O_2) زندگی کے لیے نہایت اہم ہے لیکن اس کے برعکس اوزون (O_3) حیوانی اور نباتی زندگی کے لیے انتہائی مضر ہے۔ فضا میں اس گیس کی مقدار حجم کے لحاظ سے نہایت قلیل یعنی 0.000007 فیصد ہے اور یہ زمین کے ارد گرد ۱۵ سے ۳۰ کلومیٹر کی بلندی پر ایک غلاف بنائے ہوئے ہیں۔ اگر ساری اوزون گیس سطح سمندر پر اکٹھی کی جائے تو اس کی موٹائی صرف چند ملی میٹر یعنی کھڑکیوں میں استعمال ہونے والے شیشے کی موٹائی کے برابر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی بنائی یہ پتلی سی چھت انسان کی حفاظت میں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ سورج سے آنے والی تمام ماوراء بنفشی شعائیں اگر زمین تک پہنچ جائیں تو آنکھوں کی بیماریوں، جلد کے کینسر اور عجیب الخلقت بچوں کی پیدائش کا باعث بن جائیں اور فصلوں کی پیداوار میں کمی واقع ہو جائے لیکن اوزون کی حفاظتی تہہ کی وجہ سے

---

(۱) سورۃ الحج:۶۵

ایسانہیں ہو پاتا۔ جب سورج کی یہ مضر شعائیں اوزون گیس کے عناصر سے ٹکراتی ہیں تو انہیں توڑ کر آکسیجن اور آکسیجن کے ایک آزاد ایٹم میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ (UV 03 02+0) اس طرح ان شعاؤں کا تقریباً ۹۰% اس عمل میں صرف ہو جاتا ہے اور ان شعاؤں کی صرف قلیل سی مقدار زمین تک پہنچ پاتی ہے۔اوزون کے ٹوٹنے سے آکسیجن کا جو آزاد ایٹم بنتا ہے وہ فوراً عام آکسیجن کے ایٹم کے ساتھ مل جاتا ہے جس سے پھر اوزون بن جاتی ہے اور حفاظتی تہہ میں شامل ہو جاتی ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس کم علم اور ناشکر گزار انسان کی حفاظت اور بقا کے لیے کیسے کیسے عجیب وغریب انتظامات کر رکھے ہیں۔اللہ جانے انسانی علم میں اضافے کے ساتھ ساتھ اس آسمانی چھت کے مزید کتنے کردار سامنے آئیں گے۔

حال ہی میں اوزون کی حفاظتی تہہ میں ایک بہت بڑا سوراخ ہو جانے کے انکشاف نے دنیا بھر میں سنسنی کی ایک لہر دوڑا دی کیوں کہ اس کی وجہ سے مضر صحت شعاؤں کی مقدار خطرناک حد تک پہنچ کر جلدی کینسر اور دوسری بیماریاں پھیلا کر ساری دنیا کی تباہی کا خطرہ پیدا کر سکتی تھیں۔ یہ مصیبت انسان کی اپنی پیدا کردہ ہے کیوں کہ ائیر کنڈیشنر ،ریفریجریٹر اور فوم کی صنعت میں استعمال ہونے والا کیمیاوی مادہ کلورو فلورو کاربن (CFC) فضا کے اوپر والے منطقے میں پہنچ کر اوزون گیس ختم کر رہا ہے۔چونکہ تباہی کا خطرہ ساری دنیا کے لیے مشترک تھا اس لیے اس پر سوچ بچار کرنے کے لیے عالمی سربراہی کانفرنس منعقد کرنا پڑی جس میں کلورو فلورو کاربن کے استعمال کو حتی المقدور محدود کرنے اور اس کی متبادل تلاش اور استعمال کرنے کی سفارشات منظور کی گئیں۔بحر و بر اور فضا کی آلودگی کا فساد انسان کے اپنے ہاتھوں کا پھیلایا ہوا ہے اور اللہ اس کا ذائقہ چکھاتا رہتا ہے تاکہ انسان اپنے ربّ کی طرف رجوع کرے۔

گردشِ ارضی اور ماہِ فروری

ابھی نیا سال ۲۰۰۰ ء شروع نہیں ہوا تھا کہ اخباروں میں ماہ فروری
کے بارے میں عجیب عجیب بیانات آنے لگے۔ کسی نے لکھا کہ نئے سال میں فروری کے
تیس دن ہوں گے اس لیے تمام ڈائریاں اور کیلنڈر جو شائع ہو چکے ہیں، ضائع ہو جائیں
گے اس لیے سرکاری ادارے اور پبلشرز پریشان ہو گئے ہیں۔ کسی نے لکھا کہ ایسا نہیں ہے
بلکہ یہ نئی صدی کا آخری سال ہے اور معمول کے خلاف یہ لیپ (Leap) کا سال نہیں ہو
گا۔ حالانکہ ۲۰۰۰ چار پر تقسیم ہوتا ہے اس لیے ماہ فروری اٹھائیس دنوں ہی کا ہو گا۔ دونوں
صورتوں میں طباعتی اداروں کو نقصان اٹھانا پڑتا لیکن وہ بچ گئے کیوں کہ تقویم کے قانون
کے مطابق سال ۲۰۰۰ ء کو بطور استثنیٰ لیپ کا سال ہی ہونا تھا حالانکہ گزشتہ تین صدیوں کے
آخری سال یعنی ۱۷۰۰ء، ۱۸۰۰ء اور ۱۹۰۰ ء چار پر تقسیم ہو جانے کے بعد بھی لیپ کا سال
نہیں تھے یعنی ان سالوں میں ماہ فروری اٹھائیس اٹھائیس دنوں کے تھے۔ ان خبروں کی
دلچسپی کے پیش نظر قارئین کرام کی خدمت میں لیپ کے سال کے بارے میں قانون تقویم
کی وضاحت پیش کی جارہی ہے۔

موجودہ عیسوی کیلنڈر یونانیوں نے شروع کیا اور پھر یہ رومیوں کے
ہاتھ آیا۔ ابتدائی طور پر سال کے بارہ مہینوں میں چھ، تیس دنوں اور چھ، اکتیس دنوں کے شمار
کر کے ۳۶۶ دنوں کا سال مقرر رہا۔ رومن بادشاہوں جولیس سیزر اور آگسٹس نے جولائی
اور اگست اپنے نام پر رکھے اور فروری سے ایک ایک دن لے کر اپنی شان بڑھانے کی خاطر
ان مہینوں کو اکتیس اکتیس دنوں کا قرار دے کر یونانی ترتیب کو بدل دیا۔ کیلنڈر کے حساب

سے سال کی لمبائی پورے دنوں پر مشتمل تھی لیکن درحقیقت ہماری زمین سورج کے گرد اپنی مداری گردش کا چکر ۳۶۵ دن، ۵ گھنٹے، ۴۸ منٹ اور ۴۶ سیکنڈ میں پورا کر لیتی ہے اور یہی ہمارے سال کا دورانیہ ہونا چاہیے۔ لیکن ہماری مجبوری یہ ہے کہ وقت کو ناپنے کا ہمارے پاس فطری پیمانہ دن رات کا ہے۔

ہم مہینوں اور سالوں کی گنتی منٹوں اور گھنٹوں سے نہیں بلکہ دنوں سے کرتے ہیں۔ اس طرح کیلنڈر کے سال اور گردش ارضی کے حقیقی سال میں جو فرق تھا، وہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ موسموں کی تبدیلی کیلنڈر کی تاریخوں سے ہٹ گئی۔ چنانچہ ۱۵۸۲ء میں پوپ گریگری ہشتم (GREGORY VIII) نے جولین کیلنڈر کی اس سست روی کو محسوس کر کے اس کی اصلاح کی اور تقویم کے قانون میں مناسب تبدیلیاں کر دیں۔ اس وقت کیلنڈر اور حقیقی موسموں میں دس دنوں کا فرق پیدا ہو چکا تھا اس لیے پانچ اکتوبر ۱۵۸۲ء کے دن کو پندرہ اکتوبر قرار دے کر دس دن نکال دیئے۔ آئندہ کے لیے عام سال کی لمبائی ۳۶۵ دن مقرر کر دی۔ چونکہ زمین کی سالانہ گردش تقریباً ۳۶۵ "۱/۴" دن ہے اس لیے اس اضافی چوتھائی دن کو شمار میں لانے کے لیے چار پر تقسیم ہونے والے سالوں میں فروری کے دنوں میں ایک دن کا اضافہ کر کے اسکے ۲۹ دن مقرر کر دیئے تاکہ چار سالوں کے بعد تقریباً ایک دن کا جو فرق واقع ہو جاتا ہے، اسے پُر کیا جا سکے۔

یہ تو موٹا موٹا حساب تھا اور ہر چوتھے سال کو لیپ کا سال قرار دینے سے کافی تصحیح ہو گئی لیکن اوپر ہم عرض کر چکے ہیں کہ حقیقی سال کی لمبائی ۳۶۵ دن، ۵ گھنٹے، ۴۸ منٹ اور ۴۶ سیکنڈ ہے۔ یہ وقت "۱/۴" ۳۶۵ دن سے ۱۱ منٹ اور ۱۴ سیکنڈ کم ہے۔ لیکن لیپ کی مندرجہ بالا ترمیم میں چوتھائی دن کے حساب سے چار سالوں میں ایک دن کا فرق ڈالا گیا ہے۔ چونکہ اس تقویم میں بھی گیارہ منٹ اور ۱۴ سیکنڈ سالانہ کا فرق رہ جاتا ہے جو سو سال کے بعد ۷۲۲۔۱۸ گھنٹے کا ہو جاتا ہے اس لیے یہ قانون بھی بنایا گیا کہ ہر صدی کا آخری سال اگر چودہ چار پر تقسیم ہو جاتا ہے اسے لیپ کا سال نہیں رکھا جائے گا تاکہ ۷۲۲۔۱۸

گھنٹے کے فرق کی کچھ نہ کچھ اصلاح ہو سکے۔اسی لیے سن ۱۷۰۰ء، ۱۸۰۰ءاور ۱۹۰۰ء کے سال لیپ کے سال نہیں تھے۔اس حساب سے تو سن ۲۰۰۰ء کو بھی لیپ کا سال نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن حساب کی باریکی کی وجہ سے اس تقویم میں کچھ کسر باقی رہ گئی ہے جس کی وجہ سے ایک استثنیٰ رکھنا ضروری ہو گیا۔

یہ ہماری مجبوری ہے کہ تقویم میں جو تھوڑا تھوڑا فرق باقی رہ جاتا ہے اسے اسی وقت دور کیا جا سکتا ہے جب وہ اکٹھا ہو کر پورا ایک دن یا اس سے کچھ کم و بیش ہو جائے کیوں کہ سال کا کیلنڈر کسروں میں نہیں بلکہ پورے دنوں ہی سے بنتا ہے۔

آخری ترمیم میں صدیوں والے سال کو لیپ کا سال قرار نہ دے کر جو ایک دن کا فرق ڈالا گیا وہ ۲۲۷۔۱۸ گھنٹوں کی اصلاح کے لیے تھا اس طرح ۵.۲۷۸ گھنٹے زیادہ گن لیے گئے۔یہ فرق ایک صدی کے دوران واقع ہوگا جو چار صدیوں میں بڑھ کر ۲۱.۱۱۲ گھنٹے ہو جائے گا۔اس کو درست کرنے کے لیے قانون کی صورت یہ بنی کہ صدیوں والے سال لیپ کے نہیں ہوں گے سوائے ان صدیوں کے جو ۴۰۰ پر تقسیم ہو جائیں۔کیوں کہ ۲۰۰۰ء چار سو پر تقسیم ہو جاتا ہے اس لیے یہ لیپ کا سال ہوگا اور ماہ فروری کے ۲۹ دن ہوں گے۔آنے والی صدیوں میں ۲۱۰۰ء، ۲۲۰۰ء، ۲۳۰۰ لیپ کے سال نہیں ہوں گے لیکن چار سو پر تقسیم ہو جانے والا سن ۲۴۰۰ء پھر لیپ کا سال قرار دیا جائے گا۔

پوپ گریگری کے اصلاح کردہ کیلنڈر کے اس نظام کو رومن کیتھولک ممالک نے اپنے ہاں جاری کر دیا لیکن برطانیہ اور اس کی کالونی امریکہ نے ۱۷۰ سال بعد اسے نافذ کیا جب کہ موسموں کا فرق گیارہ دن کا ہو چکا تھا۔انہوں نے ۳ ستمبر سے ۱۳ ستمبر ۱۷۵۲ء تک گیارہ دن اپنے کیلنڈر سے نکال دیے اور یہ دن برطانیہ اور امریکہ کی تاریخ میں نہیں پائے جاتے۔

اعجازِ قرآن

۱۔ گزشتہ انبیاء کے معجزات

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتِ کاملہ کے سبب انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے ہر قوم کی طرف اپنے پیغمبر بھیجے اور نبوت کے ثبوت کے لیے انہیں معجزات عطا فرمائے تاکہ لوگ ان سے حیران کن واقعات اور خرق عادت کارنامے دیکھ کر یہ یقین کر لیں کہ وہ واقعی اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور اس طرح وہ اللہ کی طرف سے آنے والے دین کو قبول کر کے فلاح دارین حاصل کر سکیں۔ چنانچہ موسیٰ کو جب فرعون کی طرف بھیجا گیا تو انہیں اپنے عصا کو سانپ میں تبدیل کرنے اور ید بیضا کا معجزہ عطا کیا گیا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کو مُردوں کو زندہ کرنے' کوڑھیوں اور اندھوں کو شفایاب کرنے اور مٹی سے بنی ہوئی صورتوں کو پھونک مار کر حقیقی پرندوں میں تبدیل کر دینے کے معجزات دیئے گئے۔ علاوہ ازیں کئی ایک معجزات اس لیے بھی وقوع پذیر ہوئے کہ گزشتہ قوموں نے ان کے لیے اپنے انبیاء سے تقاضا کیا تھا۔ جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ گزشتہ تمام انبیاءؑ کی بعثتیں خاص خاص قوموں کے لیے اور محدود مدت کے لیے ہوتی تھیں اس لیے ان کے معجزات کی نوعیت بھی عارضی اور وقتی تھی۔ ان کے معجزات کو صرف انہی لوگوں نے دیکھا جو اس خاص وقت پر اسی مقررہ جگہ پر موجود تھے اس لیے ان کے معجزات کی برکت اور افادیت صرف گنتی کے لوگوں کے لیے محدود وقت کے لیے تھی۔ جو لوگ معجزہ کے وقوع کے وقت وہاں حاضر نہ تھے یا ان کے بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے یہ معجزات ایک سنی سنائی سچی بات کی حیثیت تو ضرور رکھتے ہیں مگر عینی مشاہدہ کا متبادل ہرگز نہیں ہو سکتے۔

۲- آخری رسول ﷺ کا خصوصی معجزہ

اللہ تعالیٰ نے سید الانبیا ءحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر رسالت اور نبوت ختم فرمادی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی یا رسول انسانوں کی راہنمائی کے لیے نہیں آئے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لیے تمام دنیا کے انسانوں کے لیے رسول اور رحمت بنا کر بھیجے گئے اس لیے یہ لازمی تھا کہ دلیلِ نبوت کے طور پر آپ کو کوئی ایسا معجزہ عطا کیا جاتا جو قیامت تک قائم و دائم رہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے بے شمار معجزات کے علاوہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسا خصوصی معجزہ عطا فرمایا جس کی حیثیت عارضی اور وقتی نہیں بلکہ ابدی اور دائمی ہے۔ اس عظیم معجزہ کا مشاہدہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ طیبہ کے لوگوں نے کیا اسی طرح ان کے بعد میں آنے والوں نے کیا، موجودہ دور کے افراد بھی کر رہے ہیں اور قیامت تک آنے والی تمام نسلیں بھی کر سکیں گی۔ یہ خاص الخاص معجزہ اور تمام معجزات کا سردار قرآنِ مجید فرقانِ حمید ہے۔ جس کی صحت اور حفاظت کی ذمہ داری بھی اللہ نے خود اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ چنانچہ سورۃ الحجر میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱)

بے شک ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مستقل معجزہ کمالِ صحت کے ساتھ ہمیشہ دنیا میں قائم رہنے والا ہے اس لیے اس کے اثرات بھی دائمی ہیں اور اس کے اعجازات قیامت تک آنے والے انسانوں کی ہر نسل کو نئے نئے انداز سے اپنی طرف متوجہ کرتے اور ایمان و ایقان کی طرف دعوت دیتے رہیں گے۔ دوسرے انبیاء کے صحیفے چونکہ بذاتِ خود معجزہ نہیں تھے اسی لیے وہ تحریف سے پاک نہ رہ سکے۔ ان کے برعکس قرآن کریم چونکہ ساری انسانیت

---

(۱) سورۃ الحجر: ۹

کی ہدایت کے لیے جامع و کامل صحیفہ تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت کی الٰہی سند اور اللہ کے آخری رسول ﷺ کا دائمی معجزہ بن کر آیا اس لیے لازمی تھا کہ قیامت تک کے لیے اس کی کامل حفاظت کا انتظام بھی کیا جائے۔

کلامِ الٰہی کے اعجاز کی وجوہات اس قدر ہیں کہ ہم اپنی کم علمی کی وجہ سے ان کا احاطہ کر ہی نہیں سکتے پھر بھی علماء قرآن نے اپنے اپنے تجربہ، علم اور ذوق کے مطابق اس کے الفاظ و معانی، حسنِ کلام، فصاحت، بلاغت، کمال، صحت، عدم اختلاف، اخبارِ مبداء و معاد، اظہارِ غیب، پیشین گوئیاں، خارقِ عادت تاثیر اور قلوب انسانی کی تسخیر کو اہم وجوہات گردانا ہے۔ان کے علاوہ یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے کہ اسے بار بار پڑھنے اور سالہا سال تک پڑھتے رہنے سے بھی طبیعت میں ذرّہ بھر اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی بلکہ تلاوت کی حلاوت اور قرآن کی محبت میں برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ بات کسی بھی دوسری کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں بے مثل فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ اتنی روانی اور آسانی بھی پیدا فرما رکھی ہے کہ ذوق رکھنے والے ہر بچے بوڑھے، مرد عورت، عربی عجمی کو سہولت کے ساتھ حفظ ہو جاتا ہے۔ یہ معجزہ بھی قرآن کے ساتھ مخصوص ہے کہ اتنی ضخیم کتاب کے لاکھوں حفاظ دنیا میں موجود رہے ہیں، موجود ہیں اور موجود رہیں گے۔قرآن کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ جہاں اس نے اپنے سے پہلی تمام آسمانی کتابوں کی جگہ لے لی، وہاں ان کتابوں کی اصل زبانیں بھی دنیا سے نیست و نابود ہو گئیں اور قرآن کی حامل عربی زبان اسلام کی وسعت کے ساتھ پھیلتی چلی گئی اور اسلام میں داخل ہونے والی بیشتر اقوام نے اپنی قدیم زبانوں کو ترک کر کے عربی کو ہی اپنا لیا اور آج اس زبان کی بین الاقوامی اہمیت اور مقام ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ان حقائق کے علاوہ قرآن میں تخلیق کائنات اور ابتداء حیات کے اسرار و رموز کی حامل کئی ایک آیات ہیں جو اب تک انسانی فہم و فراست کی دسترس سے باہر تھیں لیکن بتدریج علمی اور سائنسی ترقی کی وجہ سے جیسے جیسے اس کی ذہنی سطح بلند ہوتی جا رہی ہے وہ انہیں کسی حد تک سمجھنے کے قابل

بنتا چلا جارہا ہے۔

الغرض اب تک قرآن مجید کے جس پہلو پر بھی تحقیقی نظر ڈالی گئی ہے وہ اعجاز و اسرار کی ایک وسیع دنیا اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کی اجتماعی دانش کو کھلا چیلنج کرتے ہوئے اعلانِ عام کر رکھا ہے کہ کوئی اس کی مثال پیش کر دے اور پھر خود ہی پیش گوئی بھی فرما دی کہ دنیا ایسا کرنے سے ہمیشہ عاجز اور درماندہ رہے گی۔ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (۱)

آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور جن مل کر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو نہیں لا سکتے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ بن جائیں۔

گویا کہ فرقان حمید ایک مستقل معجزہ ہے جس کے سامنے انسانوں اور جنوں کی عقلیں اپنے عجز و انکسار کا اظہار کرتی رہیں گی۔ قرآن میں کفار مکہ کے بارے میں آیا کہ وہ کہتے تھے کہ پیغمبر پر سابقہ انبیاءؑ جیسی نشانیاں مثلاً حضرت صالحؑ کی اونٹنی، آسمانی آگ کا قربانی قبول کرنا یا موسیٰ کے عصا کا سانپ بن جانا وغیرہ کیوں نہیں اتریں۔ اس کا ایک جواب تو یہ فرمایا گیا کہ اے انسانو! تم نے ان نشانیوں کو بھی نہیں مانا تھا بلکہ انہیں صریح جادو قرار دے کر کفر کی ڈگر پر چلتے رہے۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (۲)

(معجزات طلب کرنے والے) لوگوں کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل:۸۸

(۲) سورۃ العنکبوت:۵۱

نے آپ ﷺ پر ایسی کتاب نازل کردی ہے جو ان کے سامنے پڑھی
جاتی ہے۔

یعنی قرآن بذات خود سب سے بڑا معجزہ ہے جو ہر ایک کے سامنے
موجود ہے اور موجود رہے گا اور یہی کافی ہے۔ جو معجزات اور نشانیاں اس سے پہلے ہم نے
اتاریں ان سے تم نے بخیل وجحت انکار کر دیا تھا لیکن یہ معجزہ ان سب سے مختلف نوعیت کا
ہے۔ عنقریب تمہاری عقلوں پر انفس و آفاق میں چھپی ہوئی نشانیوں کے ایسے حیرت انگیز
اور ایمان افروز انکشافات ہوں گے کہ تمہیں قرآن کی صداقت کے آگے سرنگوں ہوئے بغیر
کوئی چارہ نہ رہے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُوْنَهَا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۱)

آپ کہہ دیجیے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ وہ عنقریب تمہیں
ایسی نشانیاں دکھائے گا تو تم ان کو پہچان لوگے اور جو کچھ تم کرتے ہو
تمہارا پروردگار ان سے بے خبر نہیں ہے۔

اس کے علاوہ سورہ حم سجدہ میں ارشاد ہوا ہے:

سَنُرِيْهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِيْ أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (۲)

ہم عنقریب ان کو اطرافِ عالم میں اور خود ان کے نفسوں میں نشانیاں
دکھلاتے چلے جائیں گے یہاں تک ان پر صاف ظاہر ہو جائے گا کہ
یہ حق ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ان فرمودات کی صداقت کی ایک جھلک آپ

---

(۱) سورۃ النمل: ۹۳

(۲) سورۃ حم سجدہ: ۵۳

آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ کتنے ہی سائنسی اکتشافات جو طویل جدو جہد اور تحقیقی کاوش کے بعد گزشتہ اور موجودہ صدی میں ہوئے لیکن وہ قرآن میں پہلے ہی سے بیان کر دیئے گئے تھے، جنہیں دیکھ کر سائنس دان قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اسی طرح روح اور روحانیت پر ریسرچ نے انہیں اس امر کا قائل کر لیا ہے کہ موت زندگی کا انجام ہرگز نہیں ہے بلکہ جنہیں ہم مُردہ کہتے ہیں وہ سب ایک دوسری دنیا میں زندہ ہیں۔ اس طرح گویا وہ عقلی طور پر اللہ، قرآن اور حیات بعد الموت پر ایمان لانے کی منزل کے قریب آ گئے ہیں اور وہ وقت اب دور نہیں جب اللہ تعالیٰ سائنس کے ذریعے بھی اپنا وجود منوا کر رہے گا۔ قرآن کریم کے خصوصی معجزہ ہونے کے بارے میں صحیح بخاری باب الاعتصام میں حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ پیغمبروں میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے معجزات عنایت کیے جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے اور بے شک جو معجزہ مجھے مرحمت ہوا وہ وحی (قرآن) ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتارا اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پیروؤں کی تعداد سب سے زیادہ ہو گی۔ گزشتہ پیغمبروں کے معجزات چونکہ وقتی تھے اور انہیں دیکھنے والوں کی تعداد بھی یقیناً محدود ہو گی۔ ان ناظرین اور حاضرین میں سے جنہیں اللہ نے توفیق عطا فرمائی صرف وہی ان پر ایمان لے آئے۔ اس کے برعکس حضور ﷺ کے دائمی معجزہ کو قیامت تک آنے والے لوگ مسلسل دیکھتے چلے جائیں گے۔ اس معجزہ کا عرصہ صدیوں پر محیط اور اس کا مشاہدہ کرنے والوں کی تعداد بھی اسی نسبت سے بہت زیادہ ہو گی اور حضور ﷺ کی امت کی تعداد اللہ کے فضل و کرم سے دوسرے تمام انبیاء کی امتوں سے کہیں زیادہ ہو گی۔

۳- خالق کائنات کا علم

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو محض ''کن'' کہہ دینے سے وہ عالم وجود میں آ جاتا ہے۔ اس کی تخلیق کردہ کائنات اتنی وسیع و عریض ہے کہ تا حال خلائی سائنس دان اس کی حدود کا تعین نہیں کر پائے

جوتھوڑا بہت اندازہ کیا گیا ہے اس کے مطابق ایک کہکشاں میں اربوں ستارے ہوتے ہیں، جن میں کئی ایک اتنے بڑے ہیں کہ ہمارے نظام شمسی جیسے لاکھوں سورج اس میں سما جائیں۔ستاروں اور کہکشاؤں کے آپس میں فاصلے اتنے زیادہ ہیں کہ نوری سال (Light Year) کا پیمانہ اختیار کرنا پڑا۔روشنی ایک سیکنڈ میں تین لاکھ کلومیٹر سفر طے کرتی ہے۔اسی رفتار سے چلتی ہوئی روشنی ایک سال میں جتنا فاصلہ طے کرتی ہے اسے ایک نوری سال کہتے ہیں۔ ہماری کہکشاؤں کا قطر ایک لاکھ نوری سال ہے اور ہمارا نظام شمسی مرکزی کہکشاں سے تیس ہزار نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے۔ ہماری کہکشاں کے علاوہ ایک ارب کہکشائیں اور بھی ہیں۔ان میں سے جو سورج کے قریب ہے وہ دس لاکھ نوری سال اور بعید ترین پندرہ کروڑ نوری سال کی مسافت پر واقع ہے۔ دلوں کو دہلا دینے والی اس وسعت میں کرہ ارض کی حیثیت ریت کے ایک ذرے سے بھی کم معلوم ہونے لگتی ہے۔اتنی بڑی کائنات کو وہ مالک الملک اکیلا کنٹرول کر رہا ہے۔اس عظیم خدا کے علم کا اندازہ کرنا انسان کے بس میں ہو ہی نہیں سکتا۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علم کی وسعت کی جھلک دکھانے کے لیے سورۃ الکہف میں ارشاد ہوا ہے:

قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا (۱)

آپ ﷺ فرما دیجیے کہ میرے رب کے علم کی باتیں تحریر کرنے کے لیے اگر سمندر روشنائی بن جائیں تو سمندر ختم ہو جائیں لیکن میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ پھر اتنی یہ روشنائی اور کیوں نہ لے آئیں۔

اللہ کے بے کراں علم کے مقابلہ میں انسان کا مجموعی علم سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ سے بھی قلیل ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے:

---

(۱) سورۃ الکہف:۱۰۹

وَمَآ اُوْتِیْتُم مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلاً (۱)

اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ تو نہایت قلیل ہے۔

انسانی علم کی کوتاہی اور بے بسی کا نقشہ سورہ لقمان کے آخری رکوع میں یوں کھینچا گیا ہے کہ انسان تو یہ بھی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا اور نہ ہی یہ جانتا ہے کہ زمین کے کون سے حصے میں اسے موت آئے گی۔

کائنات کو پیدا کرنے والے علیم و خبیر خدا کے کلام میں ڈھونڈنے والوں کے لیے اسرار و رموز اور علم و حکمت کے بے شمار خزانے چھپے ہوئے ہیں۔قرآن میں عالم ارواح تخلیق عالم کے ابتدائی ادوار، اجرام فلکی کی حرکات، زمین پر نباتی اور حیوانی زندگی کی ابتداء، موسموں کے تغیر و تبدل، دن رات کے گھٹنے بڑھنے، آسمان سے پانی کا نزول، ایک ہی طرح کے پانی اور مٹی سے پرورش پانے والے لاکھوں درختوں اور پودوں کے پھلوں کے ذائقے میں اختلاف، انسانی نسلوں میں رنگوں اور زبانوں کا اختلاف، حیات ارضی کے اچانک خاتمے اور عالم آخرت کے بارے میں جو واضح اشارے موجود ہیں ان سے مطالعہ فطرت اور سائنس کی کتنی ہی شاخیں جنم لے چکی ہیں اور یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔اللہ کے بیان کردہ رموز کو سمجھنے کے لیے جس درجہ کی علمی صلاحیت درکار ہے وہ انسان کو کماحقہ تو حاصل نہیں ہو سکی لیکن جیسے جیسے اس کی سمجھ بوجھ، عقل و دانش اور ٹیکنالوجی بتدریج ترقی کرتی چلی جاتی ہے اس پر قرآنی مطالب اور حقائق ایک حد تک کھلتے چلے جا رہے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں قرآن کی نئی تفسیر لکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کیوں کہ ہر دور کا انسان اپنے زمانہ کے جدید علوم سے آراستہ ہو کر جب قرآن کا مطالعہ کرتا ہے تو اس پر نئے نئے معنوں اور حقائق کا انکشاف ہوتا ہے جس کی وجہ سے گزشتہ تفاسیر ادھوری اور نامکمل دکھائی دیتی ہیں۔اس طرح قرآن کے نزول سے لے کر آج تک ہر انسانی نسل اپنی اپنی اجتماعی ذہنی اور سائنسی سطح کے مطابق اس عظیم کتاب کو سمجھتی اور اس کے

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل: ۸۵

معجزاتی پہلوؤں کوتسلیم کرتی چلی آ رہی ہے۔موجودہ صدی میں کائنات کے جن رازوں پر سے پردہ اٹھایا گیا ہےان کے بارے میں سائنس دان اورعلمائے قرآن یہ جان کرحیرت زدہ رہ گئے ہیں کہ ان میں سے اکثر کاذکر پہلے ہی قرآن میں موجود ہے۔یہ امر ایک قوی دلیل ہے کہ یہ کتاب خالق کائنات کی طرف سے اتاری گئی ہے ورنہ ۱۴۰۰برس قبل کاایک انسان یہ حقائق کیوں کراحاطہ تحریر میں لاسکتا تھا جب کہ اس زمانہ میں انسان کاعلم تحقیقی اور تجرباتی دور میں ابھی داخل ہی نہیں ہوا تھا۔

۴۔ قرآن اور سائنسی اکتشافات

قرآن کریم سائنسی علوم کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ تو بنی نوع انسان کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے اللہ کی طرف سے اتاری گئی نصیحت ہے۔ہراس انسان کے لیے جس کے ضمیر کی روشنی مکمل طور پر بجھ نہ گئی ہو اور اس کے قلب میں قبولیت حق کی تھوڑی سی صلاحیت اور روح کے اندر زندگی کی ذرا سی رمق بھی باقی ہو تو یہ قرآن نور، شفا اور حیات کا منبع ہے۔یہ کتاب انسانی زندگی کی ہمہ جہتی اصلاح وفلاح کے لیے نسخہ کیمیا، دائمی مسرت کا راز اور ابدی نجات کا ضامن ہے۔قرآن کا انداز تذکیر اور اسلوب دعوت انتہائی فطری، سادہ اور سہل ہے اور براہ راست انسانی ضمیر کے دروازہ پر دستک دیتا ہے۔یہ انسان کو پیچیدہ سائنسی فارمولوں اور دقیق علمی نکتوں کے ذریعے دعوت ایمان نہیں دیتا بلکہ عام سمجھ بوجھ سے کام لے کر اپنے اردگرد تسلسل سے واقع ہونے والے سادہ سے مظاہر فطرت اور اپنی ذات پر بیتنے والے روزمرہ کے عام فہم تجربات پر غور وفکر کرنے کی ترغیب دیتا ہے کیوں کہ حقیقت اپنی فطرت میں بڑی سادہ ہوتی ہے وہ اپنے ثبوت کے لیے رنگیں بیانی کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ الفاظ کے گورکھ دھندے اسے واضح کرنے کی بجائے مزید پردوں میں لپیٹ دیتے ہیں۔جیسا کہ حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا ہے:

حقیقت پہ ہے جامہ حرف تنگ
حقیقت ہے آئینہ گفتار زنگ

اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (۱)

اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے پس ہے کوئی عبرت حاصل کرنے والا۔

نصیحت، عبرت اور ہدایت کے لیے اس قدر آسان اور عام فہم ہونے کے باوجود اس کلام میں علوم کے ایسے ایسے خزانے پوشیدہ ہیں جن تک رسائی صرف اہل تدبر ہی کا کام ہے کیوں کہ یہ کلام اس ہستی کا ہے جس کے علم کی کوئی انتہا نہیں ہے اس کی تخلیق کردہ وسیع وعریض کائنات میں سے صرف زمین پر موجود کچھ اشیاء کے طبیعی اور کیمیاوی خواص معلوم کر لینے اور چند قوانین فطرت جان لینے ہی کو جو سائنس دان منتہائے علم سمجھ بیٹھے تھے اب وہ جنیاتی سائنس، کوانٹم فزکس اور ذہن اور روح کی تحقیق کے میدانوں میں داخل ہو کر گزشتہ نظریات اور قوانین پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی قرآنی نظریات کی تائید کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ جیسا کہ مقولہ مشہور ہے کہ بادشاہوں کا کلام' کلام کا بادشاہ ہوتا ہے تو حقیقی شہنشاہ اور کائنات کے خالق و مالک کا کلام کیوں بے مثل نہ ہوگا اور قدم قدم پر اس کے بے کراں علم کی جھلک کیونکر اپنے جلوے نہ دکھائے گی۔ قرآن میں دیئے گئے دقیق اشارات اور جدید سائنسی اکتشافات کو منطبق کرنے سے یہ امر مطلوب ہے کہ اس حقیقت کو سامنے لایا جائے کہ اللہ نے جو وعدہ فرمایا تھا کہ تمہیں ایسی نشانیاں دکھاؤں گا کہ تم پکار اٹھو گے کہ دین اسلام حق اور قرآن منزل من اللہ ہے' وہ پورا ہو رہا ہے۔ جدید تجربات سے سائنس دانوں پر یہ حقیقت کھلتی چلی جا رہی ہے کہ اللہ کا دین خیالی نظریات پر نہیں بلکہ ٹھوس حقائق پر مبنی ہے۔ اب یہ راہ منزل بہت قریب آ گئی ہے جب یہ حقیقت تسلیم کر لی جائے گی کہ انسانوں کی دنیوی اور اخروی بھلائی ان ابدی حقائق کو تسلیم کر لینے اور اللہ کے عطا کردہ آئین حیات کو اپنا لینے میں مضمر

---

(۱) سورۃ القمر:۲۲

ہے۔اب ہم اختصار کے ساتھ موجودہ دور میں ہونے والے چند معروف سائنسی اکتشافات اوران سے متعلق قرآنی آیات تحریر کرتے ہیں۔

۵- مادّہ کی حقیقت

ہمیں قرآن یہ بتاتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے وہ ہمیشہ سے ہےاور ہمیشہ باقی رہے گی اس کے سوا باقی ہر شے حادث ہے یعنی وہ پیدا کی گئی ہے۔ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ اکیلا تھااوراس کی عظیم ذات کے سوااور کچھ بھی موجود نہیں تھا پھراس نے اپنی قدرت کاملہ اورقوت قاہرہ سے کائنات کی ہر شے کواپنی مرضی کے مطابق جس نہج پر چاہا پیدا فرمایا۔

جیسا کہ سورۃ الرعد میں ارشاد ہے:

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (۱)

آپ فرما دیجیے کہ اللہ ہی ہر شے کا پیدا کرنے والا ہےاور وہ یکتا اور زبردست ہے۔

سائنس دان شروع میں اس حقیقت کے برخلاف یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ مادہ بھی ازلی وابدی ہے، یہ نہ تو پیدا کیا جاسکتا ہے نہ ہی فنا ہوسکتا ہے بلکہ صرف صورتیں بدلتا رہتا ہے۔مثلاً پانی کو اگر ٹھنڈا کرتے چلے جائیں تو وہ ٹھوس برف کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔اگر برف کو حرارت پہنچائی جائے تو وہ دوبارہ سیال پانی کی صورت میں بدل جائے گی۔اگر پانی کو مزید گرم کیا جائے تو وہ بخارات بن کر ہوا میں شامل ہو جائے گا اور بظاہر ہماری نظروں سے غائب ہو جائے گا۔یہی آبی بخارات فضا کے بالائی طبقوں میں پہنچ کر بادل بنتے اور ٹھنڈک کی وجہ سے دوبارہ پانی کے قطروں میں تبدیل ہوکر بارش کی صورت میں واپس زمین پر آ جاتے ہیں اور یہ چکر اسی طرح چلتا رہتا ہے۔دوسری مادی اشیاء کے بارے میں بھی یہی نظریہ بیان کیا جاتا تھا لیکن جب سائنس دانوں نے ایٹم توڑ لیا تو وہ اس

---

(۱) سورۃ الرعد:۱۶

غلط نظریہ سے دستبردار ہو کر یہ کہنے لگے کہ مادہ فنا ہو کر توانائی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ بیسویں صدی کے عظیم سائنس دان بابائے جوہریت البرٹ آئن سٹائن نے مادے اور توانائی کا باہمی تعلق ظاہر کرنے والا فارمولا (E=mc2) بھی معلوم کر لیا اور اسے تاریخ کی مشہور ترین مساوات کا نام دیا گیا۔ اس سے جہاں علم مابعد الطبیعات (Metaphysics) کا آغاز ہوا وہاں یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ توانائی کی نہایت ہی کثیر مقدار سمٹ کر مادہ بن سکتی ہے اور اگر ہم مادہ کے ایٹموں کو توڑ سکیں تو ان سے بے پناہ انرجی حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی کے نتیجہ میں ایٹم بم ایجاد ہوا اور اب بجلی حاصل کرنے کے لیے ایٹمی ری ایکٹر چلائے جا رہے ہیں اور ایٹمی ایندھن کی نہایت ہی قلیل مقدار کی مدد سے ایٹمی آبدوزیں مہینوں تک زیر آب رہ کر اپنا سفر جاری رکھ سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ایٹمی توانائی کئی شعبوں میں انقلابی تبدیلیاں لانے کا باعث بنی ہے اور بنی نوع انسان کے لیے کئی جدید علوم کی راہیں کھل گئی ہیں۔

۶۔ تخلیق کی ابتدا

جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ مادہ فنا ہو سکتا ہے تو اس کی ازلی اور ابدی حیثیت زائل ہو گئی اس لیے مجبوراً یہ تصور کرنا پڑا کہ مادہ اچانک کسی نامعلوم سبب کے باعث کسی وقت وجود میں آیا ہو گا۔ ابتدائے آفرینش کے بارے میں جس نظریئے کو بہت زیادہ شہرت ملی وہ آئن سٹائن کا عظیم دھماکے کا نظریہ (Big bang Theory) کہلاتا ہے۔ اس میں بیان کیا جاتا ہے کہ آج سے تقریباً دس سے پندرہ ارب سال پہلے خلا کی وسعتوں میں اچانک ایک عظیم دھماکہ ہوا اور پھر ناقابل فہم حرارت، توانائی اور روشنی کا ایک عظیم عمل اور ردعمل شروع ہو گیا۔ اسی کش مکش کے نتیجہ میں عناصر کا ظہور ہوا اور پھر ان کی ترتیب سے مادی ذروں کا ہیولا سا بنا جو خلا میں دھوئیں کی صورت میں اڑنے لگا۔ مادے کی اس حالت کا ذکر قرآن کریم میں سورۂ حٰم سجدہ میں یوں آیا ہے:

ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ (۱)

پھر اللہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا۔

پھر اس دھوئیں میں چکر لگنے لگا۔اس طرح کے عمل کے نتیجے میں عرصہ دراز کے بعد ذروں نے کروں اور کہکشاؤں کی صورت اختیار کرلی اور ایک دوسرے سے دور ہٹنے لگے اور بہت دور جاکر اپنے اپنے محور اور کسی مرکز کے گرد گھومنا شروع ہو گئے۔اسی دھماک کے عمل سے وہ چار بنیادی قوتیں تخلیق ہوئیں جو کشش ثقل، برقی مقناطیسیت قوی نیوکلیائی قوت ضعیف نیوکلیائی قوت کے نام سے مشہور ہیں اور انہیں سے اجرام کائنات کا باہمی تعامل عبارت ہے۔

ہماری زمین کسی ستارے کی کشش کے اثر سے، جو سورج کے قریب سے گزرا تھا تقریباً ساڑھے چار ارب سال پہلے سورج سے جدا ہو کر بنی تھی۔یہ پہلے آگ کا ایک دہکتا ہوا گولہ تھی پھر ہزاروں برس گزرنے پر اس کی سطح آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہوگئی۔علیٰ ھذاالقیاس اسی طرح یہ افسانوی نظریہ مکمل ہوگیا۔

اسی خیالی منظر میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ انسانی سمجھ بوجھ اور اس کے علم کی رسائی کے مطابق ترتیب دیا گیا ایک نظریہ ہے جو ہوسکتا ہے کہ وقتی طور پر منطقی اور تشفی بخش معلوم ہوتا ہو لیکن یہ عین ممکن ہے کہ حقائق اس سے قطعی مختلف ہوں اور مستقبل میں اس کی جگہ کوئی دوسرا نظریہ لے لے۔بہرکیف اس نظریہ کی حمایت کرنے والے سائنس دان بھی تو یہ نہیں بتا سکتے کہ جب کوئی شے موجود ہی نہ تھی تو یہ دھماک کیونکر ہوا، اتنا عظیم دھماک جس کے سبب وسیع وعریض کائنات تخلیق ہوگئی کس نے کیا تھا؟اس کا جواب سائنس دے ہی نہیں سکتی اور نہ ہی اس کا موضوع ہے۔عقل وخرد کا اپنا ایک مقام اور اپنی حدود ہیں جن کے باہر کی اسے کچھ خبر نہیں۔بقول علامہ محمد اقبالؒ:

خرد سے راہرو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے چراغ رہ گزر ہے

---

(۱) سورۃ حٰمٓ سجدۃ:۱۱

درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغِ رہ گزر کو کیا خبر ہے (۱)

عقل وخرد کی روشنی میں سفر کرنے والے سائنس دان اب یہ حقیقت تسلیم کر رہے ہیں کہ اگر کائنات ابدی نہیں ہے اور یہ پیدا کی گئی ہے تو پھر ایک خالق کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا اور یہ اب ثابت ہو گیا ہے کہ کائنات ابدی نہیں بلکہ درحقیقت ان باتوں کا جواب دینا اور دقیق عقدوں کو حل کرنا الہامی مذاہب کا کام ہے۔ بفرض محال اگر وقتی طور پر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ کائنات کی تخلیق اوپر بیان کردہ ترتیب اور ترکیب ہی سے وجود میں آئی تو اس کا قرآنی حل یہ ہوگا کہ یہ عظیم ترین دھماکہ اللہ جل جلالہ کے امر ''کن'' سے ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (۲)

یعنی اللہ کا حکم تو اس طرح کا ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے کہ کن یعنی ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

اور یہ بھی فرماتا ہے کہ ہمارا کام تمہاری طرح کا نہیں ہے کہ چھوٹے چھوٹے منصوبوں کے لیے مہینوں بلکہ برسوں مصروف رہتے ہو ان میں کئی قسم کی رکاوٹیں آ جاتی ہیں اور تمہیں تبدیلیوں اور ترمیموں کی ضرورت پڑتی ہے۔

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (۳)

اور ہمارا حکم تو یکبارگی ہوتا ہے کہ جیسا کہ آنکھ جھپکنا۔

یعنی ہمارا امر ہوتے ہی وہ چیز ہمارے ارادے کے عین مطابق متشکل ہونے کے لیے ضروری ارتقاء کی منزلیں خودبخود طے کرنا شروع کر دیتی ہے۔ یہ خیال درست نہیں ہے کہ وہ

---

(۱) بالِ جبریل

(۲) سورۃ یٰسین: ۸۲

(۳) سورۃ القمر: ۵۰

چیز ''کن'' کہنے کے ساتھ اسی وقت مطلوبہ صورت اختیار کر لیتی ہے۔البتہ اس کے وجود کی ایک جامع روحانی شکل اسی لمحہ پیدا ہو جاتی ہے جیسے کہ ایک بڑ کے عالیشان درخت کا رائی برابر بیج، جس میں اس پورے درخت کا نقشہ، اس کی شکل وصورت، اس کا حجم اس کے پتوں کی نوعیت اور دیگر تفاصیل سموئی جاتی ہیں، جو بعد میں منازل ارتقاء طے کر کے اپنے وقت پر پورا درخت بن جاتا ہے۔یعنی چیزیں روحانی طور پر تو اسی وقت وجود میں آ جاتی ہیں لیکن تعین شدہ کرّے مطلوبہ مادی صورت میں اس طرح وجود میں آنے کے لیے اس کرہ میں بسنے والوں کو بھی وہ محسوس ہو سکیں طویل عرصہ لگتا ہے۔وقت کے بارے میں قرآن میں بار بار یہ حقیقت دہرائی گئی ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔اس سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو گئی کہ اللہ تعالی کی تخلیق کے عمل میں وقت ایک اہم عنصر ہے۔اب ظاہر ہے کہ ان چھ دنوں سے مراد یہ ہمارے چوبیس گھنٹے والے ارضی پیمانے والے دن تو نہیں ہو سکتے کیوں کہ جب نہ سورج تھا نہ زمین تھی نہ زمین کی محوری گردش تھی تو یہ دن رات بھی نہیں تھے۔اللہ کے دن کی لمبائی کا اندازہ سورۃ المعارج الفاظ سے لگایئے جس میں ارشاد ہوا ہے:

تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ وَالرُّوۡحُ اِلَيۡهِ فِىۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِيۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍ (۱)

اس کی طرف سے روح اور فرشتے چڑھتے ہیں ایک دن میں جس کا اندازہ پچاس ہزار برس ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ زمین اور آسمانوں کی تخلیق چوبیس گھنٹوں والے چھ دنوں میں نہیں ہوئی بلکہ ہزاروں سالوں پر محیط چھ دور تھے۔قرآن میں کئی دوسری جگہوں پر بھی ایام یعنی ادوار استعمال ہوا ہے۔قوموں کے بارے میں آیا ہے کہ ہم کبھی ایک قوم کو عروج عطا فرماتے ہیں پھر کچھ عرصہ بعد اسے زوال آنا شروع ہو جاتا ہے تو کسی دوسری قوم کو اس کی جگہ

---

(۱) سورۃ المعارج:۴

دنیا کی سیادت مل جاتی ہے۔قرآن کے الفاظ اس طرح ہیں:

تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاس (۱)

یہ تو دن یا دور ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔

انسان اپنے ابتدائی دور سے ہی سورج، چاند اور آسمان پر بکھرے ہوئے بے شمار ستاروں کو دیکھتا چلا آ رہا ہے لیکن اسے نہ تو ان کی ماہیت کا علم تھا اور نہ ہی جانتا تھا کہ وہ زمین سے کتنی دور ہیں اور آپس میں ان کے درمیان کتنی مسافتیں حائل ہیں۔نئی نئی دوربینوں کی ایجاد نے اسے وسعت نظر عطا کی تو اسے خلا کے اندر دور تک جھانکنے کا موقع ملا۔۱۹۴۸ء میں کیلی فورنیا یونی ورسٹی نے کوہ پلومر پر جب دوسوانچ قطر کی دوربین نصب کی تو چشم آدم کے سامنے آسمانوں کی لامحدود وسعتیں کھل کر سامنے آ گئیں۔ستاروں کی تعداد ان کے درمیانی فاصلوں، کہکشاؤں کی تعداد اور ان کے نظام کے بارے میں کافی حد تک درست اندازے لگانا ممکن ہو گیا۔یہ انکشاف بھی ہوا کہ ابتدا میں مادہ ایک جمگھٹے کی صورت میں ملا ہوا تھا۔پھر کائنات پھیلنا شروع ہو گئی اور کرّے ایک دوسرے سے دُور ہونے لگے۔قرآن کریم میں اس نظریہ کی تصدیق ملاحظہ فرمائیے:

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (۲)

کیا انکار کرنے والوں نے دیکھا نہیں کہ آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے پس ہم نے ان کو جدا کر دیا۔

سائنسدانوں کے مطابق کائنات کا یہ پھیلاؤ اب بھی جاری ہے۔ ہماری کہکشاں انیس دیگر کہکشاؤں کے ساتھ مل کر ایک گروپ بناتی ہے جس کا قطر پچاس

---

(۱) سورۃ آل عمران:۱۴۰

(۲) سورۃ الانبیاء:۳۰

لاکھ نوری سال ہے۔اب تک معلوم ہو جانے والی کہکشاؤں کی تعداد ایک ارب تک پہنچ چکی ہے۔فلک شناسوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ تمام کہکشائیں ہم سے نیز ایک دوسری سے دور ہٹتی جا رہی ہیں اور آسمانوں میں زبردست توسیع ہو رہی ہے یعنی یہ کائنات پھیلتی چلی جا رہی ہے۔

ایڈون ہبل پہلا شخص تھا جس نے ۱۹۵۳ء میں یہ سائنسی تحقیق پیش کی کہ کائنات مسلسل وسعت پذیر ہے۔اسی تحقیق نے بگ بینگ تھیوری یعنی عظیم دھماکے کے نظریئے کو جنم دیا۔

اب ذرا خالق کائنات کا فرمان دیکھئے:

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ (۱)

اور آسمانوں کو ہم نے ہاتھوں سے بنایا اور ہم ہی پھیلانے والے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پناہ قوت سے عظیم کہکشاؤں کو پیدا کیا اور اپنی قدرت کے ہاتھوں سے ان میں مطلوبہ گھماؤ اور حرکت پیدا کی کہ وہ پھیلتی چلی جا رہی ہیں اور ان کے درمیانی فاصلے بڑھ رہے ہیں۔

۷- اجرام فلکی کی حرکات

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کی قدیم اقوام مثلاً یونانیوں، مصریوں، سمیریوں، بابلیوں اور چینیوں کے ہاں اجرام فلکی کے متعلق کافی مواد ملتا ہے۔ فلک شناس اپنے اپنے مشاہدہ کی بنیاد پر نظریات پیش کرتے رہے، جو وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہے۔ ۱۵۰ء میں بطلیموس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ زمین اس کائنات کا مرکز ہے اور سورج اور ستارے اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔تمام مذاہب کے منجم چودھویں صدی تک اسی نظام کے قائل رہے۔پندرھویں صدی میں پولینڈ کے منجم نکولس کاپرنیکس نے یہ

---

(۱) سورۃ الذاریات: ۴۷

اعلان کیا کہ سورج ساکن ہے اور زمین اس کے گرد گھوم رہی ہے۔اس پر پادریوں نے اسے کافر قرار دے کر اس کی گرفتاری کے احکام صادر کر دیئے۔سترہویں صدی میں ایک جرمن ہیئت دان کپلر نے کاپرنیکی نظام کی تائید کرتے ہوئے اس میں یہ اضافہ کیا کہ سورج اپنے محور پر گھوم رہا ہے تو کلیسا نے اس کی کتاب بھی ضبط کر لی۔اس وقت چونکہ مسلمانوں کے پاس نہ تو مشاہدہ کائنات کے لیے جدید رصد گاہیں تھیں اور نہ ہی مطالعہ فطرت کا ذوق رکھنے والے علماء موجود تھے اس لیے ان نظریات کی تردید اور قرآن کی تائید میں کوئی آواز نہ اٹھ سکی کیونکہ غیر مسلم فلک شناسوں کو صرف قرآن کی آیات پڑھ کر تو قائل نہیں کیا جا سکتا تھا۔اس کے لیے ضروری تھا کہ کوئی مسلمان منجم ان آیات کو راہنما بنا کر کائنات کا مشاہدہ کرتا اور اخذ شدہ نتائج کی مدد سے اجرام فلکی کی گردش، دن رات کے گھٹنے بڑھنے، موسموں کے تغیر و تبدل اور دیگر مظاہر کی وجوہات کو ایک منطقی نظام اور علم ہیئت کی اصطلاحات میں مرتب کر کے قرآن کی حقانیت کو ثابت کرتا لیکن یہ ممکن نہ تھا کیونکہ ہماری قوم تو صدیوں سے سائنسی تحقیق کے دروازے بند کر دینے کی وجہ سے علمی طور پر بانجھ ہو چکی تھی۔البتہ ہم دل کی جھوٹی تسلی کے لیے اپنی خفت کم کرنے کے لیے یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاید اللہ کی مشیت یہی تھی کہ نہ ماننے والے خود ہی اپنے مشاہدے کے نتیجے میں قرآن کی تصدیق کریں۔بہر کیف اب سائنس دان یہ تسلیم کرتے ہیں کہ چاند زمین کے گرد اور زمین سورج کے گرد مدار میں چکر لگا رہی ہے اور سورج بھی ایک جگہ ساکن نہیں ہے بلکہ اپنے پورے نظام شمسی کو ساتھ لیے ایک تو اپنی کہکشاں کے مرکز کے گرد گھوم رہا ہے اور ایک چکر بائیس کروڑ پچاس لاکھ سال میں پورا کرتا ہے۔دوسری حرکت اپنی کہکشاؤں کے ہمراہ خلائی سفر کی ہے۔اٹھارہویں صدی کے وسط تک سورج کو ساکن تصور کیا جاتا رہا یہاں تک کہ سر فریڈرک ولیم ہرشل نے اس نظریہ کی تصحیح ۱۷۸۳ء میں کی۔

آیئے ہم سب سے پہلے زمین کی گردش کے بارے میں قرآنی فرمان دیکھتے ہیں ارشاد ہوا ہے:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (۱)

اور آپ پہاڑوں کو دیکھ کر خیال کرتے ہو کہ یہ ایک جگہ بے حس و
حرکت کھڑے ہیں حالانکہ یہ تو بادلوں کی مانند حرکت میں ہیں۔

یعنی یہ بڑے بڑے پہاڑ جو بظاہر ساکت و جامد دکھائی دیتے ہیں یہ
زمین کی محوری اور مداری گردش کی وجہ سے بادلوں کی طرح اڑے جا رہے ہیں۔اسی
طرح سورج کی حرکت کے بارے میں سورہ یٰسین میں آیا ہے کہ:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ
الْعَلِیْمِ (۲)

اور سورج اپنی مقررہ منزل کے لیے رواں دواں ہے یہ غالب اور علم
والے کا ترتیب دیا ہوا نظام ہے۔

اسی طرح سورۃ رحمٰن میں سورج اور چاند دونوں کی ایک خاص حساب کے تحت حرکت کرنے
کا بیان یوں آیا ہے:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَان (۳)

سورج اور چاند حساب مقرر سے چل رہے ہیں۔

چاند کی حرکت ذرا مختلف نوعیت کی ہے،وہ ہر روز ایک نئے مقام پر اور بدلی ہوئی حالت میں
دکھائی دیتا ہے اور پھر ایک ماہ بعد اپنی پہلی والی حالت میں لوٹ آتا ہے۔اس لیے چاند کے
بارے میں قرآن نے علیحدہ انداز سے فرمایا:

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ (۴)

---

(۱) سورۃ النمل:۸۸

(۲) سورۃ یٰسین:۳۸

(۳) سورۃ الرحمٰن:۵

(۴) سورۃ یٰسین:۳۹

اور چاند کے لیے ہم نے مختلف منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ
وہ پھر اپنی پہلی حالت جو کھجور کی پرانی شاخ کی مانند ہوتی ہے، پر
لوٹ آتا ہے۔

اس سے اگلی آیت میں اللہ کے نظام کی صحت اور پائیداری کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ سورج چاند کو جا پکڑے یا رات دن کو پیچھے چھوڑ کر پہلے آ جائے کیوں کہ **وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَسْبَحُوْنَ** سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔

یعنی اللہ جل جلالہ نے ہر ایک کے لیے ایک متعین راستہ یا مدار مقرر کر رکھا ہے جس پر وہ جسم تیرتا ہوا خلا میں سفر کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر ستونوں اور تاروں کے کشش ثقل اور مرکز گریز (Gravity & Centrifugal force) قوت کا اس طرح توازن قائم کر رکھا ہے کہ اجرام فلکی میں سے کوئی بھی اپنے مدار سے اِدھر اُدھر ہٹ ہی نہیں سکتا ہاں جب اللہ چاہے گا تو سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔

۸۔ رات اور دن کا خلا میں تیرنا

قرآن میں ایک جگہ سورج اور چاند کی حرکت کے بیان کے ساتھ ساتھ دن اور رات کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ بھی خلا میں تیرتے ہوئے جا رہے ہیں۔ الفاظ ملاحظہ ہوں:

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَسْبَحُوْنَ (۱)

اللہ وہ ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند پیدا کیے۔ ہر
ایک خلا میں تیر رہا ہے۔

سورج اور چاند کا فضا میں تیرنا ظاہری آنکھ سے بھی نظر آتا ہے اور آسانی سے سمجھ میں بھی آ جاتا ہے لیکن رات اور دن کا اپنے مدار میں گردش کرنا یا خلا میں تیرنا

---

(۱) سورۃ الانبیاء: ۳۳

ذہن میں اتنی آسانی سے نہیں آتا لیکن موجودہ دور کی تحقیق کے نتیجے میں اب ہم اس کی بھی تشریح کر سکتے ہیں۔اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے ذرا اپنی چشم تصور سے کرۂ ارض کو خلا میں سورج کے گرد اپنے مدار میں حرکت کرتے ہوئے دیکھیں جب کہ وہ اپنے محور کے گرد بھی گھوم رہی ہے۔اس منظر میں زمین کی ایک طرف یعنی سورج کی جانب ہمیشہ اجالا یعنی دن اور دوسری جانب ہمیشہ اندھیرا یعنی رات رہتی ہے اور یہ دونوں منطقے مستقلاً اسی حیثیت میں برقرار رہتے ہیں۔زمین کی محوری گردش کے سبب اس کا جو حصہ سورج کی جانب آ جاتا ہے وہاں دن ہو جاتا ہے اور دوسری طرف رات۔یعنی رات اور دن نہیں آتے جاتے بلکہ زمین کے حصے گھوم کر کبھی سورج کے سامنے یعنی دن کے منطقے میں آ جاتے ہیں اور کبھی دوسری جانب رات کے منطقے میں چلے جاتے ہیں۔زمین چونکہ اپنے محور کے گرد گھومنے کے ساتھ ساتھ سورج کے گرد اپنے مدار میں بھی حرکت کرتی ہے اس طرح گویا رات اور دن یعنی اندھیرے اور اجالے کے دونوں منطقے بھی اسی مدار میں زمین کے ساتھ ساتھ فضا میں تیرتے ہوئے چلتے رہتے ہیں۔اندر کے مدار میں دن تیرتا ہے اور باہر کے مدار میں رات اسی طرح چاند چونکہ زمین کے گرد گھومتا ہے اس لیے وہ بھی زمین کے ساتھ ساتھ فضا میں زمین کے مدار پر ہی تیرتا چلا جاتا ہے اور سورج اپنے سارے نظام شمسی کے سیاروں کو ساتھ لیے ہوئے اپنی کہکشاں کے مرکز کے گرد رواں دواں ہے اور کہکشائیں آگے کسی ان دیکھے مرکز کے گرد رواں ہیں۔

۹- چاند اور سورج کی ماہیت

زمین پر بسنے والی مخلوق کے لیے چاند اور سورج دونوں روشنی کا ذریعہ ہیں۔ابتدا ہی سے انسان یہی تصور کرتا ہوا چلا آ رہا تھا کہ یہ دونوں کرّے اپنی ذات میں روشن ہیں لیکن اب سائنس دان اس حقیقت سے پردہ اٹھا چکے ہیں کہ چاند بذات خود روشن نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک بے آباد اور بنجر مادی کرہ ہے جس کی سطح تھور زدہ زمین کے مشابہ ہے۔چاند پر نہ تو ہوا ہے نہ پانی اور نہ ہی کوئی نباتات ہیں بلکہ اس کی سطح تو بالکل مردہ ہے۔

چاند سے جو روشنی ہمیں ملتی ہے وہ درحقیقت سورج کی روشنی ہوتی ہے جو اس کی سطح سے منعکس ہو کر زمین پر آتی ہے۔جن خلا بازوں کو چاند پر اترنے کا موقع ملا ان کا کہنا ہے کہ وہاں سے زمین چاند کی طرح روشن دکھائی دیتی ہے۔فرق یہ ہے کہ زمین چاند سے پانچ گنا بڑی اور اس سے کہیں زیادہ حسین و جمیل نظر آتی ہے۔

سورج کے بارے میں سائنس دان یہ کہتے ہیں کہ اس میں ۷۲ فیصد ہائیڈروجن گیس ہے جو مسلسل ہیلیم گیس میں تبدیل ہو رہی ہے،اس عمل سے بے پناہ روشنی اور توانائی پیدا ہوتی ہے۔سورج کا اندرونی درجہ حرارت تقریباً ۱۵ کروڑ سنٹی گریڈ جب کہ بیرونی سطح کا درجہ حرارت صرف چھ ہزار سینٹی گریڈ ہے۔اگر بیرونی سطح کا درجہ حرارت بھی وہی ہوتا جو اندرونی کا ہے تو زمین پر نباتی اور حیوانی زندگی کا نام و نشان بھی نہ ہوتا۔سورج کی متوازن حرارت پر ہی زمینی زندگی کا دارومدار ہے۔اب یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ چاند فی نفسہٖ روشن نہیں ہے بلکہ سورج کی روشنی کی وجہ سے چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے لیکن سورج روشنی اور حرارت کا منبع ہے۔اب ذرا اللہ کے کلام کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح دونوں کا فرق واضح کر رہا ہے۔

سورۃ نوح میں ارشاد ہوا:

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (۱)

اللہ نے آسمانوں میں چاند کو روشنی کا ذریعہ بنایا اور سورج کو جلتا ہوا چراغ۔

اسی طرح سورۃ یونس میں فرمایا:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ (۲)

---

(۱) سورۃ نوح:۱۶

(۲) سورۃ یونس:۵

اللہ وہ ہے جس نے سورج کو روشنی کا منبع اور چاند کو چمکتا ہوا بنایا۔ اور
چاند کے لیے مختلف منزلیں مقرر کر دیں تا کہ تم سالوں کی گنتی اور
(دنوں اور مہینوں کا) حساب جان سکو۔

انسانی زندگی کے ابتدائی ادوار میں جب انسان نے نہ تو پڑھنا لکھنا سیکھا تھا اور نہ ہی کیلنڈر ایجاد ہوئے تھے، اس وقت صرف چاند کی بدلی ہوئی حالت ہی سے دنوں کا حساب کیا جاتا تھا اور ہر نئے چاند سے مہینہ کا آغاز شمار ہوتا تھا گویا کہ قمری کیلنڈر اللہ کا عطیہ ہے اور انسان نے سب سے پہلے اسی سے استفادہ کیا کیوں کہ اجرام فلکی میں سے صرف چاند ہی تھا جس کی روزانہ تبدیلی کو آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا۔

حروف مقطعات

قرآن کی بعض سورتوں کے آغاز میں پراسرار حروف لکھے ہوئے ہیں
جنہیں ہم حروف مقطعات کے نام سے پکارتے ہیں۔ان کے بظاہر کوئی معنی نہیں ہیں اور انہیں علیحدہ علیحدہ حروف کی صورت ہی میں پڑھا جاتا ہے۔مثلاً قرآن کی دوسری سورت البقرہ کا آغاز الم سے ہوتا ہے جسے الف لام میم پڑھا جاتا ہے۔ان حروف کی تشریح نہ تو احادیث میں آتی ہے اور نہ ہی کسی مفسر نے بیان کی ہے۔اللہ کے فضل سے ۱۹۷۵ء میں ایک مصری محقق راشد خلیفہ نے علم الحساب کی بنیاد پر حروف مقطعات کا جو حل پیش کیا اس نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا اور بڑے وسیع پیانے پر اس کی پذیرائی ہوئی۔ان کے پیش کردہ منطقی دلائل اور مربوط حسابی نظام میں کافی وزن موجود ہے اس لیے ان حقائق کو قرآن کے منزل من اللہ ہونے کے ثبوت میں پیش کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرنی چاہیے۔اگر چہ علماء کرام کو اس تحقیق سے اختلاف کرنے کا حق بھی حاصل رہے گا۔اس تحقیق میں انیس (۱۹) کا ہندسہ مرکزی اہمیت کا حامل ہے۔ایک عالم نے یہ بھی فرمایا کہ انیس (۱۹) کا ہندسہ تو یہودیوں کے ہاں بڑا مقدس سمجھا جاتا ہے اور ان میں ہر عبادت گاہ میں نمایاں طور لکھا ہوا ہوتا ہے۔اگر ایسا ہی ہے تو یہ حسن اتفاق انہیں قرآن کی صداقت پر ایمان لانے کے لیے باعث ترغیب بن سکتا ہے۔مصری محقق کی تحقیق کے مطابق بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے حروف کی تعداد انیس (۱۹) کی خدائی کلید کی مدد سے حروف مقطعات کے اسرار کھلتے چلے جاتے ہیں اور ایک نا قابل تردید شہادت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ قرآن کریم کا ایک ایک حرف ایک ایسے پیچیدہ اور مربوط نظام کے تحت رقم کیا گیا ہے جو انسانی دانش کے

بس میں نہیں ہے اور عالمگیر آئین کی حامل اس کتاب ہدایت میں ایک حرف کی بھی کمی بیشی یا تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ ہی ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے چودہ سو برس قبل اس کتاب کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا تھا اس کی حقیقت آنکھوں سے ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ اب ہم جناب خلیفہ راشد کی تحقیق کو عام فہم الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ الہامی عدد کلید

بسم اللہ الرحمن الرحیم جس سے قرآن مجید کی سورۃ الفاتحہ کی ابتدا ہوتی ہے۔ ایک ایسی عظیم آیت ہے جس میں ہمارے ربّ کا برکتوں سے بھرپور ذاتی اسم اللہ آیا ہے اور ساتھ ہی ظاہری اور باطنی، دنیوی اور اخروی، عام اور خاص رحمتوں اور نعمتوں کی بارش برساتے ہوئے دو صفاتی نام الرحمٰن اور الرحیم بھی آئے ہیں۔ نیکی اور بھلائی کے ہر کام کی ابتدا اس مبارک آیت سے کی جاتی ہے اور اسی کے توسل سے اللہ کی نصرت اور رحمت طلب کی جاتی ہے۔ حروف مقطعات کے سربستہ راز کی مفتاح یعنی کنجی بننے کی سعادت بھی اللہ نے سورۃ الفاتحہ کی سب سے پہلی آیت کو عطا فرمائی۔ حروف مقطعات کی تشریح سے ایک حیرت انگیز اور پیچیدہ نظام آپ کے سامنے آئے گا۔ اس کی تفصیل میں جانے سے پہلے ''**بسم اللہ الرحمن الرحیم** '' کے حروف کی تعداد آپ خود گنیے۔ آپ حروف کی تعداد انیس (۱۹) پائیں گے۔ انیس کا یہ عدد حروف مقطعات کے راز یعنی قرآنی کوڈ (Code) کو کھولنے والی چابی ہے۔ اسے آپ ''الہامی عددی کلید'' بھی کہہ سکتے ہیں، جس سے حروف مقطعات کے اسرار کھلتے چلے جاتے ہیں۔ اس سلسلے کا اولین انکشاف یہ ہے کہ جن سورتوں کی ابتدا میں حروف مقطعات آئے ہیں ان کے اندر ان حروف کی تعداد اللہ تعالیٰ نے اس طرح رکھی ہے کہ وہ انیس (۱۹) پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔ اس نظام کی تفصیل دکھانے سے پیشتر ہم اس بابرکت آیت یعنی **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کے اپنے الفاظ کو ۱۹ کی الہامی عددی کلید کے ذریعے جانچتے ہیں۔

i۔ **بسم اللہ الرحمن الرحیم**۔ پورے قرآن میں ۱۱۴ مرتبہ آئی ہے اور یہ

تعداد۱۹پر تقسیم ہو جاتی ہے۔(6x19=114)یہ آیت مبارکہ سورۃ توبہ کے علاوہ قرآن کی ہر سورت کے شروع میں آئی ہے۔چونکہ قرآن کی سورتوں کی تعداد ۱۱۴ ہے اس طرح اس آیت کی تعداد ۱۱۳ بنتی چاہیے تھی جو کہ ۱۹ پر تقسیم نہ ہو سکتی۔سورۃ توبہ والی کمی کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النمل کی آیت نمبر ۳۰ کے ذریعے پورا فرما دیا جہاں حضرت سلیمانؑ کے ملکہ سبا کو خط لکھنے کا ذکر ہے اور قرآن کے متن میں یہ تحریر ہے۔اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اس طرح یہ تعداد ۱۱۴ ہو گئی۔

ii۔اس آیت مبارکہ میں چار الفاظ اسم، اللہ، الرحمٰن اور الرحیم آئے ہیں اب یہ دیکھیں گے کہ یہ الفاظ پورے قرآن کریم میں کتنی کتنی مرتبہ آئے ہیں اور ان کی تعداد کا انیس (۱۹) کے عدد کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

جدول نمبر 1

پورے قرآن میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے الفاظ کی تعداد

الفاظ	پورے قرآن میں تعداد	19 سے نسبت
اسم	19	1x19
اللہ	2698	142x19
الرحمٰن	57	3x19
الرحیم	114	6x19

۲۔ قرآن کریم میں ۱۹ کا ذکر

انیس کا عدد چند خصوصیات کا حامل ہے۔یہ عدد طاق ہے اور نا قابل تقسیم ہے یعنی کسی دوسرے ہندسے پر اسے تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔اس عدد میں سب سے پہلا ہندسہ ایک (۱) اور سب سے آخری ہندسہ نو (۹) دونوں موجود ہیں۔(پہلے ہندسہ ایک (۱) سے احد ''اللہ'' اور نو (۹) سے تخلیق کل (کائنات) کی جا سکتی ہے۔ یاد رہے کہ عدد (گنتی) میں ایک (۱) پہلا ہندسہ ہے۔اس سے پہلے کوئی ہندسہ کامل نہیں ہے اور نو (۹) عدد گنتی میں

سب سے بڑا اور آخری ہندسہ ہے) اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وحی الٰہی میں اس ہندسہ کی کیا اہمیت ہے۔ غارِ حرا میں جب نزولِ قرآن کی ابتدا ہوئی تو سب سے پہلی وحی میں سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات اتاری گئیں۔ اس لیے سورۃ العلق کی خصوصیات کے بارے میں جان لینا بھی مفید رہے گا۔

i- قرآن پاک میں اس سورت کا نمبر شمار ۹۶ ہے۔ قرآن کی آخری سورت الناس سے اگر گنتی کرتے ہوئے پیچھے آئیں تو یہ انیسویں سورت ہے۔

ii- اس سورت کی سب سے پہلی آیت اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ کے حروف کی تعداد بھی انیس ہے۔ پہلی وحی پانچ آیات پر مشتمل تھی جن کے الفاظ بھی انیس ہیں۔

iii- اس سورت کی آیات کی تعداد بھی انیس ہے۔

دوسری مرتبہ حضرت جبریلؑ سورۃ القلم کی چند آیات اور تیسری مرتبہ سورت المزمل کی ابتدائی آیات لے کر آئے۔ چوتھی مرتبہ آنے والی وحی سورۃ المدثر کی پہلی تیس آیات پر مشتمل تھی۔ سورت کے شروع ہی میں انسان کا ذکر ہے جسے اللہ نے مال اور اولاد کی نعمتوں سے نوازا لیکن اس نے احسان شناسی کی بجائے کفر کی راہ اختیار کی اور اللہ کی آیات سے انکار کرتے ہوئے انہیں جادو کا نام دیا اور اپنی حقیر عقل کے اندازوں سے قرآن کو انسان کا کام قرار دیا۔

چنانچہ سورۃ المدثر میں ارشاد ہوا:

اِنَّہٗ فَکَّرَ وَقَدَّرَ فَقُتِلَ کَیْفَ قَدَّرَ ثُمَّ قُتِلَ کَیْفَ قَدَّرَ ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَکْبَرَ فَقَالَ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (۱)

اس نے فکر کیا اور دل میں ٹھہرایا۔ یہ مارا جائے اس نے کیسا ٹھہرایا۔

---

(۱) سورۃ المدثر: ۲۵-۱۸

پھر یہ مارا جائے اس نے کیسا ٹھہرایا۔ پھر تامل کیا۔ پھر تیوری چڑھائی
اور منہ بگاڑلیا۔ پھر پیٹھ کر کے چلا اور غرور کیا۔ پھر بولا یہ تو جادو ہے
جو اگلوں سے چلا آتا ہے۔ یہ کچھ نہیں مگر بشر کا قول ہے۔

اگلی پانچ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایسے بدبخت انسان کے انجام سے آگاہ فرمایا ہے:

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ وَمَا اَدْرٰکَ مَا سَقَرلَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُلَوَّاحَةٌ
لِّلْبَشَرِ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (۱)

ہم عنقریب اس کو سقر میں داخل کریں گے۔ اور تم کیا سمجھتے ہو کہ سقر کیا
ہے۔ نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی۔ بدن کو جھلسا کر سیاہ کر دے
گی۔ اس پر مقرر ہیں انیس (۱۹)۔

(**عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ**) گویا چوتھی وحی کا آخری لفظ انیس تھا۔ اللہ علیم وخبیر نے "۱۹" کے ہندسے کا ذکر کرنے کے بعد اگلی آیت نازل فرمائی وہ ۱۹ حروف پر مشتمل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی تھی جو کہ سورۃ الفاتحہ کے شروع میں دی گئی تھی اور یہ پہلی مکمل سورۃ تھی جو ایک ہی وحی میں نازل ہوئی ۔وحی کے نزول کی اس ترتیب سے یہ دلیل مزید وزنی معلوم ہوتی ہے کہ سورۃ مدثر میں آنے والے ۱۹ کے عدد اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ۱۹ حروف کے درمیان ایک خفیہ تعلق موجود ہے۔ اس کے علاوہ اگر ہم سورۃ مدثر کی اگلی آیت میں جو کہ اس سورت کی زیادہ تر تین تین اور چار چار الفاظ پر مشتمل چھوٹی چھوٹی آیات کے بیچ میں ۵۷ الفاظ پر مشتمل نمایاں طور پر طویل ترین آیات کا غور سے مطالعہ کریں تو ۱۹ کے ہندسے کی اہمیت واضح ہو جائے گی۔

وَمَا جَعَلْنَا اَصْحَابَ النَّارِ اِلَّا مَلٰئِكَةً وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا
فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ

---

(۱) سورۃ المدثر: ۳۰-۲۶

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكَافِرُوْنَ مَاذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ (۱)

ہم نے دوزخ کے داروغہ فرشتے ہی بنائے ہیں اور نہیں بنائی ہم نے تعداد ان کی مگر اس لیے کہ یہ عدد (۱۹)۔

i۔ کفار کے لیے آزمائش بن جائے۔

ii۔اس لیے کہ اہل کتاب یقین کرلیں۔

iii۔اور مومنوں کا ایمان اور زیادہ ہو جائے۔

iv۔اور اہل کتاب اور مومنین کوئی دھوکہ نہ کھائیں۔

v۔اور اس لیے جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے اور جو کافر ہیں کہہ اٹھیں کہ اس مثال کے بیان کرنے سے اللہ کا مقصد کیا ہے۔یوں اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور تیرے ربّ کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اور یہ تو بشر کے لیے سامان نصیحت ہے۔

اس آیت کریمہ کے شروع میں جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ ہم نے دوزخ کے داروغے فرشتے ہی مقرر کیے ہیں وہاں آخری حصہ میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کے لشکروں کی تعداد کو اس کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔اور انیس (۱۹) کی جو گنتی ہم نے بیان کی ہے اس کے چند خصوصی مقاصد ہیں جو یہ ہیں:

i۔جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی اس بے مثل کتاب کو اپنی کج فہمی کے باعث بشر کا کلام کہتے ہیں ان کے لیے یہ عدد ایک امتحان اور آزمائش بن جائے اور اس عدد سے منسلک

---

(۱) سورۃ المدثر:۳۱

نظام انہیں ہلا کرر کھ دے۔

ii-اہل کتاب جن کے ضمیر تو قرآن کریم کی صداقت کے قائل ہیں کو قطعی یقین آ جائے کہ ان کی اپنی کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور گزشتہ انبیاء کے ٹھیک ٹھیک حالات بیان کرنے والی کتاب حقیقتاً منزل من اللہ ہے۔

iii-اہل ایمان جو اللہ کی توفیق سے اس کے آخری رسول ﷺ اور ان پر نازل کی گئی اس کی آخری کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، ان کے ایمان میں مزید اضافہ ہو۔

iv-اہل ایمان اور اہل کتاب کے دلوں میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے اور کوئی شیطانی وسوسہ اور لایعنی تاویل انہیں دھوکہ نہ دے سکے۔

v-منافقین اور کفار اس حقیقت کے خلاف بے اصل دلیلیں اور فضول قسم کے اعتراضات لانے کی وجہ سے صاف ظاہر ہو جائیں۔

vi-اس امر کے اظہار سے اللہ جنہیں چاہے گا گمراہ کر دے گا اور جنہیں چاہے گا ہدایت دے گا۔

vii-اللہ کے فرشتوں کے لشکروں کی تعداد اس کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن انیس کی تعداد جو بیان کی گئی ہے یہ تو لوگوں کے لیے نصیحت کا سامان ہے تا کہ اسے بشر کا کلام کہنے والا بشر یہ جان لے کہ ایسی کتاب لکھنا بشر کے بس میں نہیں ہے۔

یہ بات تو اچھی طرح واضح ہو گئی ہے کہ سورت مدثر میں انیس کا بیان ان لوگوں کے ضمن میں آیا ہے جو قرآن کو انسان کی تخلیق سمجھتے ہیں۔آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ۱۹ حروف حیرت انگیز طریقے سے مندرجہ بالا تمام مقاصد پورے کر کے نا قابل تردید شہادت پیش کرتے ہیں کہ یہ کلام کسی بشر کا ہو ہی نہیں سکتا۔

۳- شیطانی وسوسے سے پناہ مانگئے

انسان جب بھی اللہ کی راہ پر چلتا اور اس کی ہدایت یعنی قرآن کی

طرف رجوع کرنے لگتا ہے تو شیطان فوراً اس کی راہ میں حائل ہونے کے لیے وسوسہ ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ اسی لیے قرآن کی تلاوت کے وقت اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر حکم فرمایا ہے:

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (۱)

جب بھی آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود کے خلاف اللہ کی پناہ پکڑا کریں۔

کیوں کہ اب ہم قرآن کی صداقت اور منزل من اللہ کے ثبوت میں ۱۹ کے ہندسہ اور قرآن میں لکھے گئے حروف کی تعداد کے درمیان واقع ہونے والے معجزاتی تعلق کا بیان کرنے لگے ہیں اس لیے یہ یقینی بات ہے کہ شیطان اپنے کام سے ہرگز غفلت نہیں برتے گا اور قارئین کے دل میں یہ خیال ضرور پھونکے گا کہ ہوسکتا ہے کہ الفاظ اور حروف کی جو تعداد تحریر کی جارہی ہے درست نہ ہو اس لیے سب سے پہلے تو آپ کی آگاہی کے لیے یہ گزارش ہے کہ قرآن کے حروف کی گنتی اور انہیں منضبط کرنے کا کٹھن کام ہم سے پہلی نسلوں کے محققین کئی مرتبہ کر چکے ہیں۔ انہی میں سے دارالشعب، قاہرہ، المصر کی شائع کردہ معروف کتاب "**المعجم المفهرس لالفاظ القرآن الکریم**" ہے جسے محمد فواد عبدالباقی نے مرتب کیا۔ اس میں قرآن کریم کے حروف کی فہرستیں مرتب کی گئی ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ آپ میں سے ہر کوئی خواہ وہ عربی جانتا ہو یا نہ جانتا ہو ذاتی طور پر مشاہدہ کر کے تصدیق کرسکتا ہے کہ قرآن کی سب سے پہلی آیت **بسم اللہ الرحمن الرحیم** میں حروف کی تعداد ۱۹ ہے۔ اس میں تو کسی وہم و خیال، اندازے یا تاویل کا کوئی دخل نہیں۔ اسی طرح عربی نہ جاننے کے باوجود کوئی بھی شخص ا، ل، م، ص، ن، ق یا کسی بھی دوسرے حرف کو اچھی طرح پہچان سکتا ہے بلکہ بہتر یہی ہے کہ خود گنتی کر کے تعداد کی تصدیق کرسکتا ہے۔ تاکہ وہم و قیاس کا وسوسہ کامل طور پر ختم ہو جائے۔ پھر بھی ہمیں چاہیے کہ شیطان مردود کے وسوسوں اور مکر و فریب سے

---

(۱) سورۃ النحل: ۹۸

بچنے کے لیے اللہ کی پناہ طلب کریں۔فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

۴۔ ممکنہ اعتراضات

سب سے پہلا اعتراض تو یہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ محض اتفاق ہے کہ آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اوراس آیت میں آنے والے الفاظ یعنی "اسم، اللہ، الرحمٰن اور الرحیم" قرآن کریم میں اتنی ہی مرتبہ آ گئے کہ وہ اس کے حروف کی تعداد یعنی ۱۹ پر پورے پورے تقسیم ہوسکتے ہیں۔اتفاق کے امکان کا جائزہ ہم ایک مثال سے لینے کی کوشش کرتے ہیں۔آپ دس دس پیسے والے دس سکے لے کران پر پنسل یا مارکر سے ایک سے دس تک نمبر لکھ دیں۔انہیں اچھی طرح ملا کر اپنی جیب میں ڈال لیں۔اب آپ اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر کوئی سا ایک سکہ نکال لیں۔یہ سکہ نمبر ایک سے لے کر نمبر دس تک کوئی بھی ہوسکتا ہے۔اگر آپ یہ چاہیں کہ پہلی مرتبہ نکلنے والا سکہ نمبر ایک ہوتو محض اتفاق ہوگا۔جس کے واقع ہونے کا امکان دس میں سے ایک ہے۔پھر آپ اگر یہ چاہیں کہ سب سے پہلے نمبر ایک اوراس کے فوراً بعد نمبر دو سکہ بھی برآمد ہوتو اس قسم کے اتفاق کا امکان تو ہے لیکن سو میں سے ایک ہوگا۔علیٰ ہٰذا القیاس اگر آپ چاہیں کہ سارے سکے ترتیب وار ہی نکلتے چلے آئیں تو پانچویں نمبر تک اتفاق کے وقوع پذیر ہونے کا امکان لاکھ میں ایک رہ جائے گا اور دسویں نمبر تک اربوں میں ایک رہ جائے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ اتفاق کا عمل دخل ایک یا دو مرتبہ تو ہوسکتا ہے لیکن اس سے زیادہ مرتبہ محال اور مزید آگے قطعی ناممکن ہو جاتا ہے۔یہاں تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے چاروں الفاظ کا قرآن کریم میں اتنی ہی مرتبہ آنا کہ تعداد انیس پر تقسیم ہو جائے (جدول نمبر ا) اتفاق کے امکان کو رد کر دینے کے لیے کافی ہے۔پھر بھی مزید تشفی کے لیے کوئی سی بھی انسانی تصنیف اٹھائیں خواہ وہ اللہ کی کتاب سے حجم میں کم ہی کیوں نہ ہو۔اب آپ اس کتاب کے سب سے پہلے جملے کے حروف کی تعداد گن لیجیے۔اب اس جملے میں استعمال ہونے والے پہلے لفظ کی تعداد اس ساری کتاب میں شمار کیجیے اور دیکھیے کہ کیا یہ تعداد حروف کی تعداد پر تقسیم ہو جاتی ہے؟ ہوسکتا ہے کہ اتفاق سے ایسا ہو جائے لیکن

مذکورہ جملے کے دوسرے لفظ کی تعداد کا بھی اسی طرح تقسیم ہو جانا یقیناً محال ہے اور ان سے اگلے الفاظ کی تعداد کا تقسیم ہو جانا تو ناممکنات میں سے ہے۔

دوسرا اعتراض جو غیر مسلم حضرات کر سکتے ہیں یہ ہو گا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے بذات خود قرآن مجید کو اس انداز سے تصنیف کیا ہوگا۔ سب سے پہلے تو یہ سوچیے کہ کیا چھٹی صدی میں علم الحساب ترقی کی اس سطح پر پہنچ چکا تھا کہ اس کی مدد سے اس قسم کا پر پیچ نظام تخلیق کیا جا سکتا؟ پھر اس زمانے میں پیدا ہونے والے ایک انسان کے بارے میں جس نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ بھی تہ نہ کیا ہو اس طرح کا مفروضہ قائم کرنا انتہائی مضحکہ خیز اور غیر منطقی ہے کہ اس نے شروع ہی سے اپنے ذہن میں یہ طے کر لیا کہ ایک ایسی کتاب لکھوں گا جس کے پہلے جملہ کے حروف کی تعداد انیس ہوگی اور اس جملہ کے الفاظ پوری کتاب میں اتنی تعداد میں آئیں گے کہ انیس پر تقسیم ہو جائیں۔ اس کتاب کے بعض ابواب کے شروع میں کچھ حروف (حروف مقطعات) لکھوں گا اور ابواب کے اندر ان حروف کی تعداد اتنی رکھوں گا جو انیس پر تقسیم ہو جائے۔ چنانچہ ۲۳ برس کے عرصہ میں اس نے اس دقیق حسابی نظام کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کتاب اس مہارت سے مرتب کر ڈالی نہ تو الفاظ و حروف کی تعداد میں کہیں کوئی غلطی ہونے دی اور نہ ہی کتاب کی فصاحت و بلاغت میں کوئی فرق آنے دیا۔

اس کے باوجود بھی اگر کسی ضد کے پکے کو یہی اصرار ہو کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے قرآن مجید کو خود ہی اس انداز سے تحریر کر لیا ہوگا تو اس سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر حضور ﷺ نے یہ کتاب نرالے اور اچھوتے انداز میں خود ہی تحریر فرمائی تو پھر اس قابل صد فخر کارنامہ انجام دینے کا انعام کیوں حاصل نہ کیا؟ انہوں نے اس شاہکار تصنیف کے اندر چھپائے گئے راز اور اس کی نزاکتوں کو فاش کر کے اپنی قوم سے داد وصول کیوں نہ کی؟ جب کہ تاریخ میں اس قسم کے حیرت انگیز اور دقیق حسابی نظام کی حامل کسی دوسری تصنیف کی مثال ہی نہیں ملتی۔ انہوں نے شعر و ادب کی دلدادہ اپنی قوم پر اس انوکھی تحریر کے

اسرار بیان کر کے اپنے تفوق کا اظہار کیوں نہ کیا؟ ان سوالوں کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا جا سکتا۔

۵- عظیم و برتر خدا کا نظام

اس کی ایک ہی تو جیہہ ہے جو اس حقیقت پر مبنی ہے کہ یہ سارا نظام اس علیم و خبیر ذات کا اپنا ترتیب دیا ہوا ہے اور قرآن مجید فرقان حمید اللہ عالم الغیب کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ جب تک اس ذات کریم نے چاہا یہ حسابی نظام اسراریت کے پردوں میں چھپا رہا اور ۱۴۰۰ سال بعد اس نے جب اس راز کو ظاہر کرنا چاہا تو پردہ اٹھا دیا تا کہ اس کے آخری رسول ﷺ کا دائمی معجزہ تمام دنیا کے انسانوں کے سامنے نئے انداز سے ظاہر ہو جائے اور یہ ابدی حقیقت ثابت ہو جائے کہ یہ کتاب اللہ کا کلام ہے اور بغیر کسی کمی و کجی اور تنسیخ و ترمیم کے اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے۔ قرآن کریم جیسی ضخیم کتاب کو ایک ایک حرف کی گنتی اور ان کی تعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے ترتیب دینے کا انتہائی نازک کام اللہ کی ذات کے سوا اور کون انجام دے سکتا تھا۔

یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ حروف مقطعات تو سورتوں کے آغاز ہی میں نازل کر دیئے جاتے ہیں اور بعد میں تھوڑی تھوڑی آیات اترتی رہتی تھیں اور اللہ کے حکم کے مطابق مختلف سورتوں میں ڈال دی جاتی تھیں۔ اللہ لطیف و خبیر کے سوا اور کون جان سکتا تھا کہ حروف مقطعات والی سورت جب پوری ہو جائے گی اس میں ان خاص حروف کی تعداد ٹھیک اتنی ہی ہوگی جو انیس پر تقسیم ہو جائے۔ سورۃ ق اور سورہ الشوریٰ جن کا طوالت کے لحاظ سے آپس میں اڑھائی گنا سے زیادہ فرق ہے۔ ان میں حرف قاف (ق) کی تعداد برابر برابر رکھنے کا بندوبست اللہ ہی کر سکتا تھا۔

۶- حروف، سیٹ اور سورتیں

حروف مقطعات کے نظام میں مندرجہ ذیل حقائق بنیادی اہمیت کے حامل ہیں:

i۔ عربی زبان کے ۲۸ حروف ابجد میں سے صرف ۱۴ حروف مقطعات کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ وہ حروف یہ ہیں:

ا، ح، ر، س، ص، ط، ع، ق، ک، ل، م، ن، ہ، ی۔

ii۔ ان حروف سے بننے والے سیٹ جو مختلف سورتوں کے شروع میں آئے ہیں ان کی تعداد بھی ۱۴ ہے اور وہ یہ ہیں:

ق، ن، ص، طٰہٰ، یٰسین، طٰس، حم، الم، الر، طسم، عسق، المر، المص، کھیعص۔

iii۔ جن سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات آئے ہیں ان کی تعداد ۲۹ ہے۔ ان کا شمار یوں ہے:

20,19, 15,14,13,12,11,10 ,7, 3,2

38 ,36 , 32, 31 , 30 , 29 , 28 , 27 , 26

68 , 50 , 46 , 45 , 44 , 43 , 42 , 41 , 40

مندرجہ بالا تینوں پہلوؤں کا ۱۹ کی عددی کلید کے ساتھ بھی ایک تعلق موجود ہے کیوں کہ جب ہم اس نظام میں استعمال ہونے والے حروف، حروف کے سیٹوں کی تعداد اور سورتوں کی تعداد کو جمع کرتے ہیں تو (29+14+14) تو ۵۷ کا عدد حاصل ہوتا ہے جو کہ ۱۹ پر تقسیم ہو جاتا ہے۔(3x19=57)

اگر ہم سورتوں کی ترتیب اور تسلسل کے لحاظ سے ان کے سیٹ بنائیں تو خط کشیدہ سورتوں کے دس سیٹ بن جائیں گے۔ اب اگر ہم حروف کی تعداد حروف کے سیٹوں کی تعداد اور سورتوں کے سیٹوں کی تعداد کو جمع کریں تو ان کا حاصل جمع (10+14+14) 38 ہوگا اور یہ عدد بھی ۱۹ پر تقسیم ہو جاتا ہے۔(2x19=38)

۷۔ اہم اصول کی وضاحت

حروف مقطعات والی کئی سورتوں کے شروع میں صرف ایک حرف آیا

ہے کئی میں دو اور اکثر کے شروع میں دو سے زیادہ حروف آئے ہیں۔ کئی سیٹ صرف ایک ہی مرتبہ استعمال ہوئے ہیں اور کئی بار بار استعمال ہوئے ہیں۔ اس نوع کی تبدیلی کے ساتھ سورتوں میں حروف کی تعداد کا مجموعہ بنانے کا طریقہ بھی بدلتا جائے گا جس کی وضاحت کرنا ضروری ہے:

i۔ جب اکیلا حرف صرف ایک ہی سورت کے شروع میں آئے گا تو اس سورت کے اندر اس مخصوص حرف کی تعداد لازمی طور پر اتنی ہی ہوگی جو ۱۹ پر تقسیم ہو سکے۔ جیسا کہ حرف قاف (ق) اور نون (ن) کے بارے میں آپ ملاحظہ کریں گے۔ لیکن اگر وہی حرف کسی دوسری سورت کے شروع میں بھی آیا ہو پھر صرف ایک سورت کا مجموعہ ۱۹ پر تقسیم نہ ہوگا بلکہ ان ساری سورتوں میں اس حرف کا مجموعہ ۱۹ پر تقسیم ہوگا۔ اس کی مثال آپ حرف صاد (ص) کے ضمن میں دیکھیں گے۔

ii۔ اسی طرح دو حروف والے مقطعات پر جو صرف ایک ہی سورت کے شروع میں آئے ہیں ان کا افقی مجموعہ اس سورت کے اندر بھی ۱۹ پر تقسیم ہوگا جیسے سورۃ طہ میں طا (ط) اور ہا (ہ) کا مجموعہ اور سورۃ یٰسین میں یا (ی) اور سین (س) کا افقی مجموعہ لازمی طور پر ۱۹ پر تقسیم ہوگا۔ لیکن حم چونکہ سات سورتوں کے شروع میں آیا ہے اس لیے فرداً فرداً ہر سورت میں حا (ح) اور میم (م) کی تعداد ۱۹ پر تقسیم نہیں ہوگی بلکہ ساتوں سورتوں میں حا اور میم کا عمودی مجموعہ ۱۹ پر تقسیم ہوگا۔ اس کا مشاہدہ آپ جدول نمبر ۳ میں فرمائیں گے۔

iii۔ یہی اصول دو سے زیادہ حروف والے مقطعات پر بھی منضبط ہوگا۔ آپ جدول نمبر ۴ میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ المص سورہ الاعراف کے سوا کسی دوسری سورت کے شروع میں نہیں آیا اس لیے اس سورت کے اندر ا، ل، م اور ص کی تعداد (5358=98+1165+1523+2572) کا مجموعہ ۵۳۵۸ بنتا ہے اور یہ عدد ۱۹ پر تقسیم ہوجاتی ہے۔ (282x19=5358)

اسی طرح المر چونکہ صرف سورت الرعد کے شروع میں آیا ہے اس

لیے ان حروف کی تعداد کا مجموعہ اس سورت میں ۱۵۰۱ بنتا ہے جو ۱۹ پر تقسیم ہو جاتا ہے۔
(79x19=1501)

iv- جو حروف مقطعات ایک سے زیادہ سورتوں کے شروع میں استعمال ہوئے ہیں جب ان ساری سورتوں میں آنے والے حروف کا عمودی مجموعہ کیا جائے تو ہر ہر حرف کا مجموعہ ۱۹ پر تقسیم ہو جائے گا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ جدول نمبر ۳ اور ۴۔

۸- دو حیرت انگیز مثالیں

حروف مقطعات کی تعداد کو پوری سورت کے اندر ۱۹ پر قابل تقسیم رکھنے کے لیے قرآن کریم میں دو ایسی مثالیں ہیں جن پر غور کرنے سے ایک مومن کا ایمان مزید مستحکم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم کتاب کا ایک ایک حرف گنا چنا اور نپا تلا ہے اور اللہ کی یہ آخری کتاب ہر قسم کی تحریف سے محفوظ اور ترمیم سے پاک ہے۔

پہلی مثال

سورۃ ق کے الفاظ یہ ہیں:

وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوطٍ (۱)

اور عاد نے اور فرعون نے اور برادران لوط نے۔

اس سے پہلے جھٹلایا عاد نے اور فرعون نے ایک برادران لوط نے آیت کا لفظ ''وَاِخْوَانُ لُوطٍ'' مخصوص اہمیت کا حامل ہے۔ قرآن کریم میں حضرت لوط علیہ السلام کے لوگوں کا ذکر بارہ مرتبہ آیا ہے اور ہر جگہ انہیں قوم لوط کہا گیا ہے۔ صرف اس آیت میں انہیں اخوان لوط کہا گیا ہے۔ اس استثناء کی آخر کوئی خاص وجہ تو ضرور ہو گی۔

اس امر پر جب ہم حروف مقطعات کے پس منظر میں غور کرتے ہیں تو اس کی خاص الخاص اور ایمان افروز وجہ یہ سامنے آتی ہے کہ اگر اس سورت کی آیت نمبر ۳ میں قوم لوط آ جاتا تو حرف قاف (ق) سے شروع ہونے والی اس سورت میں قاف کی

---

(۱) سورۃ ق: ۱۳

موجودہ میزان جو کہ ۵۷ ہے اور انیس پر تقسیم ہو جاتی ہے تبدیل ہو کر ۵۸ ہو جاتی اور ۱۹ کے ہندسے والی الہامی عددی کلید کا نظام اس پر منطبق نہ ہو سکتا۔

دوسری مثال

یہ مثال اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔اس سے جہاں الہامی عددی کلید کے نظام کی تصدیق ہوتی ہے وہاں سورت الاعراف کی اس آیت نمبر ۶۹ میں آنے والے ایک مخصوص لفظ ''**بصطة**'' کی عقدہ کشائی بھی ہو جاتی ہے۔اس لفظ کے معنی ہیں۔''پھیلانا، کشادہ کرنا''

لیکن یہ لفظ یہاں ''ص'' کے ساتھ لکھا گیا ہے حالانکہ عربی لغت میں ''**بصط**'' کا مادہ یعنی مصدر ہی موجود نہیں ہے۔اصل لفظ ''**بسط**'' سے ''**بسطة**'' ہے۔ چنانچہ اردو میں لفظ بسیط استعمال ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن کے متن میں جب ''**بصطة**'' لکھا جاتا ہے تو اس کے اوپر ایک سین (س) ضرور لکھا ہوا ہوتا ہے جو یہ ظاہر کرنے کے لیے ہوتا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس لفظ کو صاد (ص) سے لکھا گیا ہے لیکن حقیقت میں یہ سین (س) ہے۔اس قسم کی تحریر کو علماء ''**توقیفیہ**'' کہتے ہیں یعنی جبرائیل جب یہ آیت لے کر آئے تو انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو ہدایت کردی کہ اپنے کاتبان وحی کو فرمادیں کہ اس لفظ کو سین (س) کی بجائے صاد (ص) سے لکھنا ہے۔

اس خاص حکم کی وضاحت اور صحیح لفظ کی بجائے غیر مستعمل لفظ ڈالنے کی کوئی تشریح نہیں کی گئی تھی لیکن حروف مقطعات کا راز کھل جانے سے یہ معمہ بھی حل ہو گیا۔ اگر یہ لفظ اپنی صحیح صورت میں ''**بسطة**'' لکھا جاتا تو صاد (ص) کی تعداد جو کہ اس وقت 152 (8x19) ہے، کم ہو کر ۱۵۱ رہ جاتی جو انیس پر تقسیم نہیں ہو سکتی تھی۔اس طرح ۱۹ کے الہامی عددی کلید سے ظاہر ہونے والی معجزاتی شہادت ناکام ہو جاتی۔اللہ علیم وخبیر نے اپنی حکمت کاملہ سے الفاظ وحروف کے اس نظام کو اس طرح مربوط ومنظم فرمایا کہ جب یہ راز کھل کر سامنے آئے تو کسی سلیم الطبع انسان کے لیے اس حقیقت کو ماننے بغیر کوئی چارہ باقی نہ

رہے کہ یہ کتاب حقیقتاً اللہ کی نازل کی ہوئی ہے اور ہر قسم کی کمی بیشی، کانٹ چھانٹ، تبدیلی اور تحریف سے قطعی محفوظ ہے۔

۹۔ منفرد حروف مقطعات

قرآن مجید فرقان حمید کی چند سورتیں ایسی ہیں جن کے شروع میں صرف ایک ہی حرف آیا ہے۔ منفرد یا اکیلے استعمال ہونے والے حروف قاف (ق)، نون (ن) اور صاد (ص) ہیں۔

ق

حروف مقطعات میں سے سب سے پہلے حرف قاف (ق) کے اسرار سے پردہ اٹھایا جاتا ہے۔ حرف قاف جس سے لفظ قرآن بنتا ہے۔ یہ حرف صرف دو سورتوں کے آغاز میں آیا ہے۔

i۔ سورت ق: جو اسی حرف "ق" سے شروع ہوتی ہے۔

ii۔ سورت الشوریٰ: جو حٰم عسق سے شروع ہوتی ہے۔

اب ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ آپ خود ان دونوں سورتوں میں حرف "ق" کی گنتی کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ:

سورت ق میں حرف قاف کی تعداد ۵۷ ہے جو ۱۹ پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ (3x19=57) سورت الشوریٰ میں بھی حرف قاف کی تعداد ۵۷ ہے جو ۱۹ پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ (3x19=57)

حیران کن بات یہ ہے کہ سورت الشوریٰ طوالت میں سورت ق سے تقریباً اڑھائی گنا بڑی ہے اس کے باوجود بھی دونوں سورتوں میں حرف قاف کی تعداد برابر ہے۔ حرف قاف بس ان دو سورتوں کی تعداد کا تعین کر دیتا ہے۔ یعنی یہ قرآن کے اندر سے ظاہر ہونے والی ایک معجزاتی شہادت ہے کہ قرآن حکیم کی کل سورتیں ۱۱۴ ہی ہیں اور یہ مکمل قرآن اپنی اصل صورت میں قائم ہے۔ سورت ق کی پہلی آیت قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ بھی

اسی طرف اشارہ کرتی معلوم ہوتی ہے کہ ق سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔واللہ اعلم!

ن

حروف ''نـــــون'' سورت القلم کے آغاز میں اکیلا ہی آیا ہے۔اگر آپ اس سورت میں حرف نون (ن) کا شمار کریں تو آپ اسے ۱۳۳ مرتبہ لکھا ہوا پائیں گے۔یہ عدد بھی انیس پر تقسیم ہو جاتا ہے۔(7x19=133)

ص

یہ حرف تین سورتوں کے آغاز میں آیا ہے اور ان میں حرف صاد (ص) کی تعداد اس طرح ہے۔

i-الاعراف (7)= المص سے شروع ہوتی ہے اور اس میں حرف صاد (ص) کی تعداد ۹۸ ہے۔

ii-المریم (19)= کہیعص سے شروع ہوتی ہے اور اس میں حرف صاد (ص) کی تعداد ۲۶ ہے۔

iii-ص (38)= ص سے شروع ہوتی ہے اور اس میں حرف صاد (ص) کی تعداد ۲۸ ہے۔

ان تینوں سورتوں میں آنے والے ''صاد'' کی تعداد کو جمع کر کے دیکھیں (98+26+28) تو حاصل جمع ۱۵۲ آئے گا جو ۱۹ پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ (8x19=152)

۱۰۔ مشترک حروف والی سات سورتیں

جدول نمبر۲ میں دی گئی سات سورتوں میں چند مشترک حروف مقطعات آئے ہیں۔ان میں استعمال ہونے والے حروف مقطعات کے عمودی اور افقی مجموعے غور سے دیکھئے اور اللہ سبحانہ وتعالٰی کی حمد وثناء کیجیے جس نے اپنے پاک کلام میں ایسا دقیق حسابی نظام سمو رکھا ہے۔جو حروف مقطعات صرف ایک ہی سورت کے شروع میں

آئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں اور ان کا افقی مجموعہ بھی ۱۹ پر تقسیم ہو گیا ہے۔ جدول میں ان سورتوں کے سامنے یہ ☆ نشان بنا دیا گیا ہے۔

کھیعص صرف سورت مریم کے شروع میں آئے ہیں ان کا افقی مجموعہ 42x19=798

طه صرف سورت طہ کے شروع میں آئے ہیں ان کا افقی مجموعہ 18x19=342

یٰس صرف سورت یٰس کے شروع میں آئے ہیں ان کا افقی مجموعہ 15x19=285

اس جدول کے سب سے نیچے والے خانے میں عمودی میزان ملاحظہ فرمایئے اور دیکھیے کہ مشترک حروف مقطعات جو ایک سے زیادہ سورتوں کے شروع میں آئے ہیں اللہ تعالیٰ نے کتنے عجیب طریقے سے مرکب حروف مقطعات کے جو حاصل جمع ملتے ہیں وہ بھی ۱۹ پر تقسیم ہو جاتے ہیں۔ تفصیل اس طرح ہے۔

طه کا عمودی مجموعہ یعنی ط+ ہ = 31x19=589=482+107

یٰس کا عمودی مجموعہ یعنی ی+س = 51x19=969=387+582

طس کا عمودی مجموعہ یعنی ط+س = 26x19=494=387+107

طسم کا عمودی مجموعہ یعنی ط+س+م = 76x19=144=950+387+107

۱۱۔ حم والی سات سورتیں

حروف مقطعات میں سے حم سات سورتوں کے شروع میں آیا ہے یہ سورتیں نمبر ۴۰ سے لے کر نمبر ۴۶ تک مسلسل ہیں۔ اس کی تفصیل جدول نمبر ۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ان سورتوں میں سورۃ الشوریٰ میں حـــم کے ساتھ عســـق بھی آیا ہے جو اور کسی سورت میں نہیں آیا۔ اس لیے اس سورت کے ساتھ (☆) کا خاص نشان لگا دیا گیا ہے اور اس میں آنے والے حروف کا افقی مجموعہ بھی ۱۹ پر تقسیم ہو جاتا ہے۔

ح+م+ع+س+ق = 57+53+99+308+53

30 x 19 = 570 =

باقی سورتوں میں ۱۹ پر تقسیم ہونے کا اطلاق عمودی مجموعوں پر اس طرح ہوگا:

ساتوں سورتوں میں حرف حا(ح) کا مجموعہ = 16x19=304

ساتوں سورتوں میں حرف میم(م) کا مجموعہ = 98x19=1862

اسی طرح حم یعنی ح+م کا مجموعہ = 114x19=2166=1862+304

اسی طرح عسق یعنی ع+س+ق کا مجموعہ = 21x19=209=57+53+99

۱۲- تیرہ سورتوں کا باہمی تعلق

جدول نمبر۴ میں تیرہ سورتیں درج ہیں۔ ان میں پانچ حروف مقطعات (ا، ل، م، ر، ص) مرکب شکل میں چار سیٹوں کی شکل میں استعمال ہوئے ہیں۔ وہ چار سیٹ الم، الر، المص اور المر ہیں۔ اس جدول میں چند خاص امور جو تشریح طلب ہیں وہ درج ذیل ہیں:

i- المص صرف سورت الاعراف کے شروع میں آئے ہیں اس لیے ان کا افقی مجموعہ ۵۳۵۸ انیس پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ (282x19=5358)

ii- المر بھی صرف سورت الرعد میں آیا اس لیے اس کا مجموعہ بھی ۱۹ پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ (79x19=1501)

iii- تیرہ سورتوں میں الف (ا) کی کل تعداد ۱۷۴۹۹ بنتی ہے جو کہ 921x19=17499

iv- حرف صاد (ص) اس جدول میں صرف سورت الاعراف میں آیا ہے اور اس کی تعداد ۹۸ ہے اس کے علاوہ یہ حرف سورت کہیعص میں ۲۶ مرتبہ اور سورت ص میں ۲۸ مرتبہ آیا ہے۔ لہٰذا تینوں سورتوں میں آنے والے حروف "صاد" کا مجموعہ بنانا ہوگا جو کہ 28+26+98=152 کا مجموعہ ۱۵۲ بنتا ہے جو کہ انیس پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ (8x19=152)

v- اس جدول میں ایک خاص بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ سب سے بائیں والے خانے میں الم اور الر کے حروف کے افقی مجموعے علیحدہ علیحدہ دیئے گئے ہیں۔ ان سے

جو نتائج حاصل ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

ا۔ الـــم یہ آٹھ سورتوں میں آئے ہیں۔ان کے افقی مجموعوں کو جمع کرنے سے حاصل ہوا۔1404x19=26676

ب۔ الــر پانچ سورتوں میں کامل شکل میں آیا ہے۔ان کے مجموعے میں سورت الرعد کی را (ر) کی تعداد بھی ملائی ہوگی کیوں کہ اس سورت کے حروف مقطعات الـمـر سے (ا،ل،م) کا مجموعہ تو الـم والے گروہ میں شامل ہوگا اور را (ر) کا مجموعہ الـر والے گروہ میں شمار کیا جائے گا۔اس طرح الر کے مجموعوں کو جمع کرنے سے ۹۷۰۹ حاصل ہوگا جو کہ انیس پر تقسیم ہو جاتا ہے۔(511x19=9709)

۱۳۔ ستائیس سورتیں ایک نظر میں

سارے قرآن کریم میں ۲۹ سورتیں حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں۔جدول نمبر ۵ میں ۲۷ سورتوں کو یکجا کر کے ان میں آنے والے حروف کی تعداد اور ان کا ۱۹ کے ہندسے کے ساتھ تعلق ظاہر کیا گیا ہے۔جو دو سورتیں اس جدول میں شامل نہیں کی گئیں وہ حرف قاف سے شروع ہونے والی سورت ق اور حرف نون (ن) سے شروع ہونے والی سورت الـقـلـم ہیں۔مفرد حروف سے شروع ہونے والی ان سورتوں کے بارے میں تشریح ''منفرد حروف مقطعات'' کے عنوان کے تحت پہلے کی جا چکی ہے،اس لیے انہیں اس جدول میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔اب اس حیرت انگیز نظام کے مجموعی نظام کا بغور ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ پورے قرآن مجید میں حروف مقطعات کی تعداد کس حیرت انگیز انداز سے ۱۹ پر تقسیم ہو کر اللہ کی اس آخری کتاب کی صداقت اور حقانیت کا نا قابل تردید ثبوت پیش کر رہی ہے:

حرف الف (ا) کا مجموعہ =921x19=17499

حرف لام (ل) کا مجموعہ =620x19=11780

حرف میم (م) کا مجموعہ =657x19=8683

حرف را(ر) کا مجموعہ = 65x19=1235

حرف صاد(ص) کا مجموعہ = 8x19=152

حرف حا(ح) کا مجموعہ = 16x19=304

جب انفرادی طور پر اوپر دیئے گئے حروف کے مجموعے ۱۹ پر تقسیم ہو رہے ہیں تو اس سے بننے والی مرکب حروف مقطعات مثلاً الم، المر، المص کے مجموعے تو خودبخود ہی ''19'' پر تقسیم ہو جائیں گے۔ان کے علاوہ پورے قرآن کریم میں آنے والے چند دوسرے مرکب حروف مقطعات کے مجموعے بھی ملاحظہ فرمائیں:

طس یعنی ط+س = 26x19=494=387+107

طسم یعنی ط+س+م = 483x19=9177=8683+387+107

طه یعنی ط+ہ = 31x19=589=482+107

حم یعنی ح+م 473x19=8987=8683+304

یس یعنی ی+س = 51x19=969=387+582

دو دفعہ جینا، دو دفعہ مرنا

بائبل میں کتاب پیدائش کے پہلے باب کی ابتداء ان آیات سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں زمین و آسمان پیدا فرمائے۔ ابھی زمین کی ہیئت درست نہیں ہوئی تھی اور ہر سُو اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''روشنی ہو'' تو روشنی ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے روشنی اور اندھیرے کو علیحدہ علیحدہ کر دیا اور یوں دن اور رات وجود میں آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اندھیرا پہلے تھا اور روشنی کا ظہور بعد میں ہوا۔ اسلامی تقویم یعنی قمری کیلنڈر میں ہم چوبیس گھنٹے کے یوم کی ابتدا شام ہی سے کرتے ہیں اور رات گزرنے کے بعد دن آتا ہے۔ عام طور پر اندھیرے کو موت اور روشنی کو زندگی کی علامت سمجھا جاتا ہے اور رات کی نیند کو موت کے مشابہ گردانا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی موت کا ذکر حیات سے پہلے آتا ہے اور کئی مقامات پر اسی ترتیب کو قائم رکھا گیا ہے۔ سب سے پہلے سورۃ الملک کی ابتدائی آیات ملاحظہ فرمائیں:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ
الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا
وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ (۱)

پاک ہے وہ ذات جس کے دست قدرت میں حکمرانی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی ہے جس نے موت اور حیات کو خلق فرمایا تاکہ تمہیں آزمائے کہ کون اچھے اعمال سرانجام دیتا ہے اور وہ زبردست

---

(۱) سورۃ الملک:۲-۱

اور بخشنے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالٰی نے موت اور حیات کو ہماری آزمائش کے لیے پیدا فرمایا ہے۔یہ دونوں اس کی مخلوق ہیں۔معلوم ہوا کہ حیات کی طرح موت کا بھی ایک عالم یا جہان ہے جس سے ہر ایک کو واسطہ پڑتا ہے۔ان عوالم سے انسان کس طرح اور کتنی مرتبہ گزرتا ہے اس کے بارے میں قرآن کریم میں جو واضح اشارات دیئے گئے ہیں ہم ان پر غور کریں گے۔زندگی اور موت کے بارے میں جو تصور یا خیال ہم نے اپنے ذہنوں میں قائم کر رکھا ہے اسے تھوڑی دیر کے لیے نظر انداز کر دیں اور پھر قرآن کریم کے شروع میں ہی آنے والی مندرجہ ذیل آیت کے معانی پر غور فرمائیں تاکہ موت اور حیات کی اصل حقیقت واضح ہو جائے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۱)

تم اللہ کی ہستی سے کیونکر منکر ہو سکتے ہو۔جب تم اموات یعنی بے جان تھے تو اس نے تمہیں حیات یعنی زندگی دی ہے۔وہ پھر تمہیں موت دے گا پھر وہی تم کو زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

یہاں صاف طور پر بتا دیا گیا ہے کہ انسان کی ابتدا حیات ارضی سے نہیں ہوئی بلکہ اس سے پہلے اس کا وجود "عالم موت" میں تھا اور اللہ تعالٰی نے اسے حیات عطا فرمائی۔

و کنتم اموا تا "اور تم مردہ تھے" ظاہر کر رہا ہے کہ تمہارا ایک وجود تھا جسے اللہ عالم حیات میں لایا اور پھر اسے عالم موت میں لے جائے گا اور دوبارہ عالم حیات میں لائے گا۔اس آیت ہی سے یہ حقیقت ظاہر ہو گئی کہ پہلے موت کا جہان ہے پھر حیات ارضی کا جہان ہے اس کے بعد پھر موت کا جہان ہے اور پھر دوبارہ حیات آخرت

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۲۸

کا جہان ہے۔گویا ہر انسان کو عام فہم زبان میں دو دفعہ جینا اور دو دفعہ مرنا ہے۔اس کے ثبوت میں مزید آیات قرآنی ہم آگے چل کر پیش کریں گے۔ان آیات کی روشنی میں شہدائے کرام کی خصوصی حیات کا مسئلہ بھی اجاگر ہو گا جن کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (۱)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ (اموات) یعنی مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (۲)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو (اموات) یعنی مرے ہوئے نہ سمجھنا بلکہ وہ اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور ان کو رزق مل رہا ہے۔

حالانکہ بظاہر وہ ہماری نظروں میں مر جاتے ہیں۔ان کے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور ہم ان کی نماز جنازہ پڑھ کر بصد اکرام قبروں میں دفن کر دیتے ہیں۔یہاں یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ ان دونوں آیات میں جو خصوصی احکام دیئے گئے ہیں وہ صرف ان خوش نصیبوں اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے دیوانوں کے لیے ہیں جو اس کی راہ میں قتل کیے گئے۔دونوں جگہ من یقتل فی سبیل اللہ آیا ہے۔

موت اور حیات کے مراحل کو سمجھنے کے لیے علماء اور صوفیا ءتدبر و تفکر کرتے چلے آئے ہیں تاکہ یہ حقیقت آشکار ہو سکے کہ انسان کی روح کن کن مراحل سے گزر کر رحم مادر میں پہنچتی ہے؟ حیاتِ ارضی کے دوران انسان سے سرزد ہونے والے اعمال اسے کس طرح متاثر کرتے ہیں اور موت کے بعد قیامت تک جو عرصہ ہے اس کی حقیقت کیا

---

(۱) سورۃ البقرہ:۱۵۴

(۲) سورۃ آل عمران:۱۶۹

ہے؟ بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ''تعمیر ملت'' میں روحانی عالم کے عنوان کے تحت روح کے سفر کی بابت جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا مطالعہ اہل ذوق حضرات کو ضرور کرنا چاہیے۔ اس تحریر کے ایک حصے کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے روزِ ازل تمام ارواح پیدا کر دی تھیں۔ ان کے مخزن کو روح بسیط یا روح اعظم کہتے ہیں۔ جب اللہ تعالٰی کسی روح کو دنیا میں بھیجنے کا ارادہ فرماتا ہے تو یہ ایک شعاع کی صورت میں عالم اسفل کی طرف نزول کا سفر شروع کر دیتی ہے۔ وہ پہلے عقلِ بسیط سے بقدرِ استعداد عقل اور پھر نفس بسیط سے مقدور بھر نفس کا حصہ لیتی ہے۔ پھر عالمِ امر اور عالمِ مثال کے باقی طبقات سے گزرتی ہوئی ناسوت طے کر کے ایثر میں داخل ہو جاتی ہے جو کہ مادے کی آخری اور لطیف ترین حد ہے۔ ایثر سے یہ حواس پنجگانہ اور دیگر مادی خواص، قوٰی کو بقدر استعداد اخذ کرتی ہوئی مخصوص نظام شمسی کے آفتاب میں جاتی ہے اور اسی سے جان یا روح حیوانی کی حرارت حاصل کر کے اس کرّے میں پہنچ جاتی ہے جہاں اس کو پیدا ہونا ہے۔ اب وہ بہ انتظام قضا و قدر کسی کھانے کی چیز مثلاً غلہ یا پھل وغیرہ میں داخل کی جاتی ہے اور وہ چیز اس شخص کو کھلائی جاتی ہے جو اس کا باپ بننے والا ہے۔ صلب پدر سے پھر یہ رحم مادر میں منتقل ہوتی ہے اور وہاں نو ماہ مادی جسم کی تعمیر میں بسر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد روح پیکرِ مادی پہن کر عالمِ مادی میں جلوہ افروز ہوتی ہے تا کہ ارضی زندگی گزارے۔

اب تک دو عالموں کا سفر بیان ہوا ہے۔ ایک میں انسان کی روح موجود تھی لیکن جسم کے بغیر تھی اور دوسرے جہان کے سفر کا آغاز مادی جسم کے ساتھ ہوتا ہے جسے ہم حیات یا زندگی کے نام سے جانتے ہیں۔ اس لحاظ سے محولہ بالا آیت کے یہ معنی سمجھ میں آتے ہیں کہ جب روح جسم کے بغیر ہوتی ہے تو وہ عالم موت میں ہوتی ہے اور ہم اسے مردہ یا اموات کہتے ہیں اور جب وہ مادی جسم کے ساتھ جلوہ افروز ہوتی ہے تو اسے ہم زندہ کہتے ہیں۔ اسی طرح جب حیات ارضی کے اختتام پر روح اپنے مادی جسم سے علیحدہ ہو کر عالم مثال یا عالم برزخ میں چلی جاتی ہے تو اس مرحلے کو پھر ہم موت کا نام دیتے ہیں اور

قیامت کے دن جب تمام روحیں دوبارہ مادی جسموں کے ساتھ ظاہر ہوں گی تو اسے پھر زندگی یا حیات کا نام دیا جائے گا اور یہ حیات آخرت ہوگی ۔قرآن کریم میں ایک اور مقام پر بھی ان مراحل موت و حیات کو بیان کیا گیا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ (۱)

اور وہی تو ہے جس نے تمہیں حیات بخشی پھر تمہیں موت دیتا ہے پھر تمہیں زندہ بھی کرے گا اور انسان بڑا ناشکرا ہے۔

قرآن کریم میں بیان کیے گئے حقائق کے مطابق پہلی منزل موت کی ہے جس میں روح بغیر جسم کے ہے پھر حیات ارضی ہے جو روح مادی جسم کے ساتھ گزارتی ہے ۔تیسری منزل پھر موت کی ہے اور روح جسم کے بغیر عالم برزخ میں قیام کرتی ہے اور اس کے بعد دوبارہ حیات اور روح کو پھر جسم عطا کیا جائے گا۔ان منازل اور دو دفعہ مرنے اور دو دفعہ جینے کا اقرار قیامت کے دن کفار ان الفاظ سے کریں گے۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ (۲)

وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ زندگی بخشی ۔ہم کو اپنے گناہوں کا اعتراف ہے تو کیا اب یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل ہے۔

موت و حیات کی حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد یہ بات بھی جان لیں کہ روح انسانی جب جسم کے بغیر عالم موت میں ہوتی ہے تو اسے رزق کی ضرورت نہیں ہوتی اور جب وہ جسم کے ساتھ ہوگی تو پھر رزق اس کی ضرورت ہے ۔وہ چاہے شکم مادر میں

---

(۱) سورۃ الحج:۶۶

(۲) سورۃ المومن:۱۱

ہو، حیات ارضی میں ہو یا حیات آخرت میں ۔ یہاں تک کہ دوزخیوں کو بھی خوراک دی
جائے گی چاہے وہ زقوم، ناگ پھنی، کانٹے دار جھاڑیوں، گرم پانی اور زخموں کے دھوون کی
صورت میں کیوں نہ ہو البتہ ملائکہ اگر انسانی صورت میں کبھی آئیں جیسا کہ قرآن سے
ثابت ہے تو انہیں مادی رزق کی حاجت نہیں ہوتی ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس
بشری لباس میں آنے والے فرشتوں نے ان کی طرف سے پیش کردہ طعام کی طرف ہاتھ
نہیں بڑھایا تھا۔ اس کے برعکس حضرت عیسیٰؑ اور مریمؑ کے بارے میں عیسائیوں کے غلط
عقیدہ یعنی ان کی مزعومہ الوہیت کی تردید کر کے ان کی بشریت کو ثابت کرنے کے لیے یہ
دلیل قرآن میں دی گئی ہے کہ:

كَانَا يَأْكُلٰنِ الطَّعَامَ (۱)

وہ دونوں تو کھانا کھاتے تھے۔

کیونکہ طعام انسانی جسم کی ضرورت ہے اس لیے وہ دونوں بھی بشر اور
انسان تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے کتنی مختصر، سادہ اور دل میں اتر جانے والی بات ارشاد فرمائی ۔

اب شہدائے کرام کے بارے میں اپنی رائے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

یہ ہمارا ایمان ہے کہ ہم اس دنیا میں جو بھی اعمال کریں گے آخرت میں ہمیں ان کی سزا یا جزا
ضرور ملے گی ۔ سورہ یٰسین میں ارشاد ہوا ہے کہ:

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۲)

آج کے دن کسی نفس پر ذرا برابر ظلم نہیں کیا جائے گا اور جیسے اعمال تم
نے سرانجام دیئے ویسا ہی بدلہ تمہیں ملے گا۔

یعنی جو سزا کا مستوجب ہوگا اس کو سزا اس کے اعمال کی نوعیت اور

---

(۱) سورۃ المائدۃ:۷۵

(۲) سورۃ یٰسین:۵۴

شدت کے مطابق ملے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی جزا کئی گنا بڑھا چڑھا کر دے گا لیکن اس کی نوعیت ان کے اعمال کے مطابق ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور مقرب بندے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت اور حیات آخرت کو ترجیح دی، اپنے نفسوں کو لگام دیئے رکھا، اپنی قوت ارادی سے ناجائز خواہشات کو توڑا، مادی لذات کی طرف لپکنے کی بجائے شیوہ تسلیم و رضا کو اپنایا۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کی تمام خواہشات کی تکمیل فرمائے گا۔ چنانچہ سورۃ واقعہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ انہیں وہ پھل دیئے جائیں گے جن کو وہ پسند کریں گے اور ان پرندوں کا گوشت کھانے کو ملے گا جن کی وہ خواہش کریں گے۔ جنہوں نے خواہشات قربان کیں ان کی خواہشات پوری کی جائیں گی۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ سب سے بڑی قربانی دیتے اور اپنے محبوب اللہ کے قدموں میں اپنی زندگی کا نذرانہ پیش کرتے ہیں ان کی جزا کیا ہو گی؟

صلۂ شہید کیا ہے؟ تب و تاب جاودانہ

ان کی جزا یہی ہے کہ انہیں اس زندگی سے بھی بہتر زندگی سے نوازا جائے اور یہ ہم جان ہی چکے ہیں کہ زندگی جسم کے ساتھ ہی مفہوم ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''شہداء کی روحیں جنت کے سبز پرندوں میں داخل کی جاتی ہیں یعنی اس خاکی جسم کی بجائے انہیں اس سے کہیں لطیف جسم عطا کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہ جہاں چاہے پرواز کرتے ہیں اور عرش الٰہی کے زیر سایہ قندیلوں میں ان کا بسیرا ہوتا ہے''۔ یہ مخصوص انعام اور مقام صرف ان کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں۔ باقی تمام انسانوں کی روحیں عالم برزخ میں اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق قیام کرتی ہیں لیکن وہ بغیر جسم کے ہوتی ہیں اس لیے انہیں اموات کہا جاتا ہے۔ شہداء کو جسم عطا کر کے خصوصی زندگی سے نوازا جاتا ہے اس لیے فرمایا گیا کہ انہیں اموات یا مردہ ہرگز نہ سمجھو کیوں کہ ان کو جسم عطا کیا جاتا ہے اور جسم کی یہ ضرورت ہے کہ اسے رزق دیا جائے۔ اسی لیے یہ واضح فرما دیا گیا ہے کہ ان کو کوئی خیالی یا روحانی جسم نہیں دیا گیا بلکہ وہ جسم ایسا ہے جسے

رزق کی ضرورت ہے اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ یہ شہداء کرام کی قربانی کی اللہ رحیم و کریم کی طرف سے جزا کی خاص صورت ہے۔ اس سے شہداء کی اللہ کے مقربین پر کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں علیہم السلام، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور مقربین بارگاہ الٰہی کے جو مقامات ہیں وہ خاص انہی کا حصہ ہیں اس لیے ان ہستیوں کو زندہ ثابت کر کے شہید قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں خاص خاص اعمال کا بدلہ اس طرح عطا کیا جائے گا کہ دوسرے اس پر رشک کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی ایسے ہی عزت والے بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین!

خیرِ وّ ابقیٰ

قرآن کریم میں اس حقیقت کو بار بار دہرایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
انسان کو اپنی محبت اور رضا کے حصول کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اسے گوہر عقل اور جوہر محبت
سے مشرف فرما کر دوسری تمام مخلوقات پر فوقیت عطا فرمائی اور اسے منزل مقصود تک پہنچانے
کے لیے نبوت کا جو سلسلہ قائم فرمایا اس کا اختتام سید الانبیاء احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔
اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اسوہ حسنہ کی پیروی کو اس راہ میں کامیابی کی
دائمی ضمانت قرار دیا ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اور انعام یافتہ لوگوں کے
اوصاف بار بار بیان کرتے ہیں تا کہ انسان کو اپنی اہمیت اور دوسری مخلوقات کے مقابلے میں
اپنے خصوصی مقام کا شعور حاصل ہو اور وہ حیات فانی کی محبت میں گرفتار ہونے کی بجائے
اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ کر کے اس صراط
مستقیم پر چلے جو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقام تک پہنچا دے۔اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے
وہ راہرو راہ محبت کے لیے صرف متاع سفر کی حیثیت رکھتا ہے تا کہ وہ اپنی منزل مقصود تک
آسانی سے پہنچ جائے۔بقول علامہ اقبالؒ:

یہ ہے مقصد گردش روز گار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار
نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے (1)

---

(1) بال جبریل

یہی اسلامی فقر کی حقیقی روح ہے کہ دنیا کے سارے کام کرتے ہوئے اور اس کی ساری نعمتوں سے استفادہ کرتے ہوئے اس کی کسی چیز سے دل نہ لگایا جائے بلکہ دل ہمیشہ خالق اور محبوبِ حقیقی اللہ تعالیٰ سے اٹکا رہے۔ اللہ کے دین میں نہ دنیا سے الگ تھلگ رہنے کی اجازت ہے اور نہ ہی اس سے پیار کرنے کی۔ مومن کی آنکھوں کی ٹھنڈک، اس کے سینے کا سرور اور اس کے دل کا قرار ذکرِ پروردگار میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی اسے دنیا کی ہر شے اور ہر رشتے سے محبوب ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ حُبِ دنیا ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

حضرت ذوق نے کیا خوب فرمایا ہے:

جس انساں کو سگِ دنیا نہ پایا
فرشتہ اس کا ہم پایہ نہ پایا (۱)

اس اعلیٰ و ارفع مقام تک رسائی حاصل کرنے کے لیے انسان کو جس سخت مجاہدہ کی ضرورت ہے اسے قرآن مجید فرقان حمید نے سورت المزمل کی ایک ہی آیت میں سمو دیا ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (۲)

اور اپنے ربّ کے نام (اللہ) کا ذکر کر اور سب کو چھوڑ کر اسی کا ہو جا۔

اس آیت مبارکہ کے علاوہ بھی قرآن کریم میں بیسیوں جگہ کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لیے اس سے بہتر اور کیمیا اثر نسخہ کوئی نہیں ہے اور اسی کی برکت سے مومن اس قابل بنتا ہے کہ اس فانی دنیا کی گھٹیا اور عارضی نعمتوں کے دامنِ فریب سے رہائی پا کر بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی کی فکر میں لگ جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَا أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا وَمَا

---

(۱) ابراہیم ذوق

(۲) سورۃ المزمل: ۸

عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (۱)

یہاں تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ صرف دنیا کی زندگی میں استعمال اور زینت کے لیے ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ اس سے بدرجہا بہتر اور باقی رہنے والا ہے تو پھر تم سمجھ بوجھ سے کام کیوں نہیں لیتے۔

کیوں کہ کوئی بھی عقل مند انسان کسی عارضی ٹھکانے کی تزئین و آرائش پر اپنی دولت صرف نہیں کرتا۔ جن گھروں میں ہم اس وقت رہ رہے ہیں ان کے بارے میں اگر حکومت یہ اعلان کر دے کہ تمام رہائشی مکان حکومت نے اپنی ملکیت میں لے لیے ہیں اور بغیر کسی پیشگی اطلاع کے کوئی مکان کسی بھی وقت خالی کرایا جا سکتا ہے تو ان کے ساتھ ہماری دل چسپی کیا باقی رہ سکتی ہے؟ حالانکہ دنیا کی زندگی کا حال بالکل اسی طرح کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عقل کا نور اور برتر شعور عطا کر رکھا ہے اس کا یہی تقاضا ہے کہ جو چیزیں اسے زیادہ نفع پہنچانے والی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہوں انہیں ترجیح دیتے ہوئے ان کے حصول کے لیے خوب جدوجہد کرے۔ آخرت کی زندگی کے مقابلے میں اس دنیا کی نعمتوں کی جتنی کچھ حیثیت ہے اسی مناسبت سے ان پر بھی توجہ دے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جو کچھ بھی عطا فرمائے اسے بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور آخرت کی بہتری کے حصول کا ذریعہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے طالبوں کی راہنمائی کے لیے قرآن کریم میں خیر و ابقٰی کی تفصیل بیان فرما دی ہے تا کہ انہیں اپنی ترجیحات مقرر کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

وَاللّٰهُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى (۲)

اور اللہ کی ذات سب سے اچھی اور باقی رہنے والی ہے۔

---

(۱) سورۃ القصص:۶۰

(۲) سورۃ طٰہٰ:۷۳

وَرِزْقُ رَبِّکَ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (۱)

تیرے رب کی عطا بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔

وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی (۲)

اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی حقیقی فلاح کا منشور بتا کر اسے حسن طلب کی ترغیب دی ہے تا کہ وہ ماسواء اللہ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا کو اپنا مقصود حیات بنائے اور متاع دنیا کی بجائے رزق ربانی اور غذائے روحانی کا طلب گار بنے اور اس فنا ہو جانے والی دنیا کی وقتی آسائشوں اور عارضی لذتوں کا دیوانہ نہ بنے بلکہ آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کے حسن کو دوبالا کرنے کی جستجو میں جئے۔اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ عارضی، گھٹیا اور بے حیثیت ہے۔اس کے مقابلے میں آخرت کی زندگی میں اللہ تعالیٰ جو نعمتیں اہل ایمان کو عطا فرمائے گا وہ نہ کسی نے سنیں نہ دیکھیں نہ کسی کے وہم و گمان میں آ سکتی ہیں۔

یہ فقر قرآنی کا راستہ ہے۔جس کی تعلیم یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ نے انسان کے لیے پیدا کیا ہے لیکن انسان کو اپنی محبت کے لیے خلق فرمایا ہے۔اس لیے انسان کو چاہیے کہ ہر شے کو تسخیر کر کے اپنی خدمت میں ضرور لگائے لیکن ان سے دل ہرگز نہ لگائے۔خود اللہ تعالیٰ کی محبت کا اسیر بن کر اس کی بندگی کی راہ پر اس طرح چلے کہ اسی کے رنگ میں رنگ جائے۔یہی وہ زندگی اور فعال فقر ہے جس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر کرتے ہوئے فرمایا: **الفقر فخری**۔علامہ محمد اقبالؒ نے ابھی اس صحوی یعنی بیدار تصوف کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا:

---

(۱) سورۃ طہٰ:۱۳۱

(۲) سورۃ شوریٰ:۳۶

فقر مومن چیست؟ تسخیر جہات
بندہ از تاثیر او مولا صفات
ہستی او بے جہات اندر جہات
او حریم و در طوافش کائنات

مومن کا فقر دنیا کی نعمتوں سے گریز اور جدو جہد سے فرار کا نام نہیں ہے بلکہ اس سمتوں میں سمٹی ہوئی محدود دنیا کو تسخیر کرنے کا سبق دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی شدید محبت کا علم بردار فقر، مومن کو اللہ کے رنگ میں رنگ کر مولا صفات بنا دیتا ہے۔اس کے اردگرد پھیلی ہوئی کائنات کی ہر شے محدود مقاصد کے لیے پیدا کی گئی ہے لیکن مومن کی تخلیق کے مقصد کو حدود و قیود میں بند نہیں کیا جا سکا ہے۔اس کا مقام اعلیٰ و ارفع ہے اور اس کی مرکزی حیثیت مثل حرم کے ہے کہ یہ ساری کائنات اس کے گرد محوِ طواف ہے۔ایسا ہی ہونا چاہیے کہ مسجودِ ملائکہ کو یہ کم تر رتبہ کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا۔

اوصافِ مومن

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی معرفت کے لیے پیدا فرمایا اس لیے دین کا مقصد ہی یہ ہے کہ بنی نوع انسان کو اس کے مقصودِ حیات سے آگاہ کر کے اُس تک پہنچنے کے لیے صراط مستقیم کی نشان دہی کر دی جائے۔ قرآن کریم بنی نوع انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی آخری اور کامل ترین کتاب ہے اس لیے اس میں بار بار ان صفات کا ذکر کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں دیکھنا پسند فرماتے ہیں۔ قرآن کریم میں بڑے صاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ کون سے لوگ ہیں جن سے اللہ محبت کرتے ہیں اور کون سے لوگ ہیں جو اس نعمت سے محروم رہ جائیں گے۔ تاکہ اہل ایمان اپنے خالق و مالک کی رضا والے اعمال اختیار کر کے اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کر لیں جن سے اس کا قرب نصیب ہوتا ہے اور ان تمام کاموں سے اپنے نفس کو باز رکھیں جو اس کی ناپسندیدگی اور اس سے دوری کا سبب بنتے ہیں۔ قرآن کا بنیادی موضوع ہی انسان کی ہدایت ہے اس لیے اس کا شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہو جو اس مرکزی مقصد پر روشنی نہ ڈالتا ہو لیکن چند مخصوص مقامات ایسے بھی ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی صفات کو ایک ہی جگہ تسلسل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، ان کے مطالعہ سے مقربین بارگاہ کے خُلق کی ایک دلکش اور مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے۔ چنانچہ ابن کثیر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ اوصاف اسلام میں تیس حصوں میں درج ہیں جو قرآن حکیم کی تین سورتوں میں اس طرح آئے ہیں کہ دس دس صفات ایک جگہ اکٹھی بیان کر دی گئی ہیں۔ ان کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ

السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (۱)

توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیک کاموں کا اَمر کرنے والے، بُری باتوں سے منع کرنے والے، اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے، بشارت دیجیے سچے مومنین کو۔

۲۔ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔ (۲)

سرِ اطاعت خم کرنے والے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، سچے مومن مرد اور سچی مومن عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی

---

(۱) سورۃ التوبۃ: ۱۱۲

(۲) سورۃ الاحزاب: ۳۵

عورتیں اللہ نے ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

۳۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۱)

بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے، جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں، جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑتے رہتے ہیں، جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، مگر اپنی بیویوں یا کنیزوں سے جو ان کی ملکیت میں ہوتی ہیں کہ ان سے مباشرت کرنے سے انہیں کوئی ملامت نہیں، جو ان کے علاوہ اوروں کے طالب ہوں وہ حد سے نکلنے والے ہیں، جو امانتوں اور اقراروں کو محفوظ رکھتے ہیں، جو نمازوں کی حفاظت یعنی پابندی کرتے ہیں۔ یہی لوگ میراث حاصل کرنے والے ہیں جو بہشت کی میراث حاصل کریں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

---

(۱) سورۃ المؤمنون:۱۱-۱

حقیقی دشمن

عالم بالا میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو تسلیم کرنے کے لیے جو عہد لیا گیا
اس کا مقصود تمام انسانوں کو حیات ارضی کے دوران اللہ کی بندگی کے لیے تیار کرنا تھا تاکہ وہ
اس کی نازل کی ہوئی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر مومنین کہلوائیں اور فلاح دارین حاصل کریں۔
جو لوگ ایسا نہ کریں گے اور ابلیس کا طرز عمل اپنا کر اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزاریں گے،
ان کا انجام بھی اسی کے ساتھ ہوگا۔ روز ازل ہی اس کے بارے میں خبردار کر دیا گیا تھا۔
قرآن بیان کرتا ہے کہ جب ابلیس نے آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور پھر اسے روز
قیامت تک کے لیے مہلت دے دی گئی تو مزید مکالمہ اس طرح ہوا:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ (۱)

شیطان کہنے لگا مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا
سوا ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں۔ اللہ نے فرمایا سچ ہے اور
میں بھی سچ کہتا ہوں کہ میں تجھ سے اور جو ان میں سے تیری پیروی
کریں گے سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی محبت کرنے کے لیے کیا ہے۔ لفظ
انسان کا مادّہ بھی اُنس ہے اور انسان میں جبلی طور پر اُنس و محبت کے جذبے کا غلبہ ہے۔ وہ نہ

---

(۱) سورۃ ص: ۸۵-۸۲

صرف اپنے ہم جنسوں بلکہ حیوانات، نباتات، چاند، سورج، ستاروں، پہاڑوں، آبشاروں اور فطرت کے دیگر نظاروں سے بھی پیار کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر انسان ازلی طور پر سعید اور مومن ہے کیوں کہ میثاقِ ارواح کے دوران کسی بھی روح نے اللہ کو اپنا ربّ تسلیم کرنے سے انکار نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق ہر بچہ فطری طور پر اللہ کا مطیع یعنی مسلمان ہی پیدا ہوتا ہے اور بلوغت کی عمر سے پہلے وفات پا جانے والے سب بچے جنت میں جاتے ہیں۔ معصوم انسانوں کو ہدایت کے نور سے کفر کے اندھیروں میں لے جانے کا کام طاغوتی گروہ سر انجام دیتا ہے جس کا سربراہ شیطان ہے اور اس کے مددگاروں میں کافر جن، کافر انسان اور بدروحیں شامل ہیں۔ انسان کا حقیقی دشمن صرف شیطان ہے اور دنیوی زندگی میں انسان کے مابین نفرت، عداوت، جھگڑے اور جنگیں اس کی تحریص اور ترغیب سے جنم لیتے ہیں تا کہ انسان محبت کی راہ سے ہٹ کر اپنی حقیقی منزل سے دور جا پڑے اور فتنہ و فساد میں مبتلا ہو کر دوزخ میں اس کا ساتھی بن جائے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بنی نوع انسان کو خطاب فرماتے ہیں:

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیَاۃُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَہٗ لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحَابِ السَّعِیْرِ (۱)

اے لوگو! آخرت کی زندگی کے بارے میں اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ ہی فریب دینے والا شیطان تمہیں فریب میں مبتلا کرے۔ بلاشبہ شیطان تمہارا دشمن ہے پس تم بھی اسے دشمن سمجھو۔ وہ اپنے چہیتوں کے گروہ کو بلاتا ہے تا کہ وہ دوزخ والوں میں ہو جائیں۔

بنی نوع انسان کے لیے اپنے اس مکار اور نظر نہ آنے والے دشمن

---

(۱) سورۃ فاطر: ۶-۵

سے محفوظ رہ کر حقیقی فلاح کی منزل حاصل کرنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے بابرکت آئین کے تحت زندگی بسر کرے۔ اللہ کے دین میں جور و جبر، ظلم و فساد، مکرو فریب، ہوا و ہوس اور جوع الارض کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دین اسلام میں انسانوں کو انسان کا غلام بنانے کی بجائے اللہ احکم الحاکمین کی حاکمیت کا نفاذ کیا جاتا ہے۔ اس فطری نظام میں کسی بھی انسان کو دوسرے انسان پر کسی قسم کی پیدائشی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ صرف اہل ایمان لوگ اللہ کی محبت اور تقویٰ کے مدارج کی مناسبت سے عزت و اکرام پاتے ہیں۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے ایک نئے مسلمان کو وہی معاشی اور معاشرتی حقوق حاصل ہو جاتے ہیں جو مسلم ملت کے سربراہ کو حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ کا آئین ساری بنی نوع انسان کو ایک ہی کنبہ گردانتا ہے اور محبت، خدمت اور اکرام انسانیت کو فروغ دینے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کے تحت وہ اللہ تعالیٰ کے آئین سے روگردانی کرنے والے کفار سے بھی حُسنِ سلوک اور رواداری برتنے کا حکم دیتا ہے۔ اس میں جہاں اپنے والدین، بہن بھائیوں، بیوی بچوں اور دیگر رشتہ داروں سے محبت و مودّت کی تعلیم ہے وہاں بلا امتیاز مذہب و ملت اپنے ہمسایوں، ہمراہیوں، ہم وطنوں، مسافروں، یتیموں، مسکینوں، کام کاج کے ساتھیوں اور تمام بنی نوع انسان بلکہ ہر جاندار کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنے کی تاکید بھی ہے۔ خالق کائنات اپنی پیاری مخلوق کے مصائب کم کر کے اس کی فلاح و بہبود اور خدمت کے لیے مال و دولت صرف کرنے کو اپنے دین کا نہایت ہی اہم رکن قرار دیتا ہے۔ اللہ کی ربوبیت اور الوہیت کا علمبردار دین پوری انسانیت کے لیے سلامتی، محبت و خدمت اور امن و آشتی کا آئین ہے۔ سارے فسادات اس مقدس آئین کی خلاف ورزی کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔ یہ زر، زن اور زمین کے انفرادی جھگڑے ہوں یا قوموں کی سطح پر دوسرے انسانوں کا استحصال کرنے اور کمزور قوموں کو غلام بنانے کے معاشی اور جنگی منصوبے ہوں، سب کے سب انسانی نفس کی ہوس کاری اور تلبیس ابلیس کے شاخسانے ہیں۔ قرآن حکیم انسان کو اس کے ازلی دشمن کی تخریب کاریوں کے انداز اور باہمی عناد و فساد پیدا کرنے کے

طریقہ کار سے آگاہ کرتا ہے۔یہاں چند منتخب آیات کا ترجمہ تحریر کیا جاتا ہے:

۱۔یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ (۱)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے یہ سب ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں۔سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔تو تم کو ان کاموں سے باز رہنا چاہیے۔

۲۔اِسْتَحْوَذَ عَلَیْھِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰھُمْ ذِکْرَ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۲)

شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا ہے اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے۔ یہ لوگ شیطان کا لشکر ہیں اور سن رکھو کہ شیطان کا لشکر نقصان اٹھانے والا ہے۔

۳۔وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِھِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْھُمْ اِنَّکُمْ لَمُشْرِکُوْنَ (۳)

اور بے شک شیاطین اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں

---

(۱) سورۃ المائدۃ:۹۱-۹۰

(۲) سورۃ المجادلۃ:۱۹

(۳) سورۃ الانعام:۱۲۱

کہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم لوگ ان کے کہنے پر چلے تو بے شک تم بھی مشرک ہو۔

۴۔ وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا (۱)

آپ میرے بندوں سے کہہ دیں کہ لوگوں سے ایسی باتیں کہا کریں جو بہت پسندیدہ ہوں۔ کیوں کہ شیطان بری باتوں سے ان میں فساد ڈلوا دیتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

۵۔ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (۲)

اور دیکھنا شیطان کا کہنا نہ ماننا وہ تمہیں تنگ دستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور رحمت کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

ان آیات مبارکہ میں ابلیس کے منشور کے بارے میں خبردار کر دیا ہے۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ اپنے دشمن کے بچھائے ہوئے جال سے دُور رہے۔ بت پرستی، وطن پرستی، قوم پرستی، شراب، منشیات، جوئے، قمار بازی، بدزبانی، تلخ کلامی، مذہبی تعصب، بخل اور مال و دولت کی ہوس سے بچے تاکہ باہمی لڑائیاں جھگڑے اور جنگیں جنم نہ لیں۔ صحیح سمت میں ترقی کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے معبود و محبوب اللہ، اس کے ذکر، نماز اور اس کی مخلوق سے محبت رکھے۔ یہ بات یاد رہے کہ شیطان قرآن کی اصطلاح کے مطابق فحش و منکر کا حکم دیتا ہے اور فاقے کا خوف دلا کر بخل کی ترغیب اور بے حیائی پر لگاتا ہے اور اللہ تعالیٰ

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل: ۵۳

(۲) سورۃ البقرۃ: ۲۶۸

انسانوں کونماز قائم کرنے اوراس کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہےاور نماز کی اہمیت جتلاتے ہوئے ارشادفرماتا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ (۱)

بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں (فحشاء ومنکر) سے روکتی ہے اوراللہ کا ذکر بہت بڑا کام ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔

معلوم ہوا کہ شیطان کے حملوں کے خلاف نماز اور ذکر ایک مضبوط قلعے کا کام دیتے ہیں۔اسلام کا یہی پیغام ہے کہ اللہ کی ربوبیت، آخرت کی زندگی پر ایمان اورصلوٰۃ وزکوٰۃ کی بنیاد پر ایک عالم گیر نظام قائم کیا جائے تا کہ انسانیت کے دکھوں کی طویل رات ختم ہو اور وہ سکھ کا سانس لے کر اللہ کی محبت کی منزل کی طرف گامزن ہو سکے۔

جن آیات کا ترجمہ اوپر بیان کیا گیا ہے ان میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کوخبردار کردیا ہے کہ شیطان تمہیں بہلا پھسلا کر جوئےاور شراب کی لذتوں میں پھنسا کر اور لہوولعب کا رسیا بنا کر ذکر اور نماز سے ہٹانا چاہتا ہےاور جو لوگ نماز اور ذکر سے منہ موڑ لیں گے وہ گویا اللہ کو ہی بھول گئے۔ایسے لوگ حزب الشیطان یعنی شیطانی گروہ بن جائیں گےاور آخرت کی زندگی میں خسارہ پانے والوں میں ہوں گے۔اسی طرح انسانوں کو باہمی گفتگو میں شیریں زبانی اور خوش کلامی کا حکم دیا گیا ہے کیوں کہ جھگڑے کھڑے کرنے اور لڑائیوں کو بھڑکانے میں زبان کی آتش فشانی شیطان کا نہایت ہی موثر ہتھیار ثابت ہوتی ہے۔حزب الشیطان کے مقابلے میں حزب اللہ کا ذکر سورۃ المائدہ میں کیا گیا ہے۔ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

---

(۱) سورۃ العنکبوت:۴۵

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (۱)

اے ایمان والو! تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومن لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکتے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں سے دوستی کرے گا وہ حزب اللہ میں داخل ہوگا اور حزب اللہ یعنی اللہ کا گروہ ہی غلبہ پانے والا ہے۔

حزب اللہ میں تمام انبیاء، شہدا، صدیقین اور مومنین شامل ہیں اور اس گروہ کے سالار اعظم حضور خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ یہ گروہ لوگوں کو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لا کر اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دیتا ہے جس کے نتیجے میں دنیا کی زندگی میں اطمینان قلب، ذہنی سکون، امن و امان اور خوشحالی ملتی ہے اور آخرت کی زندگی میں جنت کی نعمتیں اور اللہ کا قرب و دیدار عطا ہوتا ہے۔ شیطان کی سازشوں سے بچنے کی ایک ہی ترکیب ہے کہ جزوی یعنی آدھی پونی مسلمانی کے ساتھ ساتھ شیطان سے بھی تھوڑی تھوڑی دوستی قائم رکھنے والی روش ترک کر دی جائے اور حتی الوسع سو فیصد مومن بن کر اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اللہ کی بندگی کا حق ادا کیا جائے تاکہ دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے اپنے دامن بھر سکیں۔ اسی طرح اللہ کے دوٹوک حکم کے مطابق شیطان لعین کو پکا دشمن سمجھتے ہوئے اس کی پوری پوری مخالفت کی جائے کیونکہ شیطان سے دوستی رکھنے والے کے انجام سے اللہ علیم و خبیر نے ہمیں باخبر کرنے کے لیے ارشاد فرمایا:

---

(۱) سورۃ المائدہ:۵۶-۵۵

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ (۱)

شیطان کی بابت لکھ دیا گیا ہے کہ جو اسے دوست رکھے گا تو وہ اسے گمراہ کرے گا اور دوزخ کے عذاب کا راستہ دکھائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی انسان دشمنی، مکاری، فریب دہی اور دھوکہ بازی کے متعلق بڑی تفصیل کے ساتھ ہمیں خبردار کر دیا ہے۔ اس کے باوجود انسانوں کی ایک کثیر تعداد اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیار کا غلط استعمال ضرور کرے گی۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور حیات بعد الموت کے یکسر منکر ہو کر یا ایمان کی کمزوری کے باعث ابلیس کے پھندوں میں پھنس جائیں گے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انہیں پھر ایک مرتبہ عہدِ الست کے مطابق صرف اپنی بندگی کرنے کی اہمیت یاد دلائیں گے اور ابلیس کی انسان دشمنی کے بارے میں دی ہوئی ہدایات کو فراموش اور نظر انداز کر دینے پر سرزنش کرتے ہوئے فرمائیں گے:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يَا بَنِيْ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ اِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وَاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۔ (۲)

اے گنہگارو! آج تم الگ ہو جاؤ۔ اے آدم کی اولاد! ہم نے تم کو کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کی بندگی نہ کرنا۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ صرف میری ہی عبادت کرنا کہ یہی صراط مستقیم ہے اور اس نے تم

---

(۱) سورۃ الحج:۴

(۲) سورۃ یٰسین:۶۴-۵۹

میں سے بہت سی خلقت کو گمراہ کر دیا تھا تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے۔ یہی
وہ جہنم ہے جس کی تمہیں خبر دی جاتی تھی۔ سو جو تم کفر کرتے رہے ہو
اس کے بدلے آج اس میں داخل ہو جاؤ۔

اللہ مالک یوم الدین کا یہ فرمان سن کر ظالم لوگ بہت پچھتائیں گے۔
نہ کوئی معذرت قبول ہوگی نہ ہی دنیا میں پھر ایک مرتبہ بھیجنے کی التجا کی شنوائی ہوگی۔ سب قریبی رشتہ داریاں اور دوستی کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ جب دنیا ہی باقی نہ رہے گی تو دنیا کے ناطے کیونکر باقی رہ سکتے تھے۔ اس وقت گنہگاروں کی جو کیفیت ہوگی اس کا حسرت انگیز نقشہ قرآن مجید اس طرح کھینچتا ہے:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا لَّقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (۱)

اس دن ناعاقبت اندیش ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا اور کہے
گا کہ اے کاش میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ راستہ اختیار کیا
ہوتا۔ ہائے شامت کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔
اس نے مجھ کو قرآن جیسی نصیحت میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا۔
اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے اور رسول کہیں گے کہ
اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

---

(۱) سورۃ الفرقان: ۳۰-۲۷

تکبیرِ تحریمہ

دین اسلام میں نماز مسلمان کی پہچان ہے۔ یہ دین کا ستون، مومن کی معراج اور جنت کی کنجی ہے۔ نماز ہی وہ عبادت ہے جو انسان کو برے کاموں سے بچاتی اور اس کا تعلق اللہ سے مضبوط کرتی ہے۔ اس اہم ترین عبادت کی جان اور حقیقت خشوع و خضوع ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے دوران انسان پر اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت کی ہیبت طاری ہو اور وہ اس کے سامنے ایک فرماں بردار غلام کی طرح ادب اور فروتنی کا پیکر بن جائے۔ نہ صرف اس کے جسمانی اعضا سے عاجزی کا اظہار ہو بلکہ اس کا دل و دماغ بھی پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ اور اس کے حضور جھکا ہوا ہو۔ حضوری قلب کے بغیر اور بے خیالی میں ادا کی گئی نمازوں سے اخلاق کی اصلاح کی توقع نہیں کی جا سکتی بلکہ ایسی نمازیں قیامت کے روز منہ پر ماری جائیں گی۔ آپ اس بات پر غور کیجیے کہ نماز شروع کرنے کے لیے جب ہم اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھتے ہیں تو یہ نماز کے سات ارکان میں سے پہلا رکن ہے۔ اسے تکبیرِ تحریمہ کہتے ہیں یعنی یہ تکبیر بہت سے کاموں کو حرام کر دیتی ہے۔ تکبیرِ تحریمہ کے بعد چلنا پھرنا، کھانا پینا، اِدھر اُدھر دیکھنا، بات چیت کرنا، سلام کا جواب دینا وغیرہ سب کچھ حرام ہو جاتا ہے کیوں کہ یہ تمام افعال خشوع کے منافی ہیں۔ امام غزالیؒ کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں کہ ”جناب رسول اللہ ﷺ اگر کسی کو نماز میں داڑھی پر ہاتھ پھیرتے دیکھتے تو فرماتے کہ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا، اس کا ہاتھ داڑھی کی بجائے دل پر ہوتا۔“ خشوع کے بارے میں سورۃ مومنون کے شروع میں ارشاد ہوا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (۱)

وہ مومنین کامیاب ہو گئے جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں۔

اس لیے یہ امر نماز کی مقبولیت کے لیے نہایت اہم ہے کہ اسے کامل خشوع وخضوع اور تکبیر تحریمہ کی ظاہری ومعنوی اور جسمانی وقلبی پابندی کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اس لیے جہاں زبان اور دوسرے جسمانی اعضا کو غیر از نماز حرکات سے روکنا ضروری ہے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ دل و دماغ میں بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا خیال نہ آئے اور نماز کے دوران جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس سے دھیان ادھر ادھر نہ جائے۔ سورۃ فاتحہ اور قرآن کریم کی تلاوت ٹھہر ٹھہر کر اور معانی سمجھ کر کی جائے۔ قیام وقعدہ اور رکوع وسجود کے دوران اعضاء اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے جھکے ہوئے ہونے چاہئیں کیوں کہ اگر دل ساتھ نہ ہوا اور اس میں دنیا کے کاموں کی فلم چل رہی ہوئی تو پھر بقول علامہ محمد اقبالؒ زمین بھی پکار اٹھے گی کہ:

؎ تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایسی نمازوں سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (۲)

اے ایمان والو جب تم کو نشہ ہو اور جب تک جو منہ سے کہو سمجھنے نہ لگو نماز کے پاس نہ جاؤ۔

یہاں شراب یا افیم وغیرہ کا ذکر نہیں بلکہ نشہ کہا گیا ہے۔ یہ کسی بھی وجہ سے کیوں نہ ہو۔ یہ کاروبار کی مشغولیت یا کسی انسان کی یا مال کی محبت کا نشہ بھی ہوسکتا ہے

---

(۱) سورۃ مومنون:۲-۱

(۲) سورۃ النساء:۴۳

جس کی وجہ سے توجہ بٹی رہے اور نماز کے دوران تمہیں معلوم ہی نہ ہو کہ کون سی سورت پڑھی ہے یا امام نے کیا تلاوت فرمائی ہے اس لیے جب نماز کے لیے چل پڑو تو دنیا کو بھی تھوڑی دیر کے لیے دل سے نکال دو اور وضو کے دوران دل کو اللہ کے سامنے پیشی کے لیے تیار کرتے جاؤ۔ اگر دل میں کسی وجہ سے جذبات کا ہیجان ہو تو نماز شروع کرنے سے پہلے چند منٹ کے لیے تیار ہو کر بیٹھ جاؤ اور کلمہ شہادت یا کلمہ تمجید کا ورد کرو تاکہ طبیعت مجتمع ہو جائے۔ حضوری قلب ہی سے حقیقی نماز ادا ہوتی ہے لیکن اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے یعنی کام کاج کے دوران بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے کیوں کہ اگر نماز سے پہلے اللہ کا ذکر دل پر غالب نہ ہوگا تو نماز میں بھی صحیح طور پر دل نہ لگے گا۔ جو خیال دل میں پہلے سے جما ہوا ہو' نماز کے دوران بھی وہی بار بار ابھرے گا۔ اگر اللہ کی محبت کا غلبہ ہوگا تو اللہ کی حضوری ہوگی اور اگر دل میں دنیا بسی ہوگی تو اللہ سے دوری کا سبب بنے گی۔

انسان،قرآن اور ماہ رمضان

جب تک انسان کی حقیقت اوراس کی زندگی کا مقصد معلوم نہ ہو دین
اسلام کے احکام کی حکمت اوراہمیت اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتی۔قرآن کریم کے مطالعہ
سے انسانی زندگی کی جو حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی ابتدا مادی دنیا سے نہیں
ہوتی اور نہ ہی موت اس کا انجام ہے۔تمام انسانوں کی ارواح روزاول ہی وجود میں آ گئی
تھیں۔اللہ تعالٰی کے ارادے کے مطابق اپنی اپنی باری پر اس دنیا میں آکر جلوہ گر ہوتی اور
مقررہ مدت بسر کرنے کے بعد واپس چلی جاتی ہیں۔قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ نے
آدمؑ کو تمام چیزوں کا علم عطا فرما کر ملائکہ پر فضیلت عطا فرمائی لیکن ابلیس نے اس کی برتری
تسلیم نہ کی اوراسے سجدہ کرنے سے انکار کردیا۔وہ نسل انسانی کا دشمن بن گیا اوراس کو صراط
مستقیم سے ہٹانے کے لیے اپنی ذریت، لاؤلشکر اور تمام حربوں سے لیس پوری طرح
مصروف عمل ہے۔

اللہ نے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو کچھ عرصہ کے لیے جنت میں
رکھا تا کہ ان کی ارواح اپنی منزل سے آشنا ہو جائیں۔اللہ نے انہیں واضح طور پر ایک
درخت سے دور رہنے کا حکم فرمایا لیکن ابلیس نے انہیں نافرمانی پر اکسایا۔ابلیس نے خود بھی
اللہ کے واضح حکم کے باوجود سجدہ نہیں کیا تھا اور منطقی دلائل پیش کرنے کی وجہ سے مردود ہو
گیا۔اس نے ان دونوں کو بھی مختلف دلائل دینے شروع کیے اور ساتھ ہی قسمیں کھا کر اپنی
خیر خواہی کا یقین دلا کر فریب دینے میں کامیاب ہو گیا۔لیکن ابلیس کے برخلاف جو اپنی
غلطی پر اکڑ گیا آدمؑ نے ندامت کا اظہار کیا اور اللہ سے سیکھے ہوئے کلمات کے ذریعے سے

مغفرت طلب کی اور اللہ نے انہیں معاف فرما دیا۔اس سے واضح ہو گیا کہ ازلی اور پیدائشی گناہ کا نظریہ درست نہیں ہے۔آدمؑ کو زمین کی خلافت عطا کرنے کے لیے ہی پیدا کیا گیا تھا اس لیے انسان کو اس مادی دنیا میں کسی جرم کی سزا بھگتنے کے لیے نہیں بلکہ اللہ کی عطا کردہ گوناگوں اہلیتوں کے اظہار اور اپنی شخصیت کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔عالم ارواح ہی میں اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی پشت سے قیامت تک آنے والی تمام ارواح کو نکال کر ان سے اپنی ربوبیت کا پختہ عہد لے لیا تاکہ مادی دنیا کی بھول بھلیوں، عالم اسباب کے پردوں، نفس کی سرکشی اور سفلی لذت میں انہماک کی وجہ سے کوئی انسان اس وہم اور گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ میں بالکل آزاد اور اپنی مرضی کا مالک ہوں، نہ کوئی میرا آقا اور ربّ ہے اور نہ ہی میں کسی کے سامنے اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہوں۔یا پھر اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں کسی کو اپنا ربّ بنا کر ظلم عظیم کا مرتکب ہو جائے۔قرآن وضاحت کرتا ہے کہ یہ عہد اس لیے لیا گیا تاکہ کوئی انسان روز قیامت یہ نہ کہہ سکے کہ:

أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ۔ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِن قَبْلُ (۱)

مجھے تو اس کی خبر ہی نہ تھی اور نہ ہی یہ بہانہ بنا سکے کہ آباؤ اجداد کی گمراہی کی وجہ سے میں حقیقت کو نہ جان سکا۔

اگر چہ یہ عہد عام انسانوں کو شعوری طور پر ہرگز یاد نہیں لیکن روح کی گہرائیوں میں موجود ہے اور مرنے کے بعد جب مادے کے حجابات اٹھ جائیں گے تو پھر سب کچھ یاد آ جائے گا۔حیات ارضی میں انسان کے طرز عمل اور اس کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار اس عہد الست کو تسلیم کر لینے یا اس سے انکار کر دینے پر ہے۔اللہ کی بے پایاں رحمت نے اس عہد پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ آدمؑ کو زمین پر بھیجنے سے پہلے فرمادیا کہ:

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ

---

(۱) سورۃ الاعراف:۱۷۳-۱۷۲

هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (۱)

میری طرف سے تمہیں ہدایت اور رہنمائی آتی رہے گی جو اس پر چلیں گے نہ ان کو کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ میری آیات کو نہیں مانیں گے اور جھٹلائیں گے تو وہ لوگ آگ کے عذاب کے مستحق ہوں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اس مادی زندگی کی تربیت گاہ میں ہر چیز انسان کی سہولت اور خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اولادِ آدم کے فرض منصبی اور خلافت ارضی کا یہ تقاضا ہے کہ ان تمام چیزوں کو زیر نگیں کر کے اپنی اہلیت کو ثابت کر دے۔ اس جدوجہد ہی میں اس کی روح کی ترقی اور شخصیت کی تکمیل کا راز بھی پوشیدہ ہے۔ اسلام مادی دنیا سے بے زاری اور رہبانیت کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اسے تسخیر کر کے آگے ہی آگے بڑھنے اور اللہ کو اپنی منزل بنانے کی ترغیب دیتا ہے جیسا کہ علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا:

کمال ترک نہیں آب و گلِ سے مہجوری
کمال ترک ہے تسخیر خاکی و نوری (۲)

لیکن جو انسان متاع دنیا کو سب کچھ سمجھ کر اس تربیت گاہ ہی سے دل لگا لے اور اللہ کے دین کی یاد دہانی کے باوجود بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہ لائے، وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔ اب اس کی نگاہوں سے نہ صرف زندگی کا مقصد اوجھل ہو جائے گا بلکہ اپنی ذات کی حقیقت سے بھی بے گانہ ہو جائے گا۔ ایسا انسان سفلی جذبات کی تسکین اور مادی لذات کے حصول میں غرق ہو کر حیوانوں کی سطح پر گر جاتا ہے۔ حالانکہ انسان کی فلاح اس امر میں ہے کہ دنیا کی نعمتوں سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے

---

(۱) سورۃ البقرۃ ۲:۳۸-۳۹

(۲) بالِ جبریل

بھی اس کی محبت میں مبتلا نہ ہو کیوں کہ ساری خرابی دنیوی زندگی کو اخروی زندگی پر ترجیح دینے میں ہے۔حضور نبی کریم ﷺ کا بھی فرمان ہے حُبُّ الدُّنْیَا رَاْسُ الْخَطِیْئَۃ ''یعنی دنیا کی محبت ہی ساری خرابیوں کی جڑ ہے۔'' سب سے زیادہ محبت انسان کو اپنے اللہ سے کرنی چاہیے جو اس کا معبود اور محبوب ہے۔سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا:

وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (۱)

جو لوگ ایمان والے ہیں وہ تو اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں۔

صرف اس طرزِ فکر ہی سے انسان ما سواء اللہ کے خوف سے نجات پا کر حقیقی آزادی اور اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز ہو سکتا ہے۔علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات (۲)

اگر انسان اس حقیقت کو تسلیم کر لے کہ میرا مالک، آقا اور رب اللہ تعالیٰ ہے۔اس نے موت و حیات اور زمین کی ساری نعمتیں میری تربیت اور آزمائش کے لیے تخلیق فرمائی ہیں۔مجھے اللہ کے پاس واپس لوٹنا ہے۔جہاں مادی دنیا میں میری کارکردگی کی مناسبت سے مجھے جزا و سزا ملے گی تو وہ مومن یعنی حقیقت کو مان لینے والا کہلوائے گا۔ اب اسے اپنی منزل کی فکر دامن گیر ہو جائے گی کہ کس طرح بھرپور دنیوی زندگی بسر کرتے ہوئے اور اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دنیا کے منفی اثرات سے بچ کر اللہ کے قرب کی منزل کی طرف رواں دواں رہ سکے۔اس جذبہ کو تقویٰ کا نام دیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کے معنی خوف ڈر اور پرہیز گاری کے بھی ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ اللہ کی محبت کی کشش کے معنی بھی اس میں پوشیدہ ہیں۔آپ آسانی کی خاطر تقویٰ کو ''فکرِ منزل'' کہہ لیں۔یہ فکر جس قدر قوی ہوگی اتنا ہی ایک مومن ان خواہشات، لذات اور اعمال سے بچنے

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۱۶۵

(۲) ضربِ کلیم

کی کوشش کرے گا جو اسے اللہ کی یاد سے غافل کردیں وہ اس جدوجہد میں لگ جائے گا کہ زندگی اللہ کی منشاء کے مطابق گزارے تاکہ اس کے قرب اور رضا کا مقام حاصل کرسکے۔ اس طرح بنی نوع انسان دو بنیادی گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔اللہ کی الوہیت، رسولوں کی رسالت اور یوم آخرت کا انکار کرنے والے کفار کی ملت اور ان حقائق کو مان کر اللہ کی حاکمیت کے سامنے سرتسلیم خم کرنے والے مسلمانوں کی ملت۔اللہ کے نظام کے تحت کفار کی حمایت کرنے، انہیں اندھیروں کی طرف لے جانے،ان کے برے اعمال کو اپنے فریب سے خوشنما بنا کر دکھانے اور عذاب دوزخ کی طرف لے جانے والے شیاطین کی فوجیں موجود ہیں۔اس طاغوتی لشکر کا سرکردہ ابلیس ہے۔اس کے برعکس اہل ایمان کی راہنمائی کرنے اور انہیں کفروشرک کے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جانے والے رسولوں کا مبارک گروہ ہے جس کے سردار وسالار حضور ابد قرار، کالی کملی والی سرکار احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔مزید برآں اللہ تعالیٰ خود مومنوں کا مولا، حمایتی اور مددگار ہے۔ اللہ اوراس کے فرشتے اہل ایمان کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جانے کے لیے ان پر رحمتوں کا نزول فرماتے ہیں:

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ (۱)

اللہ کے عرش کو اٹھانے والے اور اس کے گرد جو فرشتے ہیں وہ اللہ کی تسبیح کرتے اور اہل ایمان کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔کہ اے اللہ مومنین کی مغفرت فرما انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا کر

---

(۱) سورۃ المومن:۸-۷

جنت میں داخل فرما اور ان کے جو باپ دادا اور ان کی بیویوں اور اولاد میں سے نیک ہوں ان کو بھی جنت میں داخل فرما۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین پر کس قدر رحیم ہیں اور اپنی رحمت سے ان کی مغفرت کے لیے کیا کیا انتظامات کر رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آخری زمانہ کے انسانوں کو گمراہی کے اندھیروں سے نکالنے، ان کی زندگی کی غرض و غایت سے آگاہ کرنے اور اپنے قرب کی طرف لے جانے والی سیدھی راہ کی نشاندہی کرنے کے لیے حضور خاتم النبین، رحمۃ للعالمین ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ان پر گزشتہ تمام کتابوں کی تصدیق کرنے والی، قیامت تک آنے والے انسانوں کو ہدایت مہیا کرنے والی کامل ترین نظام حیات پیش کرنے والی کتاب ''القرآن'' نازل فرمائی۔ اس کتاب کی فصاحت و بلاغت، اس کا انداز تبشیر و تنذیر، اس میں اللہ کی الوہیت اور ربوبیت پر دیئے گئے ناقابل تردید دلائل، اس میں بیان کردہ قصص و امثال، گزشتہ اقوام و ملل کے حالات' اخروی زندگی کی حقیقت اور اس میں پیش آنے والے واقعات، نیکوکاروں اور مجرموں سے کیے جانے والے معاملات کی تفصیل اپنے اندر غافل دلوں اور خوابیدہ ضمیروں کو بیدار کرنے اور سینوں کو منور کرنے کے ہزار ہا سامان لیے ہوئے ہے لیکن اس سے صحیح راہنمائی اور ہدایت حاصل کرنے کے لیے سب سے بنیادی شرط تقویٰ کا ہونا ہے۔ جسے اپنے ربّ سے ملاقات ہونے کا یقین ہی نہ ہو اس میں صراط مستقیم معلوم کرنے کی طلب بھلا کیونکر ہو سکتی ہے۔ ہر شے کی قدر و قیمت طلب ہی سے متعین ہوتی ہے۔

اگرچہ انسانی تاریخ، فلسفہ، نفسیات، طبعیات، فلکیات اور روحانیات کے غیر مسلم علماء بھی اس کے مطالب و معنی کی گہرائی اور وسعت جان کر حیران و ششدر رہ جاتے اور اپنے اپنے علمی مقام کے مطابق اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید کا اصل مقصد بنی نوع انسان کو ہدایت مہیا کرنا ہے اور اسے وہی حاصل کر سکتا ہے، جس کے اندر تقویٰ، فکرِ منزل اور ذوقِ پرواز ہوگا۔ جو شخص اس جذبہ سے خالی ہو اس کا علم خواہ کتنا ہی

متنوع اور وسیع ہو قرآن کی حقیقی روح سے نا آشنا اور اس سے فیض یاب ہونے سے محروم رہے گا۔اس کتاب سے ہدایت کا اکتساب تقویٰ کے معیار کے مطابق ہوتا ہے۔جیسے جیسے ایک مومن میں تقویٰ بڑھتا چلا جاتا ہے ویسے ویسے قرآنی اسرار و رموز اور اسلام کی حقانیت کے لیے اس کا سینہ کھلتا چلا جاتا ہے۔اس سے یہ امر روشن ہو کر سامنے آ گیا کہ قرآنی ہدایت اور تقویٰ میں ایک خصوصی ربط و تعلق ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ کس طرح پیدا ہوتا اور ترقی کرتا ہے۔قرآن کی تعلیم کی روشنی میں اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں خیر و خوبی کے مصدر کی خشت اول اسلامی طرز حیات کا راہنما اصول کلمہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے یعنی انسان سچے دل سے یہ حقیقت تسلیم کر لے کہ میرا معبود اور حاکم اللہ ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کی اطاعت اور اتباع ہی میں میری دنیوی اور اخروی فلاح ہے۔تمام آسمانی کتابوں کا بنیادی پیام اور انبیاء کی تعلیم کا خلاصہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یوم آخرت پر ایمان لا کر موت کے بعد والی حقیقی اور ابدی زندگی کو دنیا کی عارضی زندگی پر ترجیح اور فوقیت دینا ہے۔ان عبادات کی ادائیگی سے ایک مومن اپنا قلبی تعلق متاع دنیا سے توڑ کر اللہ کی ربوبیت کا زبانی اقرار اور عملی اظہار کرتا رہتا ہے۔مثال کے طور پر نماز ہی کو لے لیں جسے حضورﷺ نے دین کا ستون اور جنت کی کنجی فرمایا ہے۔اس کے ذریعے سے مومن تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اپنے گھر، اہل و عیال، کاروبار، ملازمت اور جسمانی راحت و آرام کی محبت کو توڑتا رہتا ہے تاکہ یہ تعلق پختہ ہو کر خسران کا باعث نہ بن جائے۔وہ متاع غرور اور وہم و گمان سے اپنا رشتہ منقطع کر کے اللہ کے حضور اپنا سر نیاز خم کر کے یہ ثابت کر دیتا ہے کہ اس کی وفاؤں کا قبلہ اور محبت کا مرکز صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بابرکت ذات ہے۔اسی طرح زکوٰۃ اور حج بھی مال و زر، اہل و عیال اور ارض وطن کی محبت کو مطلوبہ اعتدال پر لانے اور اللہ سے اپنا تعلق بڑھانے کے وسائل ہیں۔

سورۃ التوبہ میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ

اَلْجَنَّة (۱)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے اموال اور ان کی جانیں جنت کے
بدلے خرید لیے ہیں۔

حضورﷺ کی ایک حدیث مبارک بھی ہے "تم اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنی خواہشات کو اس کے تابع نہ کر لو جو میں لایا ہوں۔" اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ اور ایمان کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ بندہ اپنی تمام خواہشات کو اپنے ربّ کی رضا کے ماتحت کر دے۔ اس معیار کے حصول کے لیے نفس کے سرکش گھوڑے کو اطاعت کی مضبوط لگام دینا اور مادی لذات کی محبت کو منقطع کرنا نہایت ضروری ہے۔ یہ اہم مقصد ایک مربوط اور پُر از حکمت تربیتی نظام کا تقاضا کرتا ہے۔ چنانچہ اسی غرض کے لیے مومنین پر روزے فرض کیے گئے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا گیا کہ اللہ کی طرف سے یہ کوئی نیا حکم نہیں ہے بلکہ گزشتہ تمام امتوں کو بھی نفس کی اصلاح کر کے تقویٰ کو تقویت دینے کے لیے یہی کار گر نسخہ عطا کیا گیا تھا۔ انسانی نفس کی یہ فطرت ہے کہ فاقے سے کمزور اور مضمحل ہو کر اپنی بہیمیت سے رک جاتا ہے اور اس کی اس حالت سے فائدہ اٹھا کر اسے اللہ کی اطاعت و بندگی کی طرف مائل کیا جا سکتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ درندوں کو سرکس میں مختلف کرتب دکھانے کی تربیت دینے کے لیے بھی پہلے انہیں کئی کئی دن بھوکا پیاسا رکھا جاتا ہے اور پھر اپنی خوراک تک پہنچنے کے لیے مطلوبہ کرتب کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اس لیے مومنین کو یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ روزے کا مقصود بھوکا پیاسا رہنا نہیں بلکہ نفس کی اصلاح کرنا ہے اس لیے اس مقصد کو شعوری طور پر پیشِ نظر رکھتے ہوئے بھوک کی حالت میں جسم کے تمام اعضا اور نفس کی خواہشات کو احکامِ الٰہی کا پابند بنا کر روزے سے حقیقی فائدہ اٹھانا چاہیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ حضورﷺ کی اس حدیث کا مصداق ہم بن جائیں جس میں آپﷺ نے فرمایا "کئی روزہ دار ایسے ہوں گے جنہیں روزے سے بھوک پیاس کے سوا

---

(۱) سورۃ التوبۃ:۱۱۱

اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔'' آخر میں ان حکمتوں اور برکتوں کا ذکر کرتا ہے جو ماہ رمضان ہی کو ماہ صیام قرار دینے میں ہیں۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کے نزول کا شرف ماہ رمضان کو عطا ہوا جس کی وجہ سے یہ مہینہ ہمیشہ کے لیے خصوصی رحمتوں اور برکتوں کا حامل بن گیا ہے۔ اس مہینہ کی ایک خاص رات لیلۃ القدر کو ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کی انفرادیت سے نوازا گیا۔ بعض روایات کے مطابق گزشتہ آسمانی کتابیں بھی اسی ماہ مبارک میں اتاری گئی تھیں۔

اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہوتے ہیں

اسی لیے حضور ﷺ نے اسے خاص طور پر اللہ کا مہینہ فرمایا ہے۔ اللہ کی رحمت سے اس میں برائی کے اثرات کم اور نیکی کے ثمرات کئی گنا زیادہ کر دیئے جاتے ہیں۔ جہنم کے دروازے بند اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے اس لیے نفس کو زیر کر کے روحانی قوتوں کو ترقی دینے یعنی تقویٰ کو فروغ دینے کے لیے اس ماہ سے بہتر مہینہ اور کون سا ہو سکتا تھا اس لیے ہماری سہولت کے لیے اللہ رحیم وکریم نے ماہ رمضان ہی کو ماہ صیام قرار دے دیا تا کہ اس کی رحمتیں اور برکتیں بھی ہماری معاون بن جائیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے قرآن نازل فرمایا لیکن اس نور سے استفادہ تقویٰ کی عدم موجودگی میں ممکن ہی نہیں چنانچہ قرآن کریم کے شروع میں فرما دیا گیا کہ اس کتاب میں متقین کے لیے ہدایت ہے۔ اسی مناسبت سے قرآن کے نزول والے بابرکت مہینہ ہی کو تقویٰ کی ترقی کے لیے مخصوص فرما دیا گیا، اسی لیے پورے عالم اسلام میں اس ماہ کے دوران کثرت کے ساتھ قرآن کی تلاوت اور سماعت کا اہتمام کیا جاتا ہے تا کہ روزے سے حاصل ہونے والی روحانی صلاحیت کی بدولت مومنین پر قرآن کی حقانیت روشن سے روشن تر ہوتی چلی جائے اور اسلام ان کے دلوں میں گھر کر جائے اور پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو کر اللہ کے انعام واکرام کے حق دار بن جائیں۔

ماہ صیام کی تربیت اگر پورے اہتمام اور ظاہری اور معنوی لوازمات

کی کامل پابندی کے ساتھ مکمل کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ سال کے باقی گیارہ مہینوں میں اس کے اثرات قائم نہ رہیں۔ اگر کبھی تقویٰ میں کمزوری محسوس ہونے لگے تو نفلی اور سنت روزہ سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ **الصوم الجنۃ** ''روزہ ایک ڈھال ہے'' تو مومن کو چاہیے کہ اپنے حقیقی دشمن یعنی شیطان کے حملوں کو روکنے کے لیے اس دفاعی ہتھیار کو پوری قوت اور شدت سے استعمال بھی کرے۔ جب بھی شیطان کی طرف سے کسی حرام کام کے ارتکاب کے لیے دل میں وسوسہ پیدا ہو تو مومن کو چاہیے کہ ماہ رمضان کے دوران ضبطِ نفس کی تربیت کو یاد رکھے۔ یہ لمحہ مومن کے ایمان اور تقویٰ کے امتحان کا ہوتا ہے۔ جو مومن بندہ ماہ رمضان میں اپنے ربّ کے حکم پر روزے کے دوران حلال رزق اور جائز جنسی خواہشات سے بھی اپنے آپ کو روک لیتا ہے اس کے لیے کسی حرام فعل کا ارتکاب یا اللہ کی معصیت سے اپنے آپ کو باز رکھنا تو آسان تر ہوتا ہے، ایسے ہی کردار کے حامل لوگ متقین کہلاتے ہیں اور آخرت میں جنت کی نعمتیں بھی متقین کے لیے ہی وقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو رمضان المبارک کی برکتوں سے کامل طور پر مستفیض فرما کر متقین اور مقربین میں شامل فرمائے۔ آمین!

روزے روز روز نہیں آتے

جب تک زندگی کا مقصود اور اسلام کی حقیقت معلوم نہ ہو تو تقویٰ کی
اہمیت سمجھ میں آ سکتی ہے نہ ہی رمضان المبارک کی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی محبت اور بندگی کے لیے پیدا فرمایا۔ حیات ارضی کے دوران اس کی حقیقی کامیابی کا دارومدار اس امر پر ہے کہ وہ بھرپور دنیوی زندگی بسر کرتے ہوئے دنیا اور متاع حیات کی محبت میں نہ پھنسے بلکہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرے اور دنیا کے مقابلے میں آخرت کی زندگی کو ترجیح دے۔ دین اسلام کی فرض عبادات کا مقصود اہل ایمان میں یہی جذبہ پیدا کرنا اور اسے ترقی دے کر کمال تک پہنچانا ہے۔ یہی تقویٰ کی حقیقی روح ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے دنیا و مافیہا کی محبت اور نفس کی ہوا و ہوس سے بچتا ہوا' اللہ کی محبت کو بڑھاتا چلا جائے اور مرتبہ احسان تک پہنچ کر اس کے مقربین کے زمرہ میں شامل ہو جائے۔ یہ تقویٰ ہی کا کمال ہے جو مومن کو متاع غرور سے بے نیاز کر کے ایمان کی معراج تک پہنچا دیتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''سب برائیوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔'' اسی طرح اللہ کی محبت تمام نیکیوں اور خوبیوں کا منبع ہے۔

قرآن کریم میں اہل ایمان کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ
سے شدید محبت کرتے ہیں۔ قرآن ہی میں ارشاد ہوا ہے کہ آخرت ان متقین کے لیے ہے جو دنیا میں ظلم و ستم اور جبر کے ذریعے بڑائی کے خواہاں نہیں ہوتے بلکہ اس کے عاجز بندے اور اس کی مخلوق کے بے لوث خادم بن کر زندہ رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ آخرت کی کامیابی متقین کی ہے اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو

جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے اور اللہ متقین سے محبت کرتا ہے۔ اہل تقویٰ کی شان کے برعکس یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنی صلاحیتیں صرف دنیا کے حصول میں صرف کر ڈالیں یعنی تقویٰ کی راہ اختیار ہی نہ کی۔ اہل ایمان کو بھی یہ حکم دیا گیا کہ مال و اولاد کی محبت تمھیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے جو بھی ایسا کریں گے وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

قرآن کریم کے شروع میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اس کتاب سے رہنمائی اور ہدایت انہی لوگوں کو عطا ہو گی جو تقویٰ والی زندگی بسر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے تقرب کے حصول کے خواہاں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام نعمتیں انسان کے لیے ہی پیدا فرمائی ہیں تاکہ وہ انہیں کام میں لائے اور اپنے ربّ کے احسانات تسلیم کر کے اس کی شکرگزاری کا رویہ اپنائے اور اس کی محبت کی راہ میں برابر آگے بڑھتا چلا جائے۔ تقویٰ کا تقاضا بس یہ ہے کہ دنیا کے مال و متاع کی محبت میں پھنس کر اللہ کو نہ بھولے۔ حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر کعب الاحبار نے تقویٰ کی صفت کے اظہار کے لیے ایک نہایت بلیغ مثال بیان فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ ''جس طرح خار دار جھاڑیوں کے درمیان واقع کسی راستہ پر چلتے ہوئے انسان اپنی چادر سمیٹ کر چلتا ہے کہ مبادا کانٹوں میں الجھ جانے سے پھٹ جائے اور وقت بھی ضائع ہو، یہی تقویٰ کی مثال ہے۔'' یوں سمجھ لیں کہ انسان نے اللہ تعالیٰ کی محبت کی خلعت اوڑھ کر ایک بھاری امانت قبول کر لی جس کے اٹھانے سے زمین، آسمان اور پہاڑ عاجز آ گئے تھے۔ اب کامیاب انسان وہی ٹھہرے گا جو اس خار دار حیات میں اللہ کی محبت کی چادر کو صحیح و سالم اور بے داغ لے کر گزر جائے۔ یہ کٹھن منزل صرف تقویٰ کے بل بوتے پر ہی طے کی جا سکتی ہے۔ اب آپ غور فرمائیں کہ رمضان المبارک کے روزوں کی غرض و غایت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ اس سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے اہل ایمان گزشتہ امتوں کی طرح تم پر بھی روزے فرض کر دیئے گئے ہیں تاکہ تم تقویٰ حاصل کر سکو۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی

کہ تقویٰ کے حصول کے لیے روزہ ہی بہترین، لازمی اور یقینی ذریعہ ہے اور اسی وجہ سے ہر دور کے انسانوں کی تربیت کے لیے اسے فرض قرار دیا گیا ہے۔

تقویٰ کے دو جزو ہیں پہلا ماسوئی اللہ کے کانٹوں سے اپنا دامن بچانا

اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی محبت کی راہ میں آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔تقویٰ کی تقویت کے لیے سالانہ روزوں کے تربیتی کورس میں ان دونوں پہلوؤں کو پوری اہمیت دی گئی ہے۔ایک طرف پورا دن بھوکا پیاسا رکھنے کا اہتمام ہے تاکہ اہل ایمان کھانے، پینے اور جنسی جبلتوں کو ترک کر کے یہ ثابت کردیں کہ ہم اپنے محبوب حقیقی کی رضا کے لیے سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔ان حلال چیزوں سے اپنے نفس کو روکنے کی مشق سے غرض و غایت یہ ہے کہ تقویٰ کا وہ ملکہ حاصل کیا جائے جس کی مدد سے ہر اس چیز سے بچا جا سکے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو۔حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جسم کے تمام اعضاء کا روزہ ہے اور جس نے جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے سے کوئی غرض نہیں۔آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں بھوک اور پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ گویا ماکولات و مشروبات سے رکنے کی مشق کا اصل مقصد اپنے سرکش نفس کو لگام ڈالنا اور منکرات سے باز رکھنا ہے۔یہ امر صوم یعنی روزے کی بنیادی حقیقت ہے کیوں کہ صوم کے لفظی معنی کسی چیز سے باز رہنا ہے۔دوسری عبادات میں کچھ کام کرنے کے ہوتے ہیں لیکن روزے میں ان کے برعکس اپنے آپ کو چند کاموں سے روک کر رکھنا ہوتا ہے۔یہ Self control یعنی ضبط نفس کی تربیت کا انتظام کیا گیا ہے۔

ماہ رمضان کے روزوں کے اس پہلو کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی

محبت کو فروغ دینے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے نماز تراویح، نوافل، مالی صدقات اور قرآن کریم کی کثرت کے ساتھ تلاوت کا حکم دیا گیا ہے۔سحری کے وقت بیدار ہو کر نماز تہجد کی خصوصی برکات حاصل کرنے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں تمام دنیوی سرگرمیاں قطع کر کے اللہ کے گھروں میں معتکف ہو جانے کی بھی ترغیب دی

گئی ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سمیٹ لی جائے۔ دین اسلام کے اس سالانہ روحانی تربیتی نظام سے اگر کما حقہ استفادہ کیا جائے تو دوسرے کسی چلے اور مجاہدے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

قرآن کریم کے نزول والے مہینہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے
ہمیشہ کے لیے خصوصی برکتوں اور رحمتوں کے نزول کا مہینہ بنا دیا ہے۔اس ماہ کی نفلی عبادت سے فرضوں کی ادائیگی کا ثواب ملتا ہے اور فرائض کا اجر ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔اس کا ظاہری ثبوت تو اس ماہ مبارک میں اہل ایمان کی جوش و خروش کے ساتھ صوم و صلوٰۃ کی پابندی ہے۔ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت سے ملی ہوئی اس روحانی سہولت سے حقیقی فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی کوتاہیاں اور خامیاں دور کر لیں تا کہ اللہ کا مزید قرب حاصل کر سکیں۔اگر ہم سچے دل سے سدھرنے کا ارادہ کر لیں تو اس ماہ کی برکت سے باہر سے کوئی شیطانی طاقت ہماری راہ میں رکاوٹ نہیں ڈالے گی۔لیکن اگر ہمارا اپنا ارادہ ہی یہ ہو کہ ایک ماہ کی بھوک پیاس کی مشقت کے بعد عید کے روز اپنی گزشتہ روش کی طرف لوٹ جانا ہے پھر تو معاملہ کی نوعیت ہی مختلف ہوگئی۔اللہ تعالیٰ انہی کی مدد فرماتے ہیں جو اپنی مدد آپ کرنے کی ہمت کرتے ہیں۔وہ ہماری حالت کو صرف اسی صورت میں بدلتے ہیں جب ہم خود اپنے نفسوں کو بدلنے کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔

اگر ہمیں اللہ کی محبت کی فکر ہو،میدان حشر میں اس کے سامنے پیشی کی
فکر ہو،اس کی رضا و رحمت اور جنت کی سچی طلب ہو تو سب مہینوں کا یہ سردار مہینہ اللہ تعالیٰ کی ایک بیش بہا نعمت ہے۔جو رحمتیں رمضان شریف میں نازل ہوتی ہیں وہ دوسرے مہینوں میں بھلا کہاں نصیب ہو سکتی ہیں۔

رمضان المبارک کے روزوں کی برکتوں کا مقابلہ پورے سال کے
روزے بھی نہیں کر سکتے۔ایسے روزے روز روز نہیں آتے یہ مہینہ اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت طلب کرنے اور عفو و درگزر کے لیے التجائیں کرنے کا ہے اس لیے ہمیں چاہیے کہ

پوری ہمت صرف کر دیں۔قلت طعام ومنام کی مشق کے ساتھ ساتھ کثرت ذکر، کثرت تلاوت قرآن، کثرت درود شریف، کثرت صدقات اور سرکشی کی روش ترک کر دیں اور ہمارے اندر صراط مستقیم پر چلنے،اخلاق کا تزکیہ کرنے اور اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنے کا جذبہ اس قدر قوی اور بلند ہو جائے کہ سال بھر کے لیے کافی ہو جائے۔ ہر کورس اور تربیتی مشق کا اصل ہدف انسانوں کی سوچ اور ان کے کردار میں تبدیلی لانا ہوتا ہے۔ہمیں بھی چاہیے کہ ہم عید کے دن اپنے قلب ونفس کا جائزہ لیں کہ کیا واقعی ہمارے اندر تقوی کی مطلوبہ قوت پیدا ہو گئی ہے۔اگر جواب اثبات میں ہو تو اس بات پر اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کیوں کہ مہینہ بھر کی محنت کا یہ ثمر اللہ تعالی کا خصوصی انعام ہے۔یہی اصل عید اور عید کا حقیقی پیغام ہے کہ ماہ شوال کا چاند ہمیں ایک بدلا ہوا انسان پائے۔

فاقہ نہ کریں روزہ دار بنیں

انسان کی اپنی بنائی ہوئی مشینوں کو بھی وقفوں کے بعد دیکھ بھال کی
ضرورت ہوتی ہے۔ ہر اچھا ادارہ اپنی مصنوعات کے خریدار کو ایک کتابچہ مہیا کرتا ہے جس
میں دی گئی ہدایات پر اگر پوری طرح عمل کیا جائے تو نہ صرف مشین بہترین کارکردگی
دکھائے گی بلکہ اس کی عمر بھی طویل ہوگی۔ ایک موٹر کار کی مثال ہی لے لیں۔ اس کے لیے
کچھ ہدایات پر روزانہ عمل کرنا پڑتا ہے۔ کچھ امور ایسے ہوں گے جنہیں ہفتہ وار شیڈول میں
شامل کیا گیا ہوگا۔ اسی طرح کچھ ٹیسٹ مرمت اور اوور ہالنگ کا کام سال بعد یا چند ہزار میل
کی مسافت طے کرنے کے بعد کیا جانا لازمی قرار دیا گیا ہوگا۔ اگر یہ سب کام صانع کی
ہدایات کے عین مطابق انجام دیئے جائیں تو گاڑی ٹھیک ٹھاک کام کرتی رہے گی۔ آج کل
گاڑیاں بنانے والی کمپنیاں دنیا بھر میں گاہکوں کی سہولت کے لیے اپنے نمائندے بھی بھیجتی
ہیں جو گاڑیوں کا مفت معائنہ کر کے مناسب مشورے دیتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالٰی نے بنی نوع انسان کی اصلاح کے لیے اس سے بھی اچھا
انتظام کر رکھا ہے دنیا و آخرت میں کامیابی کے حصول کا راستہ بتانے کے لیے اللہ تعالٰی نے
اپنے نمائندے جنہیں رسول کہا جاتا ہے ہر قوم کی طرف بھیجے اور ہر ایک کو مطلوبہ ہدایات کی
کتاب بھی عطا کی۔ انہوں نے اپنی قوموں سے اس کام کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا۔
انہوں نے اللہ کی طرف سے نازل کردہ احکام کے مطابق انسانوں کو حیات آخرت اور خیرو
شر کی حقیقت سے آگاہ کر کے شریعت کے قانون پر عمل کی دعوت دی۔ جس میں ایک
فہرست ''اوامر'' کی ہوتی ہے یعنی ایسے کام جو اللہ تعالٰی کو پسند ہیں اور ان پر عمل کرنے سے

انسان دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جاتا ہے۔ دوسری قسم کے اعمال کو "نواہی" کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہیں اور اس لیے پسند نہیں ہیں کہ وہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے دور ہٹا کر نفسانی خواہشات اور سفلی لذات میں پھنسا کر جہنم میں لے جانے کا سبب بنتے ہیں۔ اس لیے ان سے بچنا بھی انسان کے لیے بہت ضروری ہے۔ شریعت پر کاربند رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بھی اعمال کو روزانہ، ہفتہ وار اور سالانہ اقسام میں بانٹ دیا ہے۔ روزانہ میں اہم ترین رکن پنج وقتہ نماز ہے۔ اس کے علاوہ درود شریف اور قرآن کریم کا پڑھنا اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر کرنا ہے۔ ہفتہ وار نماز جمعہ ہے اور ذکر کی مجالس میں شرکت ہے۔ جو ارکان ایک سال کے وقفہ کے بعد ادا کیے جاتے ہیں ان میں حج، قربانی، زکوٰۃ اور ماہ رمضان کے روزے ہیں۔

روزے کو عربی میں صوم کہتے ہیں اور اس کی غرض و غایت اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی ہے کہ اہل ایمان میں تقویٰ پیدا ہو جائے۔ صوم اور اتقا دونوں کے معنی کسی چیز سے بچنے یا رک جانے کے ہیں۔ یہی جذبہ یا جوہر ایک مومن کو قوانین شریعت کی دوسری قسم یعنی "نواہی" سے بچانے میں مدد دیتا ہے۔ اسلام کی دوسری فرض عبادات میں تو کچھ اعمال بجالانے پڑتے ہیں لیکن روزہ ان سب سے بالکل مختلف ہے کیوں کہ روزہ دار کو کچھ کرنے کی بجائے بہت سے اعمال سے اپنے آپ کو روکنا ہوتا ہے جس میں بظاہر تو سحر سے شام تک کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات کی مکمل ممانعت ہے لیکن اصل روزہ اللہ تعالیٰ کے تمام ناپسندیدہ کاموں سے اپنے آپ کو بچا کر رکھنا ہے۔ اس طرح روزہ صرف پیٹ کا نہیں ہوتا بلکہ زبان، آنکھ، کان اور جسم کے ہر عضو کا ہوتا ہے۔ یہی روزہ کی حقیقت ہے اور یہی اس کا مقصود ہے۔ اگر مقصود حاصل نہ ہو تو روزہ ایک جسد بے روح کی طرح بے قدر و قیمت بن کر رہ جاتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے وہ ارشادات ہماری راہنمائی کے لیے کافی ہیں جو آپ نے صوم کی حقیقت کے اظہار کے لیے فرمائے۔ ہم چند احادیث مبارکہ کا ترجمہ تحریر کر رہے ہیں۔ انہیں آپ پوری توجہ سے پڑھیے اور ان پر عمل پیرا ہو کر ماہ صیام کے دوران اپنے اندر

انقلابی قوت پیدا کریں، جس کا نام تقویٰ ہے۔

۱۔ جو روزہ کی حالت میں جھوٹ اور جہالت کے کام نہیں چھوڑتا تو اللہ تعالیٰ کو اسکی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔ (بخاری)

۲۔ روزہ کھانے اور پینے سے رکنے کا نام نہیں ہے روزہ تو لغو باتوں اور برے کاموں سے بچنے کا نام ہے۔ (بیہقی)

۳۔ روزہ دار صبح سے شام تک اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہوتا ہے جب تک وہ کسی کی برائی نہ کرے اور جب وہ برائی کرتا ہے تو اپنے روزے کو پھاڑ ڈالتا ہے۔ (دیلمی)

۴۔ جب تم میں کسی کا روزہ ہو تو وہ بد گوئی کرے نہ شور وغل کرے اگر کوئی اسے برا کہے یا اس سے لڑائی کرے تو اسے کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ (ابن ماجہ)

قارئین کرام! یہ ہے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا سکھایا ہوا روزہ جسے سپر یعنی ڈھال فرمایا گیا ہے اور بلا شبہ ایسی ڈھال ہے جو مومن کو دنیا میں شیطان کے حملوں اور نفس کی شرارتوں سے محفوظ رکھتی اور اس طرح آخرت میں جہنم کی آگ سے بچاتی ہے۔ روزہ دار کا ہر لحظہ اس فکر میں گزرتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو۔ وہ خود اپنا محاسب بن کر اپنے جسم کے سارے اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکنے کے لیے مستعد ہو جاتا ہے۔ اس طرح مسلسل ایک ماہ کی کڑی تربیت سے مومن روزہ دار اس قابل ہو جاتا ہے کہ اپنے سرکش نفس کو لگام ڈال کر ''نواہی'' یا ''منکرات'' سے بچ سکے اور جب عید کا چاند نظر آئے تو اس کے لیے یہ نوید لے کر آئے کہ اس کے تقویٰ کا مطلوبہ معیار حاصل ہو گیا ہے۔ رمضان المبارک کی برکات سے مومن کے قلب میں تقویٰ کی قوت اس قدر بڑھ جانی چاہیے کہ پورے سال تک اس کے اعمال پر اس کا اثر قائم رہے۔ جس طرح ایک گاڑی جس کا مکمل اوورہال کر دیا گیا ہو وہ ایک خاص مدت تک کوئی مسئلہ پیدا

کے بغیر ٹھیک ٹھیک سروس دیتی ہے ۔یہ کیفیت اسی صورت میں حاصل کی جا سکتی ہے جب ہم حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے فرمودات پر عمل کرتے ہوئے رمضان المبارک میں صرف فاقہ نہ کریں بلکہ روزہ دار بنیں تاکہ ایک ماہ کی ربانی تربیت سے ہمارا نفس امارہ سے ترقی کر کے مطمئنہ کے مقام پر پہنچ جائے اور ہم صحیح معنوں میں تقویٰ والے مومن بن جائیں ۔اگر ماہ صیام کی اس پر از حکمت تربیت سے بھی روزہ داروں کے دلوں کے اندر تقویٰ کو تقویت نہ مل سکی تو پھر ہم حضور ﷺ کی اس حدیث کا مصداق بن کر رہ جائیں گے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

> کتنے روزہ دارہ ہیں جو روزے سے بجز فاقے کے کچھ حاصل نہیں کر پاتے اور کتنے تہجد گزار ہیں جن کو بیداری کے سوا کچھ فائدہ نہیں۔
>
> (سنن ابن ماجہ)

عیداور تجدید عہد

خوش بخت ہیں وہ انسان جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان کی دولت ملی اور مقصود حیات سے آگاہی نصیب ہوئی۔ان کے دلوں میں اپنے معبود اور محبوب کی بندگی کا ذوق اور اس کی رضا کی طلب گھر کر گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کی اطاعت کو فلاح دارین کا وسیلہ جان کر صراط مستقیم پر گامزن ہو گئے۔اہل ایمان کے لیے ان کی منزل آسان فرمانے کے لیے اللہ رحیم وکریم نے اپنی رحمت سے چند عبادات فرض قرار دے رکھی ہیں اور اللہ کے بندے پورے اہتمام،ادب واحترام اور ذوق وشوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔وہ اس حقیقت کو تسلیم کر لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادات کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے،یہ تو اس کی خاص رحمت ہے کہ اپنے قرب ولقاء کے حصول کے طریقے انبیائؑ کے توسل سے انسانوں کو بتا دیئے ہیں۔ان فرض عبادات میں سے ماہ رمضان کے روزوں کی بھی خاص اہمیت ہے۔

اہل ایمان اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی منزل کے مسافروں کے لیے بہترین زادراہ تقویٰ ہے۔اس راہ کے سالکوں کے لیے قرآن مجید میں مکمل ہدایات موجود ہیں لیکن انہیں متقین ہی سمجھ پاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے اور آخرت کی نعمتیں بھی متقین کے لیے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان اپنے قلوب کو تقویٰ کے نور سے مزین کرنے کی خاطر ہر سال ماہ رمضان المبارک کا استقبال ذوق وشوق سے کرتے ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تقویٰ ہی کو روزے کا مقصود قرار دیا ہے۔اس خصوصی مہینہ کا چاند نظر آتے ہی اہل ایمان

میں اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا نیا ولولہ پیدا ہو جاتا ہے اور ان کی زندگی کے معمولات یکسر بدل جاتے ہیں۔ وہ اپنے نفسوں کو آلائشوں سے پاک کرنے کے لیے خصوصی مجاہدہ کی بھٹی میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ منکرات سے بچنے کے ساتھ ساتھ دلوں کو جلا بخشنے والے اعمال میں بھی حتی الامکان اضافہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ فرض نمازوں اور زکوٰۃ کے علاوہ نوافل، صدقات اور تلاوت قرآن کی کثرت اس ماہ کو دین کی بہار کا موسم بنا دیتی ہے۔

اس سالانہ تربیت کورس کے دوران اللہ تعالیٰ کی رضا کے متلاشی اپنے
آقا و مالک کے حکم پر زندگی کی ناگزیر اور حلال ضروریات کو بھی ترک کر دیتے ہیں تا کہ تقویٰ کا جوہر اس مقام پر پہنچ جائے کہ ہر اس چیز جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند اور اس کے قرب و رضا میں مانع ہے' سے بچنا سہل ہو جائے۔ اس روحانی تربیت کے نظام پر غور فرمایئے کہ پورا ایک ماہ مخصوص اوقات کے دوران میں حلال چیزوں سے رکے رہنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ لیکن اس کی غرض و غایت منکرات و محرمات سے بچنا ہے۔ روزہ کے دوران روٹی پانی اور جنسی تسکین جو کہ حیات انسانی کی بقا کے لیے نہایت ضروری ہیں' سے منع کر دیا جاتا ہے لیکن ان پابندیوں سے مقصود جھوٹ، غیبت اور خیانت وغیرہ نقصان رساں عادات سے چھٹکارا دلانا ہے۔ یہ بات ذہن میں بٹھا لینی چاہیے کہ روزے کا حقیقی مقصد صرف بھوکا اور پیاسا رہنے سے پورا نہیں ہوتا جب تک زبان، آنکھ، کان اور دوسرے تمام اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی معصیت سے روک لینے کا ملکہ پیدا نہ کیا جائے۔ تعلیم و تربیت کا مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کی سوچ اور طرز عمل میں تبدیلی لائی جائے۔ بھوک اور پیاس تو حقیقی روزہ کی یاد دہانی کرائے رکھنے کا ایک پر حکمت ذریعہ ہے اس لیے ہر مومن کو اس نیت اور مصمم ارادہ کے ساتھ روزہ رکھنا چاہیے کہ مجھے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند بنانا ہے۔ گویا شکم کا روزہ ایک لحاظ سے روحانی محتسب کا کردار ادا کرتا ہے اور مومن کے دل میں تقویٰ کے جوہر کو تقویت دے کر اسے اللہ کی نافرمانی سے روک لیتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے

قلب مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ التقوی ہاہنا "تقوی یہاں ہے،تقوی یہاں ہے۔" حضور ﷺ نے حقیقت صوم کوواضح کرنے کے لیے ارشادفرمایا "اگر روزہ دار مومن کوکوئی گالی دے تو اسے چاہیے کہ جواب میں صرف یہ کہے کہ میں روزے سے ہوں۔" ان ارشادات کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ روزے سے مقصود اصلاح قلب اور ضبط نفس ہے۔

قرآن کریم کے نزول اور حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے اعلان نبوت والے پر انوار مہینہ کے روزوں سے ایمان وعمل میں جونکھار پیدا ہوتا ہے وہ کسی دوسرے مہینہ کے روزوں سے ممکن نہیں ہے۔مہینہ بھر کی یہ بظاہر کٹھن مشقت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی رحمت سمیٹنے اوراس کا قرب حاصل کرنے کا نادر موقع ہوتا ہے لیکن آخر کارایک دن ماہ شوال کا چاند افق پرطلوع ہوکر ماہ صیام کے اختتام کا اعلان کرتا ہے اور مومنین ایک اہم فرض کی بجا آوری پرایک دوسرے کومبارک باد دیتے اور عید کے دن اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پرسجدہ شکر بجا لاتے ہیں۔اس روز اہل ایمان محسوس کرتے ہیں کہ رمضان المبارک کے انوارو برکات نے ان کے قلوب کی حالت بدل کررکھ دی ہے۔یہ پر مسرت موقع روزے رکھ کر انہیں بھول جانے کا نہیں ہوتا بلکہ اپنے معبودومحبوب سے تجدید عہد کرنے کا ہوتا ہے۔اس عہد کی تجدید جو روزالست اس کواپنا مالک اور رب تسلیم کر کے کیا تھا۔اس عہد کی تجدید کا جو کلمہ طیبہ پڑھ کراس کے احکام کی اطاعت اوراس کے رسول ﷺ کے اتباع کا کیا تھااوراپنی جان اوراپنا مال اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کر دیئے تھے۔اس روز اس عزم کی تجدید کرنی چاہیے کہ اللہ کے دین پر پہلے سے بھی زیادہ ذوق وشوق سے عمل کریں گے۔عید کے مبارک دن ہمیں اپنے خالق ومالک سے یہ دعا کرنی چاہیے:

> اے ہمارے پروردگارہمیں سال کے بقایا حصے یعنی ماہ شوال سے
> شعبان تک کے عرصہ میں بھی تقویٰ اختیار کرتے ہوئے حرام چیزوں
> سے بچنے اوراپنی رضا اوراپنی رضا والے اعمال سرانجام دینے کی

توفیق عطا فرما۔ ہمیں اپنے نفسوں کی شرارت اور شیطان کے مکرو فریب سے اپنی پناہ عطا فرما۔ اپنا فضل و کرم ہر وقت ہمارے شامل حال فرما تا کہ تیری رحمت سے ہم بھی تیرے صالح اور مقرب بندوں میں شامل ہو سکیں۔ آمین یارب العالمین!

تزکیہ نفس

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیۡ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (۱)

میں اپنے نفس کو پاک صاف نہیں کہتا کیوں کہ نفس تو انسان کو برائی ہی سکھاتا ہے مگر یہ کہ میرا ربّ رحم کردے بے شک میرا ربّ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت مبارکہ میں انسانی نفس کی خلقی فطرت کا اظہار کیا گیا ہے اسی میں سرکشی اور نافرمانی کی جبلّت موجود ہے وہ انسان کو مادّی اور عارضی لذات کے حصول کے لیے اکساتا اور برائی کی ترغیب دیتا ہے۔ جو انسان نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ جائے وہ راہِ راست سے ہٹ جاتا اور آخر کار نقصان اٹھاتا ہے البتہ وہ لوگ جو اپنی خواہشات کو اپنے ربّ کی قیود و حدود کے اندر محدود کر لیتے ہیں۔ وہ سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرتے ہیں، اسی پر توکل کرتے اور اس کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل ہو جاتی ہے اور شیطان انہیں آسانی سے اپنے جال میں نہیں پھانس سکتا۔ چنانچہ سورۃ النحل میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّهٗ لَيۡسَ لَهٗ سُلۡطٰنٌ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ۔ اِنَّمَا سُلۡطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يَتَوَلَّوۡنَهٗ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِهٖ

---

(۱) سورۃ یوسف: ۵۳

مُشْرِكُوْنَ۔ (۱)

شیطان کا ان لوگوں پر کچھ زور نہیں چلتا جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔اس کا زور ان پر چلتا ہے جو اس کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

ایسے مومنین صادقین کے نفوس بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے ذریعے تزکیہ حاصل کر کے نفس امارہ سے نفس لوامہ بنتے اور آخر کار نفس مطمئنہ کے مقام پر فائز ہو جاتے ہیں ۔اس طرح اللہ ان سے راضی ہو جاتا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو جاتے اور اس کی جنت میں داخل کر لیے جاتے ہیں۔

تزکیہ نفس ہر انسان کا بنیادی مسئلہ ہے کیوں کہ اسی پر اس کے اخلاق و کردار اور دنیا و آخرت میں کامیابی کا دارومدار ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (۲)

جس نے نفس کا تزکیہ کیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ نا کام و برباد ہو گیا۔

انسانی زندگی کا حسن و قبح اسی پر منحصر ہے اگر کسی نے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی محبت کی کٹھالی میں تپا کر کثافتوں سے پاک کر لیا اور اس کے رسول ﷺ کے اسوہ حسنہ کے سانچے میں ڈھال لیا تو وہ مقبولِ بارگاہ بن گیا۔ہدایت و ضلالت کی انسانی تاریخ اسی کہانی کو دہراتی چلی آ رہی ہے کہ جس انسان کے نفس کی اصلاح ہو جائے وہ انسانیت کے لیے سلامتی اور رحمت کا باعث بن جاتا ہے اور جو اللہ کی حاکمیت کو نظر انداز کر کے اپنے نفس کا غلام بن جائے وہ کسی درندے سے کم نہیں ہوتا بلکہ درندے سے کہیں زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے کیوں کہ درندے کی خواہش تو محدود سی ہوتی ہے جس کے پورا ہونے پر وہ جلدی ہی

---

(۱) سورۃ النحل: ۱۰۰-۹۹

(۲) سورۃ الشمس: ۱۰-۹

مطمئن ہو جاتا ہے لیکن جو اپنے نفس کا بندہ اور شیطان کا کارندہ بن جائے اس کی لامحدود درندگی عظیم تباہی کا باعث بن جاتی ہے۔ ایک بگڑے ہوئے انسان کی پیدا کردہ تباہی کے دائرے کا انحصار اس کی طاقت اور اختیار پر ہوتا ہے جو اسے حاصل ہو۔ درحقیقت انسان کے کردار کا اصل امتحان اسی وقت ہوتا ہے جب اسے اختیار حاصل ہو۔ (ایسے ہی انسانوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قوت و اختیار انسان کو آمرو جابر بنا دیتی ہے اور مکمل قوت و اختیار اسے مکمل آمرو جابر بنا دیتے ہے۔) حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل کو دیکھ لیجیے کہ محض اپنے نفس کی خواہش کی خاطر اپنے بھائی کو قتل کر کے نوع انسانی میں خون ریزی کی ابتدا کی۔ اس کے بعد فرعون و ہامان اور شداد و نمرود کا وجود بگڑے ہوئے نفوس کے ہاتھوں میں قوت کے ارتکاز کے مظاہر کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ حقیقت ہر دور میں اپنے آپ کو بے نقاب کرتی چلی آ رہی ہے اور اپنی خدائی کے دعوے کرنے والے آج بھی موجود ہیں۔

علامہ محمد اقبالؒ نے قوت کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لادیں ہو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک (1)

یعنی جب حکومت اور قوت ایسے افراد کے ہاتھ میں ہو گی جو بے دین ہوں اور اللہ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کو نہ مانتے ہوئے خواہشات نفس میں گرفتار ہو چکے ہوں تو ان کے اقتدار سے زمین پر قتل و غارت ہو گی اور فتنہ و فساد پھیلے گا۔ یہی قوت اگر اہل ایمان کے ہاتھوں میں ہو گی تو وہ اس کے بل بوتے پر حکومتِ الٰہیہ کا نفاذ کر کے زمین کو عدل و مساوات اور محبت و اخوت سے بھر دیں گے۔

نفس کے اندر بڑی قوت ہے لیکن اصل معاملہ اس قوت کا رخ بدل کر اسے تعمیری کاموں میں لگانے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ کی مکی جدوجہد کی مخالفت میں دو شخصیتیں بڑی ممتاز تھیں ایک عمر بن خطاب اور دوسری عمر بن

---

(1) ضرب کلیم

ہشام۔ اللہ تعالیٰ کے نظام حکمت کے تحت جب عمر ابن خطاب کو ہدایت نصیب ہوئی اور حضور ﷺ کے فیضِ نبوت سے تزکیہءِ نفس نصیب ہوا تو ان کی زبان حق کی ترجمان بن گئی اور عمر فاروقؓ کہلائے اور دوسرا عمر جو ابوالحکم یعنی دانائی کا باپ کہلواتا تھا اس کا لقب ابوجہل ایسا مشہور رہوا کہ لوگ اس کا اصل نام ہی بھول گئے۔

بس یوں سمجھ لیں کہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سب سے بڑی رکاوٹ اس کا اپنا نفس ہی ہے۔ شیطان انسان کے ساتھ نفس کی بدولت ہوتا ہے۔ نفس شیطان کے لیے گھر کے بھیدی کا کردار ادا کرتا ہے۔ تمام خواہشات کا منبع نفس ہے اور شیطان انسان کے اندر اس کی خواہشات کے واسطے ہی سے داخل ہوتا ہے۔ کسی بزرگ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ آپ سے ملنے کا کیا طریقہ ہے تو ارشاد ہوا کہ اپنے نفس کی پیروی چھوڑ دے اور میرے پاس آ جا۔ انسان کے اس مادی دنیا کے ساتھ تعلقات اپنے نفس کے لیے ہی ہیں اور گناہ اور نافرمانی کے سارے کام بھی اسی کی خاطر انجام دیتا ہے۔ اس نصیحت سے مراد نفس کشی یا نفس کو مارنا نہیں بلکہ اسے سنوارنا ہے۔ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''شیطان ہر انسان کے اندر اس کے خون کی طرح رواں دواں ہے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میرے ساتھ بھی ہے لیکن میں نے اسے مسلمان کر لیا ہے'' اس سے معلوم ہوا کہ کمالِ انسانیت اس سرکش کو اللہ تعالیٰ کا مطیع بنالینا ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است
زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی
کشتۂ شمشیر قرآنش کنی

ابلیس کو مارنے کا کام بہت مشکل ہے کیوں کہ وہ تو دل کی گہرائیوں کے اندر چھپا ہوا ہے اس لیے بہتر راہ یہی ہے کہ قرآنی احکام اور شریعت کی تلوار سے اسے

مطیع کرلو۔یعنی ہر وہ خواہش جو قرآن کے خلاف ہو، اسے سختی کے ساتھ دبا دو۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جس طرح سرکش اونٹ کو بوجھ اور سفر کی مشقت سے کمزور کیا جاتا ہے اسی طرح اپنے نفسوں کو اللہ کے ذکر کی کثرت سے کمزور کرو۔

اس لیے اس کے سچے طالبوں کے لیے یہی نصیحت ہے کہ شریعت کے پابند رہیں اور اللہ والوں کی صحبت اور محبت اختیار کریں اور چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اللہ کو اپنے دل میں یاد رکھیں۔یہ کوشش کریں کہ کوئی سانس اللہ کی یاد کے بغیر نہ لیا جائے۔نفس کی اصلاح اور اللہ کے قُرب کے حصول کا یہی مستند طریقہ ہے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ نمرود و فرعون بھی انسان تھے۔اولادِ آدم میں سے تھے لیکن نفس کی شرارت اور بغاوت نے انہیں کس انجام کو پہنچایا۔ہمارے اندر بھی ویسا ہی نفس ہے اگر احتیاط کے ساتھ اس کی اصلاح نہ کی جائے تو یہ نہایت ہی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔شیخ سعدیؒ نے فرمایا:

نفسِ ما ہم کمتر از فرعون نیست

آں کہ اُو را عون ما را عون نیست

یعنی میرا نفس بھی فرعون کے نفس سے کسی طرح کم نہیں ہے اس میں بھی اسی طرح کی سرکشی اور بغاوت کا جذبہ ہے اور یہ کسی دوسرے کو اپنا حاکم ماننے کو تیار نہیں ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ فرعون کو خدائی کا دعویٰ کرنے کے لیے دولت، حکومت اور شان وشوکت سب میسر تھے اس لیے اس نے اس کا اظہار کر دیا لیکن مجھے ان میں سے کوئی چیز بھی حاصل نہ ہے اس لیے یہ شریف بنا بیٹھا ہے۔

انسان کا نفس ہی خواہشات کا منبع ہے۔اس دنیا میں انسان نے جو بھی ترقی کی ہے تسخیر و تعمیر کے جو کارنامے انجام دیئے ہیں، سائنس جن ایجادات پر فخر کرتی ہے، وہ سب خواہشات ہی کی عملی تعبیر ہے اور خوب سے خوب تر کی جستجو پتہ نہیں ابھی کیا کیا گل کھلائے گی۔انسان کو یہ اعزاز نفس کی خواہشات اور تدبر و تفکر کے ذریعے فطرت کی

قوتوں کو تسخیر کر لینے کی استعداد کی بدولت حاصل ہوا ہے۔انسان کے علاوہ نباتات اور حیوانات میں کوئی شے ایسی نہیں ہے جس میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ ماحول میں تبدیلی کر کے اپنی زندگی کو ارتقا کی راہ پر ڈال سکے۔یہی وجہ ہے کہ حیات کی لاکھوں برس پر محیط طوالت کے باوجود ان کے انداز و اطوار میں یکسانیت اور جمود ہے لیکن انسان کا حال بقول علامہ محمد اقبالؒ یہ ہے کہ:

جو تھا نہیں ہے، جو ہے نہ ہوگا، یہی ہے اک حرفِ محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی، اسی کا مشتاق ہے زمانہ (۱)

یہ تو اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے نفس کا مثبت پہلو ہے۔اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اس کا مطمحِ نظر صرف مادی لذات اور سفلی جذبات ہیں جو کہ حیوانات میں بھی پائی جاتی ہیں۔نفس کی یہ بہیمیت یعنی حیوانی خصلت بڑی سرکش ہے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے راستے میں حدود و قیود اس کو بڑی گراں لگتی ہیں، وہ بے لگام ہو کر اپنی خواہشات کے پیچھے اس طرح دوڑنا چاہتا ہے کہ آنکھوں پر حرص اور ہوا و ہوس کی پٹی بندھی ہو اور دوسروں کے حقوق اور ان کی عزت کو پامال کرتا ہوا اپنا ہدف حاصل کر لے اور ہر سو جنگل کے قانون کی فرماں روائی ہو اور لوٹ کھسوٹ کا میدان گرم رہے، یہ ہے نفس کی فطری شرارت کی صفت، جس کی وجہ سے اس کے لیے فرمان جاری ہوا:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ (۲)

بے شک نفس تو برائی کا حکم ہی دینے والا ہے۔

بے روک ٹوک خواہشات کے پیچھے بھاگنے کی وجہ سے ہی زمین پر فساد پھیلتا ہے۔فرد فرد پر اور قومیں دوسری قوموں پر ظلم کرتی ہیں۔یہ نفس کی حرص کا ہی نتیجہ ہے کہ تعلیم و ترقی کے باوجود بنی نوع انسان ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔ایک دوسرے کا خون

---

(۱) بالِ جبریل

(۲) سورۃ یوسف:۵۳

چوسنے اور کمزور قوموں کے استحصال کے مکروفن کو سیاست وحکمت کا نام دے دیا گیا ہے۔ یہی وہ آزادیِ افکار ہے جسے بجا طور پر ابلیس کی ایجاد کہا جاتا ہے اور اسی کی وجہ سے عالمی امن کا خواب پورا ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا ہے کہ ایک ہی باپ کی اولاد ہونے کے ناطے سے ہر انسان دوسرے کو اپنا بھائی سمجھے۔ ہر طرف اخوت ومحبت کی فراوانی ہو۔ کوئی کسی کو دکھ یا رنج نہ پہنچائے۔ ہر کوئی بھلا ہی سوچے، بھلا ہی کہے اور بھلا ہی کرے۔ اس کے لیے ضروری ہے انسانوں کی زندگی کے ہر پہلو کو افراط وتفریط سے بچا کر عدل کی بنیاد پر قائم کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے رحیم وکریم ربّ تعالیٰ نے جو نظامِ حیات اپنے دین کی صورت میں عطا فرمایا اس کا مقصود ہی عدل کا قیام ہے۔ اس وقت ہمارا موضوع نفس اور اس کی خواہشات ہیں جنہیں اعتدال پر رکھنے کے لیے قرآن کریم میں جو ہدایات دی گئی ہیں ان میں سے چند ایک ملاحظہ ہوں:

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (۱)

خواہش کی پیروی نہ کرنا وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۲)

جو حرصِ نفس سے بچ گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ (۳)

یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے چل رہے ہیں۔

---

(۱) سورۃ ص:۲۶

(۲) سورۃ الحشر:۹

(۳) سورۃ محمد:۱۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (۱)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نفس کی اندھا دھند پیروی سے روکتے ہوئے ارشاد فرمایا **جَاهِدُوْا اَهْوَائِكُمْ كَمَا تُجَاهِدُوْنَ اَعْدَائِكُمْ** "اپنی خواہشات کے خلاف اسی طرح جہاد کرو جس طرح اپنے دشمنوں سے جہاد کرتے ہو۔" انسان اگر اس شرارتی نفس کو فروخت کرنا چاہے تو اسے شاید کوئی خریدار نہ ملے لیکن وہ ہستی جس نے اسے پیدا کیا ہے وہ اس کے عوض میں بڑی اچھی قیمت دینے کو تیار ہے۔ اسے فروخت بھی وہی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرتے اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت جعفر صادقؒ کا قول ہے: میں اس نفس نفیس کا سودا اس کے رب سے کرتا ہوں۔ ساری کائنات میں اس کا اور کوئی معاوضہ نہیں ہوسکتا۔ یہ اتنی قیمتی چیز ہے کہ اس سے جنت خریدی جاسکتی ہے۔ اگر میں اس سے کم تر بیچوں تو بہت بڑا خسارہ ہے۔ اگر میں نے اپنی جان دنیا کے حصول میں ضائع کر دی تو میں نے اپنے نفس کو بھی برباد کر دیا اور قیمت بھی ضائع کر دی۔

یہ منافع بخش سودا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت کیا جاتا ہے جو سورۃ التوبہ میں ارشاد ہوا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کی جانیں اور ان کے مال

---

(۱) سورۃ البقرہ:۲۰۸

(۲) سورۃ التوبۃ:۱۱۱

جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔

اس آیت مبارکہ کے مطابق دین اسلام کی حقیقت یہی ہے کہ مومن اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کے سپرد کردے، اپنی خواہشات کو قرآن وسنت کے تابع کردے اور من مرضی کی روش کو ترک کر کے صراط مستقیم پر گامزن ہو جائے۔ اسی حقیقت کو رسول ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا کہ:

> لوگ جب صبح کرتے ہیں تو ان کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ اپنے نفس کو خرید کر آزاد کر دیتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے نفس کو فروخت کر کے ہلاک کر دیتے ہیں۔

(۱) رواہ قرطبی

شکر کی حقیقت

بانی سلسلہ نے ہمیں قرآن کریم کی با قاعدہ تلاوت اور اس میں تفکر و
تدبر کرنے کا جو طریقہ تجویز فرمایا اس پر جو بھائی عمل پیرا ہیں ان پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا بہت ہی
کرم ہے اور وہ اخلاق و کردار کے لحاظ سے برابر ترقی کر رہے ہیں ۔قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ
نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے آسان بنایا ہے۔ اس میں اپنی الوہیت،
واحدانیت اور حاکمیت کے حق میں جو دلائل دیئے ہیں وہ بالکل عام فہم اور بڑی آسانی سے
ذہن نشین ہو جانے والے ہیں۔اللہ نے اپنی الوہیت ثابت کرنے کے لیے دقیق قسم کے
فلسفیانہ اسرار وغوامض بیان کرنے کی بجائے ان مظاہر فطرت کی طرف توجہ مبذول کرائی
ہے جن سے ہر کس و ناکس کا ہر روز واسطہ پڑتا ہے اور معمولی سمجھ بوجھ والا انسان بھی سطحی غور
وفکر کے نتیجہ میں گمراہی کے اندھیروں سے نکل کر ایمان کی روشن شاہراہ پر گامزن ہو سکتا
ہے۔

ایمان کی طرف رہنمائی کے لیے اللہ بار بار ان نعمتوں کا ذکر فرماتے
ہیں جو انسان کی ذات کے اندر ودیعت فرمائیں اور جو خارج میں اس کی زندگی کی ابتداء و
بقاء،تعمیر وترقی، فلاح و بہبود اور سہولت و یسرت کے لیے عنایت فرمائیں تا کہ شعوری طور پر
ان نعمتوں کا بھی احساس و ادراک ہو جائے اور ہم اللہ کی عطاؤں اور نوازشوں کے دل کی
گہرائیوں سے معترف ہو جائیں اور اس کی وسیع رحمت، ان گنت مہربانیوں اور انسانیت
کے ساتھ بے پناہ محبت کی قدر جان جائیں۔ اپنے رحیم و کریم آقا کی عنایات میں اپنے
آپ کو اس طرح گھرا محسوس کریں کہ دل کی گہرائیوں سے اس کی حمد و ثنا کے سوتے پھوٹ

نکلیں۔اس طرح کی دلی کیفیت اور احسان شناسی کی روحانی لذت کو شکر کہا جاتا ہے اور حقیقت میں شکر ہی ایمان کا بیج ہے۔اسی سے دل میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صحیح قدر و منزلت اور محبت وعظمت پیدا ہوتی اور بڑھتی ہے اسی حکمت کے تحت اللہ تعالیٰ نے سورت الاعراف میں حکم صادر فرمایا ہے کہ میری نعمتوں کو یاد کرتے رہا کرو کہ یہی فلاح کی راہ ہے۔

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۱)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرتے رہا کرو، تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے شکر یعنی نعمتوں کی قدر شناسی اور اللہ کا احسان ماننے کو ایمان پر مقدم رکھتے ہوئے فرمایا:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا (۲)

اگر تم قدر شناسی کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔اللہ تو قدر پہچاننے والا اور جاننے والا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا عرفان ہی ایمان لانے کا سبب بنتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن میں عموماً شکر کا لفظ کفر کے مقابلے میں آیا ہے۔ کفر کے لغوی معنی تو چھپانے کے ہیں اور اصطلاحی معنوں میں اللہ کی نعمتوں کا اعتراف نہ کرنا۔اس کے احسان پر پردہ ڈالنا اور اپنے قول وفعل سے اللہ کی اطاعت نہ کرنا کفر کہلاتا ہے۔المختصر اللہ کی نعمتوں کی قدر شناسی اور اس کی عطاؤں کے لیے احسان مند ہونا شکر ہے اور ناقدر شناسی ہی کفر ہے۔سورۃ لقمان کی آیت ہے۔

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ (۳)

---

(۱) سورۃ الاعراف:۶۹

(۲) سورۃ النساء:۱۴۷

(۳) سورۃ لقمان:۱۴

یہ کہ تو شکر کر میرا اور اپنے والدین کا۔

اس میں جو حکم ہوا ہے کہ اپنے والدین کا شکر کر اس کا یہی مطلب ہے کہ دل سے ان کا احسان مان کر ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو۔ ان کی خدمت کرو اور ان کے سامنے تواضع کرو۔ نہ یہ کہ زبان سے والدین کا شکریہ ادا کرتے رہا کرو۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان عام طور پر اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی قدر دانی کے معاملہ میں نہایت ہی بے حس اور غافل واقع ہوا ہے۔ صرف صحیح قسم کی سوچ اور تربیت کے ذریعہ ہی سے ان نعمتوں کا احساس و عرفان ممکن ہے۔ انسان کو جس چیز کا احساس ہی نہ ہو وہ گویا اس کے لیے موجود ہی نہیں۔ ایک مادرزاد اندھے کے لیے رنگوں کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اسی طرح سماعت سے محروم انسان کے لیے ساز و آواز کی دنیا کالعدم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مکمل طور پر بہرہ بچہ آواز سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے بول بھی نہیں سکتا کیوں کہ جب اسے الفاظ سنائی ہی نہیں دیتے تو وہ ان کی نقل نہ کر سکنے کی وجہ سے کوئی زبان کس طرح سیکھ سکتا ہے حالانکہ اس کے صوتی نظام میں کسی قسم کی خرابی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کے احساس اور قدر شناسی کے باب میں بھی انسان غفلت کی وجہ سے عموماً اندھا اور بہرہ رہتا ہے۔ قرآن پاک میں تو آیا ہے کہ تم اگر اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو تم ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ جو نعمتیں احاطہ علم میں ہی نہ آ سکیں تو ان کے لیے شکر ادا کرنا کیونکر ممکن ہو گا لیکن جو نعمتیں انسان کے علم میں آ چکی ہیں ان کی قدر دانی کے معاملے میں بھی وہ بے حس ہو جائے تو ایسے ہی ہے گویا وہ نعمتیں اس کے لیے موجود ہی نہیں۔ جب شعور و ادراک کی یہ کیفیت ہو تو انسان اپنے محسن و منعم مولا کا شکر گزار بندہ کیونکر بن سکتا ہے اور جب شعور بیدار ہو تو انسان پھلدار ٹہنی کی طرح اللہ کے سامنے جھکتا ہی چلا جاتا ہے۔ ایسے انسان کا دل کھانا کھاتے، پانی پیتے، سواری کرتے، مناظر فطرت دیکھتے الغرض ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو محسوس کرتا اور شکر گزاری کے جذبات سے سرشار رہتا ہے۔

حضور افضل البشر حبیب خدا ﷺ جن پر اللہ نے نعمتوں کی تکمیل

فرمائی راتوں کا اتنا قیام فرماتے ہیں کہ پائے مبارک متورّم ہو جاتے۔ جب جاں نثاروں نے عرض کیا کہ حضورﷺ آپ اس قدر مشقت کیوں اٹھاتے ہیں تو نعمتوں کا شعور رکھنے والی سرکار نے فرمایا کہ کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ سُبحَانَ اللّٰہِ اَلصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلٰی حَبِیبِ اللّٰہِ انسان کی بے حسی اور غفلت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ رحیم وکریم نے محض اپنے فضل و کرم سے جو ان گنت نعمتیں عطا کر رکھی ہیں، انہیں ہم اپنی پیدائش کے وقت مسلسل دیکھتے آنے کی وجہ سے ان کے عادی ہو جاتے ہیں اور غلط فہمی کی بناء پر ہم انہیں معمول کے مطابق ملنے والا اپنا حق سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے اللہ کا شکر ادا کرنا ضروری خیال نہیں کرتے۔ انسان اگر اپنے جسم پر ہی غور کرے تو اس کا ہر عضو خدائی صنعت کا عجوبہ اور قدرت کا کرشمہ ہے، جس کی قیمت ادا ہی نہیں کی جا سکتی۔ اللہ نے جو بے شمار صلاحیتیں اور ظاہری و باطنی حواس انسان کو عطا فرمائے ہیں، ان کا احسان چکایا ہی نہیں جا سکتا۔ اس طرح خارج میں زمین و آسمان کی پیدائش، دن رات کی تخلیق، موسموں کا تغیر و تبدل، کرہ ارض پر پانی کا نزول اور اس کے ذریعے مردہ زمین پر حیات کی ابتداء، انواع و اقسام کے غلوں اور پھلوں کی پیدائش، مویشیوں کی سواریاں اور ان کے دودھ اور گوشت، کھالوں، بالوں اور اون کا استعمال اور ان کے علاوہ لکھوکھا عوامل کی ایک خاص ترکیب کے ساتھ موجودگی جن کے بغیر کرّہ خاک پر زندگی کا وجود اور تفصیل ممکن ہی نہیں تھی۔ ان کے ہم اس طرح عادی ہو چکے ہیں کہ انہیں ہم خدائے قدوس کی بخشش، عطا اور عنایت سمجھنے کی بجائے قانون فطرت یا کسی اور خوشنما اصطلاح کا نام دے کر غیر شعوری طور پر کفران نعمت اور کفر منعم کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں

اللہ کی نعمتوں کی قدر ناشناسی اور احسان فراموشی سب سے بنیادی

شیطانی پھندا اور ہمہ جہتی حملہ ہے اس لیے اس کھلے دشمن نے اللہ کے سامنے روزِ ازل ہی سے اعلان کر دیا کہ جس طرح میں ناشکری کی وجہ سے مردود ہوا اسی طرح یہ ہتھیار اولادِ آدم پر آزما کر اسے بھی شکر گزاری کی راہ سے ہٹا دوں گا۔ جب شکر کی روش کو ترک کر دے گا تو وہ صراطِ مستقیم سے ہٹ جائے گا۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ (۱)

شیطان نے کہا کہ جس بات سے تو نے مجھے گمراہ کیا میں بھی ان کے لیے تیرے راستے پر گھات لگاؤں گا پھر میں ان کے آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں سے حملہ آور ہوں گا۔ اور تو ان میں سے اکثریت کو شکر کرنے والا نہیں پائے گا۔

ابلیس نے حضرت آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ میں آدم سے بہتر ہوں کیوں کہ آدم کو تو نے مٹی سے بنایا اور مجھے آگ سے اور آگ مٹی سے بہتر ہے۔ یہ ابلیس کی کج فہمی اور بنیادی خطا تھی کہ اس نے اللہ کی عطا کو اپنا کمال خیال کیا۔ اس کی تخلیق آگ سے کی گئی تو یہ اللہ کی عنایت تھی لیکن اس نے اسے اپنی ذاتی فضیلت جان کر تکبر کیا تو راندۂ درگاہ ہو گیا اور اس طرح قارون نے اپنے مال و دولت کی فراوانی کا سبب اللہ کے فضل کی بجائے اپنے علم و ہنر کو گردانا تو عذاب میں مبتلا ہوا۔ اللہ کی عنایات کو اپنی ذاتی کوشش سے منسوب کرنا بھی ناشکری اور کفرانِ نعمت ہے اور اس سے عقیدے اور عمل کی بے شمار خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ بابا گورونانک جی نے رزق کے معاملے میں انسانی سوچ کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا:

دتا کھاویں ربّ دا تے آکھیں کھاناں کھٹ
اسے گلوں نانکا ہویوں چوڑ چپٹ

یعنی کھاتے تو ربّ کا دیا ہوا ہو اور کہتے ہو کہ خود کما کر کھاتا ہوں۔ اسی بات نے اے نانک تمہیں برباد کر ڈالا ہے۔

برادرانِ کرام! قرآن پاک کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) سورۃ الاعراف: ۷-۱۶-۱۷

کا انداز دعوت یہ ہے کہ وہ اپنی عطا کردہ نعمتوں کا بار بار ذکر کرتے ہیں۔ انداز بدل بدل کر تکرار کرتے اور انسانی ضمیر کو جھنجھوڑتے ہیں تاکہ وہ عہد الست کو یاد کر کے بیدار ہو جائے۔

یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ (۱)

اے انسان! اپنے ربّ کریم سے تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

تم اپنی ذات کے اندر اور اپنے اردگرد رونما ہونے والے مظاہر فطرت پر کیوں تدبّر نہیں کرتے۔ اگر ایسا کرو تو تمہارا ضمیر پکار اٹھے گا کہ ساری کائنات کا خالق و مالک اللہ ہے۔ اس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ وزیر نہ مشیر۔ وہ اکیلا ہے اور اس کے سوا کوئی ہستی بندگی کے لائق نہیں ہے۔ قرآن کی دعوت فکر اور استدلال کا انداز سمجھنے کے لیے چند آیات بمعہ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ مَالَکُمْ لَاتَرْجُوْنَ لِلّٰہِ وَقَارًا۔ وَقَدْخَلَقَکُمْ اَطْوَارًا۔ اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۔ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْھِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۔ وَاللّٰہُ اَنْبَتَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا۔ ثُمَّ یُعِیْدُکُمْ فِیْھَا وَیُخْرِجُکُمْ اِخْرَاجًا۔ وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا۔ لِّتَسْلُکُوْا مِنْھَا سُبُلًا فِجَاجًا۔ (۲)

تمھیں کیا ہوا ہے کہ اللہ کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح کا پیدا کیا ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے اوپر تلے سات آسمان بنائے ہیں اور چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین (مٹی) سے پیدا کیا ہے۔ پھر

---

(۱) سورۃ الانفطار:۶

(۲) سورۃ نوح:۱۳۔۲۰

اسی میں لوٹا دیتا ہے اور اس میں سے تم کو نکال کھڑا کرے گا۔ اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا تا کہ اس کے کشادہ راستوں پر چلتے پھرو۔

۲۔ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْ لَا تُصَدِّقُوْنَ۔ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ۔ ءَ اَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ۔ (۱)

ہم نے تم کو پیدا کیا تو تم اقرار کیوں نہیں کرتے دیکھو تو جس قطرہ کو تم ٹپکاتے ہو کیا تم اس سے انسان بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں۔

۳۔ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ۔ ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ۔ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ۔ (۲)

بھلا دیکھو تو جو کچھ تم بوتے ہو کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔

۴۔ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ۔ ءَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ۔ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ۔ (۳)

بھلا دیکھو تو جو پانی پیتے ہو کیا تم نے اسے بادل سے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری کر دیں پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے۔

۵۔ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ۔ ءَ اَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ

---

(۱) سورۃ الواقعۃ: ۵۹-۵۷

(۲) سورۃ الواقعۃ: ۶۵-۶۳

(۳) سورۃ الواقعۃ: ۷۰-۶۸

نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ۔ (۱)

بھلا دیکھو تو جو آگ تم جلاتے ہو اس کے درخت تم نے پیدا کیے ہیں یا ہم پیدا کرتے ہیں۔

۶۔ قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ۔ قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ (۲)

اگر اللہ قیامت کے دن تک رات طاری کر دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تم کو روشنی لا دے کیا تم سنتے نہیں اور اگر اللہ قیامت تک دن ہی رہنے دیں تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو رات لا دے کہ تم اس میں آرام کرلو تو کیا تم دیکھتے نہیں اور اس نے اپنی رحمت سے ہی بنایا رات اور دن کو تمھارے لئے تاکہ تم آرام کرو اور دن میں اس کا فضل تلاش کرو تاکہ احسان مانو یعنی شکر گزاری کرو۔

۷۔ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ۔ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا۔ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا۔ فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا۔ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا۔ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا۔ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا۔ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا۔ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (۳)

---

(۱) سورۃ الواقعہ: ۷۲-۷۱

(۲) سورۃ القصص: ۷۳-۷۱

(۳) سورۃ عبس: ۳۲-۲۴

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے پر غور کرے کہ یہ کیسے تیار ہوا اس کے لیے ہم ہی نے پانی برسایا۔ ہم ہی نے زمین کو پھاڑا اور اس میں اناج اگایا اور انگور اور ترکاری، زیتون اور کھجور کے درخت اور گھنے باغات اور پھل اور چارہ فائدہ ہے تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے لئے۔

۸۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ۔ (۱)

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ اس میں آرام کرو اور دن کو روشن بنا دیا بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے۔ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ یہی تمہارا پروردگار ہے جو ہر چیز کا خالق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو۔

۹۔ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ۔ وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ۔ لِیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ۔ (۲)

ان کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے جسے ہم نے زندہ کیا اور پھر اس میں سے اناج اگایا اور اسی میں سے یہ کھاتے ہیں اور اس میں کھجوریں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے اور اس میں چشمے جاری

---

(۱) سورۃ المومن: ۶۲-۶۱

(۲) سورۃ یٰسین: ۳۵-۳۳

کیے ہیں ۔تا کہ یہ ان کے پھل کھائیں اور ان کے ہاتھوں نے تو ان کو نہیں بنایا پھر یہ شکر کیوں نہیں کرتے ۔

۱۰ - اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۔ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا یَاْكُلُوْنَ ۔ وَلَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ۔ (۱)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جو چیزیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہیں ان میں چوپائے ہیں جن کے یہ مالک بنے ہوئے ہیں ۔ہم نے ان کو ان کے قابو کر دیا تو اب کوئی ان کی سواری ہے اور کسی کو یہ کھاتے ہیں ۔اور ان میں ان کے لئے دیگر فائدے ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں تو یہ شکر کیوں نہیں کرتے ۔

۱۱ - لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۔ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۔ (۲)

تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تا کہ ان کی پیٹھ پر چڑھ سکو ۔جب اس پر سوار ہو جاؤ تو اپنے پروردگار کا احسان یاد کیا کرو اور یوں کہو کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارے زیر فرمان کر دیا اور ہم میں طاقت نہ تھی کہ اس کو بس میں کر لیتے اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ۔

۱۲ - وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا

---

(۱) سورۃ یٰسین :۳۶ :۷۱-۷۳

(۲) سورۃ الزخرف :۴۳ :۱۲-۱۴

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۱)

اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے باہر نکالا تو تم کچھ نہ جانتے تھے۔ اس نے تمہارے لیے حصول علم کے ذرائع، کان، آنکھیں اور دماغ بنائے تاکہ تم احسان مانو اور شکر گزاری کرو۔

۱۳۔ **یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ** (۲)

اے اہل ایمان! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں انہیں کھاؤ اور اگر اللہ کے بندے ہو تو اس کا شکر بھی ادا کرو۔

الغرض اللہ تعالیٰ نہایت ہی آسان الفاظ اور دل میں اتر جانے والے پیرائے میں انسان کو دعوت فکر دیتا ہے تاکہ اس کی شکر گزاری کے احساس میں شدت پیدا ہو جائے اگر ہم خدا کی دوسری مخلوق پر غور کریں تو ان میں سے کئی ایک آنکھوں سے محروم ہیں اور کئی ایک کان نہیں رکھتے اور لاکھوں کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض زمین پر رینگ کر زندگی گزارتے ہیں اور ہزاروں چارپاؤں پر چلتے ہیں۔ اللہ نے انہیں نطق سے محروم رکھا ہے۔ کہ مافی الضمیر کا اظہار نہیں کر سکتے۔ خوشی میں ہنس اور غمی میں رو نہیں سکتے۔ ان کے مقابلے میں اپنے اعضا اور حواس پر غور کریں اور منعم حقیقی کی سپاس گزاری کریں۔ جانوروں اور اپنی خوراک کا موازنہ کریں اور اللہ کی حمد و ثناء کریں کہ کیسی کیسی لاتعداد اور نفیس، پاک صاف، خوش رنگ، خوش ذائقہ اور خوشبودار اشیاء انسان کے لیے پیدا فرمائیں اور ہمیں مختلف ذائقوں، رنگوں، خوشبوؤں اور آرزوؤں سے لطف اندوز ہونے کے لیے خاص قسم کے حواس عطا فرمائے۔ **فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ** (المومنون:۱۴)

---

(۱) سورۃ النحل:۷۸

(۲) سورۃ البقرۃ:۱۷۲

اللہ تعالیٰ نے کس قدر درست ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (۱)

اور ہم نے اولادِ آدم کو عزت عطا فرمائی ہے۔

اگر ہم ذرا سا بھی غور کریں تو ساری مخلوقات کے مقابلے میں لباس، خوراک، رہن سہن الغرض ہر میدان میں اللہ کے دیئے ہوئے اس اکرام اور فضیلت کو محسوس کریں گے۔ خدا کی ساری مخلوق اپنے پاؤں پر چلتی یا پروں کے سہارے اڑتی ہے۔ جنگل کا بادشاہ بھی پیدل ہی چلتا ہے۔ اور پرندوں کے شہنشاہ کو بھی سواری میسر نہیں۔ لیکن انسان کو سواری کے لیے جانور مسخر کر دیئے اور وہ سمجھ بوجھ عطا کی جس کے بل بوتے پر اس نے بحرو بر اور فضا میں سفر کے لیے تیز رفتار مشینیں ایجاد کر لیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے کرم سے انسان سے زیادہ طاقت ور لحیم وجسیم جانور حضرت انسان کو سواری اور دیگر فوائد کے لیے مسخر کر دیئے اللہ ہی نے پانی کو یہ فطرت عطا فرمائی کہ اس میں کشتیاں اور بڑے بڑے وزنی جہاز تیر سکیں، ہوا کو وہ خاصیت عطا کی کہ اس میں عظیم الجثہ ہوائی جہازوں کا وزن سہارنے کی قوت ہے۔ سطح زمین کے نیچے انسان کے استعمال کے لیے تیل کا ذخیرہ پیدا فرما کر محفوظ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو سوچنے، سمجھنے اور نت نئے تجربات کر کے اختراعات اور ایجادات کرنے کے قابل بنایا۔ جو لوگ قوانین فطرت کے مطالعہ اور تحقیق وتفتیش میں مصروف ہر وقت انسانیت کی بہتری کے لیے سوچتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کی رہنمائی اور مدد فرماتے ہیں۔ نئے اور اچھوتے خیالات ان کے ذہنوں میں ڈالتے رہتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کشتیوں اور دوسری سواریوں کی تخلیق کو اپنی طرف منسوب فرماتے ہیں۔ حالانکہ یہ بظاہر انسانی غور وفکر اور تجربات کے نتیجہ میں وجود میں آتی ہیں۔ سورہ یاسین میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل: ۷۰

وَ آيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ (۱)

ایک نشانی ان کے لیے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔

کشتی کے علاوہ دوسری سواریاں جو موجودہ دور میں عالم وجود میں آ چکی ہیں۔ وہ تو سب کو معلوم ہیں اور آنے والے ادوار میں اللہ جانے کیسے کیسے عجوبے ظاہر ہوں گے۔ قرآن پاک میں ایک جگہ یہ بھی آیا ہے کہ اللہ نے تمہیں پیدا فرمایا اور جو کچھ تم بناتے ہو اسے بھی۔ یعنی ہماری ایجادات اور مصنوعات بھی حقیقتاً اللہ ہی کی تخلیق ہیں۔ اسی لیے سواری پر بیٹھتے وقت پڑھنے کے لیے یہ دعا تعلیم فرمائی:

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ (۲)

پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے لیے مسخر کر دیا۔ ورنہ ہم میں طاقت نہ تھی کہ اسے بس میں کر لیتے۔

اگر آپ قرآن کریم کا غور سے مطالعہ کریں تو یہ بات واضح اور اظہر من الشمس ہوتی چلی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ انسان کو اس کی عطا کردہ نعمتوں کا ادراک و احساس ہو جائے اور وہ اپنے منعم اور محسن کی قدر پہچان کر اس کو حق مانے اور اپنے آپ کو اس کا بندہ یعنی غلام سمجھتے ہوئے مکمل خود سپردگی کے ساتھ اللہ وحدہ لاشریک اور اس کے بھیجے ہوئے رسول ﷺ کی اطاعت میں داخل ہو کر مسلم کہلوانے کا اعزاز حاصل کر کے فلاح دارین کا حق دار بن جائے۔ اولاد آدم سے ایسی ہی بندگی درکار ہے جو اللہ کی نعمتوں کا کامل شعور رکھتے ہوئے شکر و سپاس کے جذبے سے معمور دل اور اللہ کی عظمت و کبریائی اور اس کی معرفت اور محبت کے نشہ سے چور روح کے ساتھ ادا کی جائے نہ کہ نباتات و جمادات کی طرح وہ تسبیح جو کائنات کا ذرہ ذرہ طوعاً و کرھاً کر رہا ہے کیوں کہ انسان پر اطاعت کی راہ

---

(۱) سورۃ یٰسین: ۴۱

(۲) سورۃ الزخرف: ۱۳

جبراً مسلط نہیں کی گئی بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (۱)

ہم نے اسے راستہ بتادیا اب چاہے شکر گزار بنے یا ناشکرا۔

انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ دو راہوں میں سے جو راہ چاہے اختیار کر لے۔ چاہے تو احسان فراموشی، قدر ناشناسی اور کفران نعمت کا وطیرہ اختیار کر کے عذاب کا مستحق بن جائے اور چاہے تو اللہ کی نعمتوں کی قدر شناسی کرتے ہوئے اور اس کا احسان مانتے ہوئے کامل شعور کے ساتھ اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے۔ بقول علامہ محمد اقبالؒ:

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام
کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار (۲)

اگر چہ شکر یا کفر کی راہ کے انتخاب کا اختیار انسان کو سونپا گیا ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ جس پر ہمیشہ رحمت کا غلبہ رہتا ہے۔ اسے مغفرت اور جنت کی راہ کی طرف پکارتا رہتا ہے۔ انسان اگر تھوڑا سا بھی غور کرے تو اس کا سارا وجود، وجود کی ہر حرکت، دل کی ہر دھڑکن، سانس کی آمد و رفت، خوراک کا ہر لقمہ، پانی کا ہر گھونٹ، زندگی میں میسر ہر نعمت اور سہولت اللہ رحیم و کریم ہی کی عطا ہے اور شکر کی متقاضی ہے۔ حقیقی شکر یہ ہے کہ دل کی گہرائیوں سے اپنے خالق و مالک کی حمد و ثنا کرے اور ان گنت نعمتوں سے نوازنے والے رحیم کریم آقا کی مکمل اطاعت اور حضور نبی کریم ﷺ کی کامل اتباع میں زندگی بسر کرے۔ کیوں کہ یہی راہ نجات ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) سورۃ الدھر:۳

(۲) بالِ جبریل

وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ (۱)

اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے کرتا ہے اور جو ناشکری یعنی کفر کرتا ہے تو میرا پروردگار بے پروا اور عزت والا ہے۔

کیوں کہ شکر ہی سے ایمان و عمل میں نکھار پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور جو ناشکری یعنی کفر کی راہ اختیار کر لیتا ہے اس کے لیے تنگی کا جینا اور مرنے کے بعد جہنم میں ٹھکانہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد رکھیں کہ:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ(۲)

اگر تم شکر کرو گے ہم تمہیں نعمتیں دیں گے اور اگر ناشکری کی تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

اسی طرح ایک مشہور و معروف آیت میں حکم دیا گیا ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ (۳)

تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا اور میرا شکر کرتے رہو اور کفر ہرگز نہ کرنا۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہی شکر کی تاکید کی گئی ہے اور شکر کی ضد سے بچنے کو کہا گیا ہے غالباً اس ہدایت پر عمل کرنے کے لیے ہی نبی کریم ﷺ نے جو دعا تعلیم فرمائی وہ تحفہ خاص ہے اور اسے ہر نماز کے بعد پڑھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے **اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک** یا اللہ اپنے ذکر، اپنے شکر اور اپنی احسن بندگی کے لیے میری مدد فرما۔

---

(۱) سورۃ النمل:۴۰

(۱) سورۃ ابراہیم:۷

(۲) سورۃ البقرۃ:۱۵۲

توکل علی اللہ اور اطمینان قلب

میرے پیارے بھائیو! آپ کی خدمت میں مجھے اپنی طرف سے
چند گزارشات جو سلسلہ کی تعلیم سے ہی متعلق ہیں ،پیش کرنی ہیں تا کہ ہمارے اخلاق و کردار
مزید اچھے ہو جائیں اور ان میں اولیاء اللہ اور فقراء کا رنگ جھلکتا نظر آنے لگے۔ہم سب
اس حقیقت کو دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ کے حبیب ﷺ کا کامل اتباع کیے بغیر اللہ کی
محبت اور اس کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔شریعت کی ظاہری پابندی کے ساتھ ساتھ حضور
ﷺ کے باطنی اوصاف کا اتباع بھی نہایت اہم ہے۔آپ کا باطنی اتباع یہ ہے کہ اللہ کی
ذات پر کامل توکل کرتے ہوئے شیوہ تسلیم و رضا اختیار کیا جائے۔ہر مشکل اور مصیبت میں
اللہ کی قدرت اور تائید و نصرت کے بھروسہ پر دل کا مطمئن رہنا توکل علی اللہ کا شیریں ثمرہ
ہے اور اس کے بغیر ایمان کامل ہو ہی نہیں سکتا۔اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۱)

اللہ ہی پر توکل رکھو اگر تم مومن ہو۔

اسی طرح سورۃ یونس میں فرمایا:

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ (۲)

اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے بھائیو اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو

---

(۱) سورۃ المائدہ:۲۳

(۲) سورۃ یونس:۸۴

اس پر توکل بھی رکھو، اگر تم واقعی اطاعت گزار ہو۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اس کی تمام صفات اور اس کی قدرت اور طاقت پر توکل اور بھروسہ کرنا بھی اتنا ہی ضروری ہے کیوں کہ اس کے بغیر مومن میں اعلیٰ درجہ کی ایمانی، اخلاقی اور روحانی طاقت پیدا ہو سکتی ہے نہ ہی اطمینانِ قلب اور دائمی مسرت جیسی لازوال دولت ہاتھ لگ سکتی ہے۔ ایک مومن اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ تقدیریں بنانے اور بگاڑنے والا اللہ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ زندگی، موت، عزت، ذلت، صحت، بیماری، سکھ دکھ، امیری غریبی سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اسے اللہ کے فرمان کی صداقت پر پورا یقین ہوتا ہے۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۱)

آپ ﷺ مومنین سے کہہ دیجیے کہ ہمیں کوئی مصیبت آ ہی نہیں سکتی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ رکھی ہے۔ وہ ہمارا آقا ہے اور اللہ ہی پر مومنوں کو توکل رکھنا چاہیے۔

وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۲)

کفار انہیں اللہ کے اِذن کے سوا کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر توکل رکھیں۔

یعنی سب کچھ اللہ ہی کی مرضی سمجھتے ہوئے خوشی سے برداشت کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں:

---

(۱) سورۃ التوبہ: ۵۱

(۲) سورۃ المجادلہ: ۱۰

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (۱)

جو اللہ پر توکل کرتا ہے تو پھر اللہ ہی اس کو کافی ہے۔

اس لیے مومن اپنی تمام آرزوئیں اور امیدیں اللہ کے ساتھ وابستہ رکھتا ہے اور اس کے سوا کسی کی چوکھٹ کی طرف اس کی نظر اٹھتی ہی نہیں۔ جیسے جیسے نماز اور کثرت ذکر کی برکت سے اللہ کے ساتھ اس کا تعلق بڑھتا ہے ویسے ہی اللہ پر اس کا توکل بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ قرآن میں جا بجا ایمان باللہ اور توکل علی اللہ کا ذکر آپ کو ساتھ ساتھ ملے گا۔ توکل علی اللہ ہی وہ محفوظ قلعہ ہے جس میں داخل ہو کر بندہ مومن شرک جیسے ظلم عظیم اور شیطان جیسے عدو مبین سے پناہ میں آ جاتا ہے۔ قرآن مجید میں شیطان کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (۲)

شیطان کا زور ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

متوکل فقیر اس بات پر بھی ایمان رکھتا ہے کہ اللہ ان مصائب کے ذریعے مجھے تکلیف دینا نہیں چاہتا بلکہ ان آزمائشوں کے ذریعے میرے اندر اعلیٰ اوصاف پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ اپنی نعمتوں کی تکمیل کر دے۔ جس طرح فوج کے زیر تربیت افسران اپنی ٹریننگ کے دوران کڑی سے کڑی مشقت کمیشن ملنے کی امید میں خوشی خوشی برداشت کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ہمیں کسی غلطی کی سزا دینے کی خاطر ان کٹھن مرحلوں سے نہیں گزارا جا رہا بلکہ ہماری شخصیتوں کو ایک خاص سانچے میں ڈھالنے کے لیے خصوصی مشکلات پر مشتمل یہ تربیتی کورس مرتب کیا گیا ہے۔ اس کے بغیر وہ مطلوبہ اہلیت جو ملکی دفاع کی اہم

---

(۱) سورۃ الطلاق:۳

(۲) سورۃ النحل:۹۹

ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے ناگزیر ہے ہمارے اندر پیدا ہی نہیں ہوسکتی۔اسی طرح ایک مومن بھی راہ سلوک میں پیش آنے والی ہر مصیبت کو اللہ کی نعمت جانتے ہوئے ہر حال میں خوش رہتا ہے۔اخلاق و کردار کا یہ خصوصی معیار اللہ کے دوستوں اور فقیروں کے لیے ہے اور آپ سب کو ایسا ہی بنا پڑے گا۔اگر عوام کا سا اخلاق رکھنا ہو تو پھر کسی سلسلہ فقر میں شامل ہی کیوں ہوا جائے۔شاعر مشرق بندہ مومن کے بارے میں لکھتے ہیں:

ہوں آتش نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش
میں بندہ مومن ہوں نہیں دانۂ اسپند
ہر حال میں میرا دل بے قید ہے خرم
کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوق شکر خند (۱)

اسی طرح دنیوی رزق اور مال و دولت کے حصول کے لیے وہ اپنی سی کوشش ضرور کرتا ہے لیکن اس کی خاطر پریشان ہونا مومن کی شان کے خلاف ہے کیوں کہ اللہ کی اس یقین دہانی پر اس کا دل مطمئن ہوتا ہے کہ:

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (۲)

کوئی جاندار روئے زمین پر ایسا نہیں ہے مگر اسے روزی پہنچانا اللہ کے ذمے ہے۔

اللہ کا یہ فرمان بھی اس کی تسکین کا باعث بنتا ہے کہ

وَكَأَيِّن مِن دَآبَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۳)

بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔اللہ ہی ان کو

---

(۱) بال جبریل

(۲) سورۃ ھود:٦

(۳) سورۃ العنکبوت:٦٠

رزق دیتا ہے اور تم کو بھی، اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث مبارک اس کے پائے استقلال میں کبھی لرزش نہیں آنے دیتی کہ ''ہر انسان کو اس کی قسمت کا رزق مل کر رہتا ہے اور کسی انسان کو اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک وہ دنیا سے اپنا مقررہ رزق حاصل نہیں کر لیتا۔''

مومن کا یہ اندازِ فکر اس کی روح کو ہر دم تازہ رکھتا ہے اور وہ دورِ حاضر کی مادہ پرست تہذیب کے نظامِ تعلیم کی معاشی بھول بھلیوں اور جھوٹے معیارِ زندگی کے فریب کا شکار نہیں ہوتا جس کے بارے میں حکیم الامت نے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکرِ معاش
اس جنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا
جو یہ کہتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش (۱)

اللہ کے قرب و دیدار کا سچا طالب اس حقیقت کو بھی اپنے ذہن میں رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت کسی کو وافر اور کھلا رزق عطا فرماتے ہیں، کسی کو ناپا تلا دیتے ہیں اور کسی کو بعض اوقات ضروریات سے بھی کم رزق میسر فرماتے ہیں۔ وہ اپنے آقا کی حکمت کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے اور اس کے مقدر کے مطابق جتنی بھی روزی اس کو ملتی ہے اس پر ہی خوش رہتا ہے اس وصف کو قناعت کہتے ہیں کہ مستقبل کی بہتری کے لیے پوری کوشش کرتے ہوئے اپنی موجودہ حالت پر مطمئن اور سچے دل سے خوش رہا جائے۔ نہ کبھی غربت کا رونا رویا جائے نہ حالات کا شکوہ کیا جائے اور نہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کیا جائے۔ اہلِ قناعت کی شان میں کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے:

---

(۱) ضربِ کلیم

راضی برضا ہوتے ہیں اربابِ قناعت
وہ اپنا بھرم دستِ طلب سے نہیں کھوتے
دامانِ توکل کی یہ خوبی ہے کہ اس میں
پیوند تو ہو سکتے ہیں دھبے نہیں ہوتے

اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں اور قرب کے متلاشیوں کی رہنمائی اوران کے دلوں کوتقویت پہنچانے کی خاطر قرآن کریم میں جو آیات تقسیم رزق کی حکمت ظاہر کرنے کے لیے نازل فرمائیں ان میں سے چند ایک یہاں درج کر رہے ہیں تا کہ سالکین راہ خدا ہوا وہوس اوراونچے معیار زندگی کی حرص کے شیطانی پھندوں سے نکل کر محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابہؓ کی مانند مخلوق خدا کی خدمت اور اصلاح کے کام کو اپنی زندگی کا مشن بنالیں۔

۱۔ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ (۱)

اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے۔

۲۔ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً اَتَصْبِرُوْنَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا (۲)

اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کے لیے آزمائش بنایا ہے۔ کیا تم خوشی سے برداشت کرو گے اور تمہارا رب تو دیکھنے والا ہے۔

۳۔ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا وَّرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (۳)

---

(۱) سورۃ النحل:۷۱

(۲) سورۃ الفرقان:۲۰

(۳) سورۃ الزخرف:۳۲

ہم نے ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک دوسرے پر درجے بلند کیے تا کہ ایک دوسرے سے خدمت لے سکیں اور جو کچھ یہ جمع کرتے ہیں تمہارے رب کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے۔

۴۔ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌ بَصِيْرٌ (۱)

اگر اللہ اپنے سارے بندوں کے رزق میں فراخی کر دیتا تو زمین میں فساد کرنے لگتے لیکن وہ جو چیز نازل کرتا ہے خاص اندازے کے ساتھ نازل کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کو جانتا اور دیکھتا ہے

ایک مومن کی عقل سلیم ان حقائق اور حکمتوں کو تسلیم کر لیتی ہے اور اس کا قلب سلیم رزق کی تقسیم پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ وہ حیات ارضی کی حقیقت کو کما حقہ جان جاتا ہے اس لیے دنیوی آسائش کو سمیٹنے کی دوڑ میں دیوانہ نہیں ہو جاتا کہ ساری توانائی اس میں کھپا دے اور ہر جائز و ناجائز طریقہ اور لوٹ کھسوٹ سے متاع دنیا میں دوسرے لوگوں سے کسی طرح اونچا ہو جائے۔ وہ اللہ کے قرب کو اپنی منزل بنا لیتا ہے اور حیاتِ ارضی کی عارضی نعمتوں سے بے نیاز ہو کر مجاہدانہ اور مسافرانہ زندگی اپنا لیتا ہے۔ اس کا حقیقی پیار صرف اللہ سے ہوتا ہے اور اس کے سوا اس کی آنکھوں میں کچھ جچتا نہیں۔ جو لوگ اللہ کی محبت کے نایاب گوہر کو اس کے ماسویٰ کی محبت سے داغدار نہیں ہونے دیتے وہ دنیا کے متاع کے لیے حرص و طمع ترک کر دیتے ہیں اور زہد و تقویٰ اختیار کر کے اللہ کے دیئے ہوئے تھوڑے رزق پر ہی قناعت کر لیتے ہیں۔ اللہ ایسے صابر بندوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِی

---

(۱) سورۃ الشوریٰ: ۲۷

الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (۱)

وہ جو آخرت کا گھر ہے ہم نے اسے ان لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو زمین میں نہ تو بڑا پن چاہتے ہیں نہ ہی فساد اور بہتر انجام تو متقین کے لیے ہے۔

دین اسلام میں اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والی قوم کے لیے دنیا کی نعمتوں کو نہ تو یکسر نظر انداز کر کے انہیں ترک کر دینے کی تعلیم ہے اور نہ ہی زندگی کے حقیقی مقصد کو فراموش کر کے ان میں غرق ہو جانے کی اجازت ہے۔ امت مسلمہ مادی لذات سے ایک حد تک مستفید ہو سکتی ہے لیکن ان میں کھو نہیں سکتی کیوں کہ وہ جانتی ہے کہ اللہ کی رضا اپنی ذات کے لیے آسائشیں سمیٹنے میں نہیں بلکہ اللہ کی مخلوق کی خدمت میں ہے۔ اللہ کے دین میں انسان معاشی طبقات میں تقسیم نہیں کیے جاتے اور نہ ہی دولت کو عزت و فضیلت کا معیار بنایا جاتا ہے۔ بلکہ انسانیت کے احترام اور متقین کے اکرام کا درس دیا جاتا ہے۔ ایک عام مسلمان کو بھی وہی حقوق حاصل ہوتے ہیں جو امیر مملکت کو ہوتے ہیں۔ ان کی حکومت کا سربراہ انہیں میں سے ہوتا ہے اور انہیں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ مادی لذات، ظاہری شان و شوکت اور جسمانی آسائشوں کے معاملہ میں ایک عام آدمی و مسکین سے لے کر امیر المومنین تک کی طبیعت میں استغناء اور بے نیازی کا رنگ جھلکتا ہے۔ اسی کیفیت کو معراج مسلمانی قرار دیتے ہوئے اللہ کے فقیر علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا تھا:

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغناء میں معراجِ مسلمانی (۲)

علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک اسلام کا دوسرا نام ''فقرِ غیور'' ہے۔ ہر مومن اللہ کے دیئے ہوئے تھوڑے رزق پر بھی دل سے خوش رہتا ہے اور کسی بادشاہ کی

---

(۱) سورۃ القصص: ۸۳

(۲) بالِ جبریل

دولت وشوکت پر نہ حرص کی نگاہ ڈالتا ہے نہ اس سے مرعوب ہوتا ہے۔ حضرت رابعہ بصری کا ایک قول ہے کہ

> مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو راضی کرنا چاہتے ہیں مگر وہ خود اللہ تعالیٰ سے راضی نہیں ہوتے۔

جب ہم اس سے سچے دل سے راضی نہ ہوں تو وہ جو دلوں کا حال جاننے والا ہے ہم سے کیسے راضی ہوگا۔ بانی سلسلہ توحیدیہ نے پہلے لکھی گئی قرآنی آیات کی روشنی میں رزق کی تقسیم پر صبر کرنے اور ہر حال میں خوش رہنے کی نصیحت کرتے ہوئے اپنے پانچویں خطبے میں تحریر فرمایا ہے:

> اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کسی کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی مرضی سے ہے تو اے سالکان راہ خدا! تم اللہ کی مرضی پر خوش کیوں نہیں رہتے اور اس کی مرضی کو اپنی مرضی کے تابع کیوں کرنا چاہتے ہو۔(۱)

میرے توحیدی بھائیو! میں توکل علی اللہ اور راضی برضا رہنے پر اس لیے بار بار زور دے رہا ہوں تاکہ آپ فکر معاش سے نکل کر فکر میعاد میں لگ جائیں اور اپنی اور اپنے مسلمان بھائیوں کی اصلاح کے لیے اپنا وقت لگا سکیں۔

---

(۱) چراغ راہ

محفوظ سفر

ہر حکومت کی یہ بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے ملک کے باشندوں کے مال و جان کی حفاظت کے لیے مناسب انتظامات کرے۔ اگر حکومت مسلمانوں کی ہو تو کفار کو ایمان کی دعوت دینا اور اہل ایمان کے ایمان کی حفاظت کرنا بھی اس کے اہم ترین فرائض میں شامل ہوتا ہے۔ انسان اپنی ضروریات زندگی کی خاطر شروع ہی سے سفر کرتا چلا آ رہا ہے اور سفر کو وسیلہ ظفر بھی گردانا جاتا ہے۔ اسی لیے قدیم دور کے نیک دل بادشاہ مسافروں اور تجارتی قافلوں کی حفاظت اور سہولت کے لیے معروف گزرگاہوں پر کنویں اور سرائیں تعمیر کرواتے تھے اور رہزنوں کی سرکوبی کا انتظام کرتے تھے تاکہ مخلوق خدا کو راحت اور حفاظت میسر ہو اور وہ بے خوف و خطر اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائے۔ موجودہ دور میں سفر کی سہولتوں میں حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے۔ ہر سُو خشکی کے علاوہ بحری اور ہوائی سواریوں کا دن رات تانتا لگا رہتا ہے۔ جیسے جیسے ٹریفک کا ہجوم بڑھا اور نئے نئے مسائل نے جنم لیا تو حکومتوں کو بے شمار قوانین بنانا پڑے اور ان پر عمل درآمد کے لیے کئی محکمے کھڑے کرنے پڑے۔ مسافروں کی سہولت اور ٹریفک کو رواں دواں رکھنے کے لیے سنگ میل، سائن بورڈ اور روشنی کے سگنل نصب کیے گئے۔ موٹر وے، بائی پاس روڈ، انڈر رو ے اور رفلائی اوور تعمیر کیے گئے۔ اہم جگہوں پر ٹریفک کے سپاہیوں اور خاص خاص گزر گاہوں پر گشتی پولیس کی تعیناتی کا انتظام کیا گیا۔

زمینی ٹریفک کے علاوہ بحری اور ہوائی جہازوں کی ٹریفک کو محفوظ بنانے کے لیے بین الاقوامی سطح پر قانون سازی کی گئی اور عمل درآمد کے لیے متعدد تنظیمیں

وجود میں لائی گئیں ۔ان انتظامات پر حکومتیں اربوں روپے سالانہ خرچ کرتی ہیں ۔مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ حادثات سے دوچار ہوئے بغیر اپنی اپنی منزل پر پہنچ جائیں ۔یہ تمام انتظامات عوام الناس کی فلاح کی خاطر کیے جاتے ہیں ۔اگر سب لوگ ان قوانین کی اہمیت کو سمجھیں اور سچے دل سے ان کا احترام کریں تو ٹریفک کے حادثات نہ ہونے کے برابر رہ جائیں کیوں کہ قوانین کی خلاف ورزی ہی حادثات کی سب سے بڑی وجہ ہوتی ہے ۔اگر کوئی حکومت صرف ایک دن کے لیے ٹریفک قوانین معطل کر کے یہ اعلان کر دے کہ اس دن کوئی پولیس ملازم ڈیوٹی پر نہیں ہوگا اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کی جائے گی تو ایک ہی دن میں کثرت سے حادثات کی وجہ سے جان و مال کا جو نقصان ہوگا اس کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے ۔تمام قوانین انسانوں کی سہولت اور حفاظت کے لیے بنائے جاتے ہیں اور ان کی پابندی کرانے کے لیے ترغیب و ترہیب دونوں طریقوں سے کام لیا جاتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا حکمران ہے اور کرۂ ارض پر بسنے والے تمام انسان اسی کی رعایا ہیں ۔وہ تمام انسانوں کا خالق ہے اور اپنی مخلوق سے بے پناہ محبت کرتا ہے ۔اس اتھاہ محبت کی وجہ ہی سے اس نے پورا اہتمام کر رکھا ہے کہ اولادِ آدم حیاتِ ارضی کا مادی سفر تمام حادثات سے محفوظ رہ کر کامیابی سے طے کر کے اپنی منزل مقصود کو پالے ۔اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی رحمت سے بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لیے تمام قوموں کی طرف اپنے برگزیدہ بندوں یعنی رسولوں کو بھیجا جنہوں نے نہ صرف انسانوں کو یہ حقیقت بتائی کہ تمہارا مقصودِ حیات اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا کا حصول ہے بلکہ انہیں منزل تک پہنچنے کے لیے اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم بھی بتائی اور ان کی سہولت کی خاطر اس تعلیم پر عمل کر کے اسوہ حسنہ قائم فرما دیا ۔انہوں نے انسانوں کو ان تمام ممکنہ کوتاہیوں ،لغزشوں اور خطاؤں کی تفصیل بھی بتا دی ،جن کی وجہ سے طالبانِ حق سست رفتار یا بالکل ہی بے کار ہو کر رہ جاتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی محبت سے ہٹانے اور گمراہ کرنے والے شیطان اور

اس کے کارندوں کی فریب کاریوں سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے قدم بقدم صراط مستقیم پر آگے بڑھتے چلے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر کے اس کی جنت میں داخل ہو جائیں اور یہی حقیقی اور عظیم کامیابی ہے۔ یہ سارا انتظام اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری عبادت اور بغاوت ہر دو سے بے نیاز ہے۔ اگر ساری دنیا مومن بن جائے یا کافر ہو جائے اسے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم کوئی بھی عمل کریں گے اس کا فائدہ یا نقصان اور آخرت میں اس کی جزا یا سزا اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق ہمیں ہی ملے گی۔ شریعت الٰہیہ میں کچھ کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ اوامر کہلاتے ہیں' ان کی پابندی سے دلوں کو نور عطا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی منزل کی طرف سالک کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ ان کے برخلاف جن کاموں سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے وہ نواہی کہلاتے ہیں۔ ان سے انسان کا دل سیاہ اور سینہ بے نور ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے چراغ کی روشنی کم تر ہوتی چلی جاتی ہے اور آخر کار شیطان اسے دنیا کی محبت اور نفسانی خواہشات کے جال میں پوری طرح جکڑ کر اندھیروں میں گمراہ کر دیتا ہے اور وہ اپنی منزل کھو دیتا ہے۔ جس طرح ٹریفک کے قوانین کی پابندی نہ صرف ہمارے اپنے لیے منزل پر جلد اور بحفاظت پہنچنے کی ضمانت ہوتی ہے بلکہ دوسرے مسافروں کے لیے بھی سکون اور سہولت کا ذریعہ بنتی ہے۔ اسی طرح جو انسان اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے اور اللہ کے دین کے مطابق اپنی زندگی گزارتے ہیں وہ نہ صرف خود پر وقار، پر مسرت اور پر اطمینان زندگی گزارتے اور دونوں جہانوں میں سرخرو ہوتے ہیں بلکہ وہ اپنے آس پاس اور راہ راہ گرد بسنے والے انسانوں کے لیے محبت و مروت اور رحمت و رافت کے علمبردار بن کر ان کی اصلاح و خدمت کے کاموں میں لگے رہتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت ہی سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

اس کے برعکس جس طرح کوئی شراب کے نشے میں مخمور یا لاپرواہ

ڈرائیور، ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کر کے نہ صرف اپنی جان کو خطرات سے دوچار کرتا ہے بلکہ دوسروں کے مال و جان کے نقصان کا باعث بنتا ہے اور ٹریفک کے نظام کو درہم برہم کرنے کا مجرم قرار پاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے شرعی قوانین کی خلاف ورزی کرنے والا انسان شیطانی توہمات اور نفسانی خواہشات کی دلدل میں پھنس کر خوف وحزن سے معمور زندگی گزارتا اور آخرت میں اس ناکامی کی سزا بھگتتا ہے۔

شریعت الٰہیہ کے خلاف انسان کا انداز فکر اور طرز عمل معاشی اور معاشرتی خرابیوں اور جرائم کو جنم دیتا ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی زمین پر فساد پھیلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صاحبِ ارادہ اور صاحبِ اختیار پیدا فرما کر اپنے انبیاء علیہم السلام کے توسط سے اسے سراپا رحمت اور فلاح دارین کا ضامن مکمل نظام حیات عطا فرما دیا ہے۔ اب ہماری دنیا و آخرت میں کامیابی یا ناکامی کا انحصار اس امر پر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بندگی والی راہ کا انتخاب کرتے ہیں یا من مرضی والی یعنی کفر کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۃ الدہر اور سورۃ المزمل میں فرما دیا ہے:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (۱)

یہ قرآن تو نصیحت اور یاددہانی ہے سو جو چاہے وہ اپنے ربّ کی طرف پہنچنے کا راستہ اختیار کرلے۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے پھر بھی وہ اپنی بے پایاں رحمت کے غلبہ کے سبب ہمارے لیے کفر کی بجائے ایمان ہی کو پسند فرماتا ہے۔

چنانچہ سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا:

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ (۲)

---

(۱) سورۃ الدہر: ۲۹، سورۃ المزمل: ۱۹

(۲) سورۃ الزمر: ۷

اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے بے پروا ہے پھر بھی وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا اور اگر شکر و ایمان کی راہ اپناؤ گے تو اس کو تمہارے لیے پسند کرتا ہے۔

عشرۂ کاملہ

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ وہ لغو اور فضول کاموں سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ تمام اعمال جو انسان کی ماڈی یا روحانی ترقی میں مفید و مددگار ہوں انہیں تعمیری یا صالح اعمال کہا جائے گا اور جو اس تعریف کے زمرے سے باہر ہوں وہ لغو اور مضر قرار پائیں گے۔ انسان اس دنیا میں بظاہر تو خالی ہاتھ آتا اور خالی ہاتھ ہی واپس چلا جاتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، ایک دولت وہ جو اپنے ساتھ لے کر آتا ہے وہ وقت یا عمر کی مہلت ہے۔ اس سرمائے کے صحیح مصرف پر اس دُنیوی اور اخروی کامیابی کا انحصار ہوتا ہے کیونکہ اس مہلت کے دوران انجام دیئے گئے تمام اعمال اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ اگر ہم اپنی زندگی کا بنظر غائر جائزہ لیں تو ہمارے کتنے ہی افکار، اقوال اور اعمال لغو قرار پائیں گے کیوں کہ ان سے ہمیں کسی بھی قسم کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور اگر ان پر اپنی توانائی ضائع نہ کریں تو ہماری زندگی میں نہ تو کوئی خلا واقع ہو اور نہ ہی ہماری کارکردگی میں کوئی فرق آئے۔ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ دین پوری انسانیت کے لیے رحمتوں کا خزانہ ہے اور اس دولت کو تقسیم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ اسلام تو سکھاتا ہی یہ ہے کہ تمام لغو اور لاحاصل سرگرمیوں سے اجتناب کرتے ہوئے پاکیزہ اخلاق، صالح اعمال اور بنی نوع انسان کی خدمت کی راہ کو اپنایا جائے لیکن بے فائدہ اور فضول باتوں میں اُلجھنے کی عادت کی وجہ سے ہم نے دینِ محبت کو بھی باہمی نزاع، لڑائی جھگڑوں بلکہ قتل و غارت کا اکھاڑہ بنالیا ہے۔ عجیب وغریب قسم کے خود ساختہ مسائل اور معمولی معمولی فروعی اختلافات

کوحق و باطل کا معیار گردان کر ہم دین حق کی حقیقی روح سے دور جا پڑے ہیں۔ جن مسائل پر مناظرے اور معرکے بپا ہوتے ہیں ان میں سے اکثر کا تعلق نہ تو قرآن کریم میں دیئے گئے بنیادی عقائد سے ہوتا ہے اور نہ ہی آخرت میں ان کے بارے میں ہم سے پُرسش ہو گی تو پھر ان موشگافیوں کے شوق میں اتحادِ اُمت میں شگاف ڈال کر مسلمانوں کو باہم لڑانا اور جگ ہنسائی کرانا کہاں تک درست ہے۔ اس روش پر قائم رہنا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کا ضیاع اور وقت کا بے جا اسراف نہیں تو اور کیا ہے۔ اہل اسلام کو تو زندگی کی ہر ساعت بلکہ ہر سانس اپنے خالق و مالک اور معبود و محبوب اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول میں لگا کر ''ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن'' کا مصداق بننا چاہیے۔

ہمیں چونکہ وقت کی قدر و قیمت کا صحیح شعور نہیں ہے اس لیے ہم عملی زندگی میں اس دولت کو لا حاصل سرگرمیوں میں بے دریغ لٹاتے چلے جاتے ہیں۔ حضور رسالت مآب ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ (اللہ تعالیٰ کی رضا اور ایمان کی ترقی کے لحاظ سے) ''جس مومن کے دو دن یکساں کیفیت میں گزریں وہ خسارے میں ہے۔'' گویا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے سفر میں مومن کا ہر دن گزشتہ دن سے بہتر ہونا چاہیے اگر ایسا نہیں ہوا تو زندگی کا ایک دن ضائع ہو گیا۔ اگر کبھی بالکل ہی فراغت ہو تو اس وقت کا بہترین مصرف یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے مبارک ذکر میں لگایا جائے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ طالبین حق سے فرمایا کرتے تھے کہ:

> ہم اللہ اللہ کرنے کے لیے آپ سے خصوصی وقت بالکل نہیں مانگتے۔
> آپ صرف یہ کریں کہ جب آپ کوئی کام نہیں کر رہے ہوتے اور جو
> وقت فضول سوچوں اور باتوں پر ضائع کر دیتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ
> کے ذکر میں لگا دیں۔ بس اسی سے اللہ اپنا فضل فرما دے گا۔

وقت جیسی قیمتی شے کے برمحل اور مثبت استعمال سے انسان بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک قابل قدر عملی مثال ذہن میں آ گئی ہے جس کے بیان

کرنے سے وقت کی قدرومنزلت کرنے کی ترغیب ملے گی۔ پروفیسر غازی احمد (سابق کرشن لعل) اپنی خودنوشت اور ایمان افروز داستان "من الظلمٰت الی النور" میں رقم طراز ہیں:

> جب ایک سال کے لیے چکوال کالج میں میرا تبادلہ ہوا تو میں ہر روز گھر واپس جاتا تھا۔ بس میں آتے جاتے دو گھنٹے خرچ ہو جاتے۔ میں نے وقت ضائع کرنا مناسب خیال نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے مقدسہ کا ورد شروع کر دیا۔ ننانوے اسمائے الٰہی کا ورد لاکھ لاکھ بار اور لاکھ بار اسم ذات کا ورد کر کے ایک کروڑ مکمل کر لیا۔ **الحمد للہ علی ذلک** علاوہ ازیں کلمہ طیبہ **سلام قولا من رب رّحیم** اور **رب انی مغلوب فانتصر** بھی لاکھ لاکھ بار پڑھ لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ میں نے سفر کے دوران وقت سے فائدہ اٹھایا اور کلمات طیبات سے متمتع ہوتا رہا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں **سورۃ الفاتحہ** کو بھی باقاعدگی سے لاکھ مرتبہ پڑھ چکا ہوں اور میرا فارغ وقت حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں درود شریف کا نذرانہ پیش کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ **الحمد للہ علی ذلک۔**

وقت کے بہترین استعمال سے انسان نہ صرف مادی طور پر ترقی کر سکتا ہے بلکہ روحانیت میں بھی کمال حاصل کر سکتا ہے۔ لفظی طور پر بھی وقت کے حروف (و ق ت) کی ترتیب بدلنے سے لفظ قوت بن جاتا ہے۔ بقول شاعر:

قوت کا راز وقت کی ترتیب ہے
پالیا جس نے وہ خوش نصیب ہے

اگر ہم بھی اپنی زندگی کو بامقصد بنا لیں اور اپنا قیمتی وقت آوارہ سوچوں، بے ہودہ باتوں، لایعنی بحثوں، اختلافی مسئلوں، سیاسی جھگڑوں، مخرب اخلاق

فلموں، انتشار انگیز کتابوں اور چنڈال چوکڑیوں میں ضائع کرنے کی بجائے تعمیری کاموں اور صحت مند سرگرمیوں میں لگالیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دنیا و آخرت میں کامیاب اور سرخرو ہو سکتے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے دس نکات پر مشتمل ایک لائحہ عمل پیش کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہمیں امید ہے کہ اس سے قارئین کرام کو فکر و عمل کی قوتوں کو درست جہت دینے اور اپنے وقت کو تعمیری کاموں میں لگانے میں مدد ملے گی:

۱۔ رضائے الٰہی

اللہ تعالیٰ کو ذات وصفات ہر لحاظ سے واحد اور بے مثل سمجھیں۔ پوری کائنات پر اس کی حکمرانی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود اور مسجود ہونے کے لائق نہیں۔ ہر مصیبت سے نجات اور خیر و خوبی کے حصول کے لیے اسی کو پکاریں، کیوں کہ وہی دعائیں قبول کرنے والا ہے۔ وہ ہر شے کا خالق اور ہر شے پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو بے عملی کی بجائے عمل کے ساتھ مانیں۔ ہر کام پوری محنت، لگن اور خوش دلی کے ساتھ انجام دیں لیکن حسب دل خواہ نتائج کے لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ کریں۔ اگر کوئی کام مرضی کے مطابق انجام نہ پائے تو اللہ کی رضا سمجھتے ہوئے اس پر راضی رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے جو ان گنت ظاہری و باطنی نعمتیں عطا کر رکھی ہیں ان پر غور کرنے کی عادت ڈالیں۔ اس طرح احسان شناسی اور شکر گزاری کے جذبات ترقی کریں گے اور نمازوں میں زیادہ لطف آنے لگے گا۔ مصائب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہوئے انہیں خوشی سے برداشت کرنا اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر کرتے رہنا صالحین اور مقربین کا طریقہ ہے اور یہی ان کی دائمی مسرت کا راز ہے بقول علامہ محمد اقبالؒ:

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضا ست
ما امینیم ایں متاع مصطفیٰ ﷺ است

۲۔ اتباعِ رسول ﷺ

اللہ تعالیٰ کے بعد بزرگ ترین ہستی اس کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہے۔ آپ ﷺ کی اطاعت اور اتباع ہی کا نام دین اسلام ہے اور اسی پر تمام انسانوں کی دنیوی اور اخروی فوز و فلاح کا انحصار ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ کا اخلاق ہر قسم کے نقص سے بالکل پاک تھا۔ دنیا میں جتنے انسان اب تک گزرے ہیں، اب موجود ہیں یا آئندہ ہوں گے حضور اقدس ﷺ تمام نیکیوں اور خوبیوں میں ان سے کہیں برتر اور افضل تھے۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس پر کثرت کے ساتھ درود و سلام بھیجیں اور دل کی گہرائیوں سے آپ ﷺ کا ادب واحترام کریں۔ ادب والے ہمیشہ بامراد اور بے ادب بے نصیب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے والوں پر بھی جنت اسی طرح حرام کر دی گئی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانے والوں کے لیے کی گئی ہے۔ حضور ﷺ کے خلفائے راشدین، اصحاب کبار، ازواج مطہرات اور اہل بیت اطہار کے نام ہمیشہ عزت اور اکرام کے ساتھ لیں۔ ان کے بارے میں کسی قسم کی بدگمانی اور سوءِ اعتقادی سے نہ اپنے دل کو داغ دار کریں نہ ہی زبان کو آلودہ کریں کہ یہی سلامتی کی راہ ہے۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

بمصطفیٰ ﷺ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

۳۔ محبت اولیاء

اللہ اور رسول ﷺ سے محبت کرنے والے اور قرآن و سنت پر چلنے والے بزرگوں کی صحبت کے اثر سے قلوب نورو سرور و حضور سے آشنا ہوتے ہیں۔ ان کے روحانی فیض سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے جو تمام روحانی بیماریوں کا شافی علاج ہے۔ ان کی وجہ سے لذت ایمان اور ذوق عمل میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایسے اللہ والوں کے وجود کو

غنیمت جانتے ہوئے ان کے ساتھ عقیدت اور محبت کا تعلق قائم کریں اور ان کی تعلیم پر پورے خلوص سے عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قربت حاصل کریں ۔ بقول شاعر مشرقؒ:

صحبت از علم کتابی خوشتر است
صحبت مردانِ حُر آدم گر است

۴۔ اقامتِ صلوٰۃ

اسلام لانے کے بعد سب سے زیادہ تاکید اقامت صلوٰۃ کی گئی ہے۔ یہ فرض زندگی کے آخری لمحوں تک ہر مسلمان کو ہر روز پانچ مرتبہ ادا کرنے کا حکم ہے۔ حضور ﷺ نے نماز کو دین کا ستون، مومن کی معراج اور جنت کی کنجی جیسے پُر از حکمت نام عطا کر کے دین میں اس کی اہمیت کو واضح فرما دیا ہے۔ فرض عبادات میں سے روزہ، زکوٰۃ اور حج تو سال بعد ادا کیے جاتے ہیں۔ صرف نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے جس کی روزانہ ادائیگی فرض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے نماز ہی کو مومن کی پہچان فرمایا ہے اس لیے بحیثیت مسلمان اپنی شناخت قائم رکھیں اور کسی بھی حالت میں نماز ترک نہ کریں۔ فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں دل نہ چاہنے کا بہانہ ہرگز مسموع نہیں ہے۔ ایک بات پوری توجہ سے سمجھ لینی چاہیے کہ فرض کہتے ہی اسے ہیں کہ دل چاہے یا نہ چاہے وہ کام بہر حال کرنا ہی پڑتا ہے۔ جن اعمال کی ادائیگی کو مرضی، سہولت اور ذوق پر چھوڑ دیا گیا ہے انہیں نوافل کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم اور حدیث شریف میں بیان کی گئی نماز کی عظمت کے پیش نظر بزرگان دین کی اکثریت نے ترکِ صلوٰۃ کو ترکِ دین کے مترادف قرار دیا ہے حتیٰ کہ بعض فقہی اماموں کا یہ فتویٰ ہے کہ اسلامی حکومت کو چاہیے کہ بے نماز کو قتل کر دے اس لیے اقامت صلوٰۃ میں ہرگز کوتاہی نہ کریں کیوں کہ نماز کے بغیر دین کا تصور نہیں کیا جا سکتا بقول علامہ محمد اقبالؒ:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

۵- کثرتِ ذکر

قرآن مجید کی بہت سی آیات میں کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے کا
حکم دیا گیا ہے اور احادیث میں ذکر کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اس لیے چلتے پھرتے،
اٹھتے بیٹھتے اور کام کاج کے دوران بھی اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہنا چاہیے۔ اگر ذکر کا
طریقہ کسی اللہ والے بزرگ سے سیکھ لیا جائے تو سونے پر سہاگہ ہو جائے۔ کثرتِ ذکر کی
برکت سے اطمینانِ قلب جیسی نایاب دولت حاصل ہوتی اور ایمانِ کامل اور احسان کا مرتبہ
عطا ہوتا ہے۔ اللہ کا ذکر دین کی بنیاد بھی ہے اور حصولِ کمال کا ذریعہ بھی ہے:

یادِ او سرمایۂ ایماں بُود
ہر گدا از یادِ او سُلطاں بُود (۱)

۶- فہمِ قرآن

ربّ العالمین کی طرف سے آئی ہوئی ایک بیش بہا نعمت اور اس کے
آخری رسول ﷺ کی انمول اور مقدس نشانی، ساری دنیا کے انسانوں کے لیے نور و ہدایت کا
وسیلہ قرآن مجید فرقان حمید کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ اس کی قدر کرنی چاہیے
اور ہر روز پورے آداب اور یکسوئی کے ساتھ اللہ کی کتاب سے زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنی
چاہیے۔ عربی تلاوت کے بعد ان آیات کا ترجمہ پوری توجہ کے ساتھ اور اس تصور کے ساتھ
پڑھا جائے کہ یہ کتاب میری ہدایت کے لیے اتاری گئی ہے اور اللہ تعالیٰ براہ راست مجھے
خطاب فرما رہے ہیں۔ ذوق و شوق اور خلوص و محبت سے کی جانے والی تلاوت اللہ تعالیٰ کی
ذات اقدس اور حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے قلب اطہر کے ساتھ مضبوط نسبت کا وسیلہ بن
جائے گی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی محبت اور اطاعت، صراطِ مستقیم پر چلنا اور اپنے آپ کو محسن
انسانیت حضور نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ کے سانچے میں ڈھالنا سہل ہو جائے گا کیوں کہ
حضور ﷺ کا اخلاق قرآن کریم ہی کی عملی تفسیر ہے۔ قرآن حکیم کی آیات میں تدبر و تفکر

---

(۱) مثنوی ز مولانا جلال الدین رومیؒ

کرنے کی عادت ڈالیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے آپ کے سینہ کو فہم قرآن کے لیے کھول دیں گے اور دین حق کے اسرار و رموز واضح اور روشن ہوتے چلے جائیں گے بقول علامہ محمد اقبالؒ:

چیست قرآں خواجہ را پیغامِ مرگ
دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ

۷- عطائے رزق وانفاق

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر یقین محکم رکھیں کہ زمین پر بسنے والے ہر جاندار کو رزق پہنچانا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ اس حکم میں ہم سب بھی شامل ہیں اس لیے حصول رزق کے لیے محنت اور کوشش تو ضرور کریں لیکن روٹی کی فکر میں ہی غرق ہو کر رہ جانا ایک مومن کو قطعی زیب نہیں دیتا۔ اپنی گزشتہ زندگی پر ہی غور کر لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی ہمیں بھوکا رہنے دیا ہے، یقیناً ایسا کبھی نہیں ہوا تو پھر خاطر جمع رکھیے کہ آئندہ بھی ہمارے حصے کا رزق ہم تک پہنچتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی قلب و ذہن پر نقش کر لیں کہ رزق میں کمی بیشی کا انحصار اس کی مرضی پر ہے، وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ دونوں حالتیں انسان کے لیے آزمائش کی اہمیت رکھتی ہیں۔ رزق کی فراوانی اور خوشحالی کو علم و ہنر یا اپنی قابلیت کے ساتھ کبھی منسوب نہ کریں بلکہ اس کا سبب، اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کو جانیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی دولت کو اس کی خوشنودی کے لیے اس کی راہ میں خرچ کرنا خاص طور پر مساکین کے نان ونفقہ اور علاج و معالجہ کا انتظام کر دینا بہت بڑی نیکی ہے۔ یہ کام خوشحالی اور تنگ دستی دونوں حالتوں میں کرتے رہنا چاہیے اسی طرح ملکی دفاع کے لیے اپنی دولت خرچ کرنا مالی جہاد کے زمرے میں آتا ہے اور اس میں دل کھول کر حصہ لینا چاہیے بقول علامہ محمد اقبالؒ:

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے غلام دارا و جم

۸- حیاتِ آخرت

ایک اہم ترین حقیقت جسے قرآن وسنت میں بار بار آشکار کیا گیا یہ ہے کہ اصل اور حقیقی زندگی آخرت کی ہے کیوں کہ آخرت پر یقین ہی تقویٰ کی بنیاد ہے۔ دنیا کی زندگی میں جو کچھ بھی ہے انسان کی خدمت اور تربیت کے لیے پیدا فرمایا۔ یہ زندگی انسان کے لیے آزمائش بنائی گئی ہے کہ آیا وہ اپنے خالق کو اپنا ربّ مان کر اس کے دین کے مطابق زندگی بسر کر کے اس کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے یا عہدِ الست کو فراموش کر کے ابلیس کے نقشِ قدم پر چلتا اور اپنی من مرضی کے اندھیروں میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس دنیا کی نعمتیں گھٹیا اور عارضی نوعیت کی ہیں کہ آخرت کی زندگی بہتر اور اس کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے ہمیں چاہیے کہ تمام مادی اشیاء اور فطرت کی قوتوں کو تسخیر کر کے متاعِ دنیا سے پوری طرح استفادہ تو ضرور کریں لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اور آخرت کی زندگی کو ہمیشہ مقدم رکھیں یہی فکر و عمل ہماری دنیوی اور اخروی کامیابی کا ضامن ہے۔ یہ نکتہ ذہن میں رکھیں کہ انسان کو خصوصی صلاحیتیں عطا کر کے خلافتِ ارضی کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس لیے اصل خرابی دنیا میں نہیں ہے بلکہ دنیا کی محبت میں پھنس کر اللہ تعالیٰ اور اپنے مقصودِ حیات کو بھول جانے میں ہے۔ خلافتِ ارضی کے عظیم منصب کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم زندگی کے کسی بھی شعبے میں اور کسی بھی مقام پر فائز ہوں اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے اور اس کے شکر گزار بندے بن کر رہیں اور اس کی عطا کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر تحقیق و تخلیق کے کام کو آگے بڑھاتے چلے جائیں۔ اس سے نہ صرف زندگی کی سہولتوں میں اضافہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں بھی ترقی ہوگی۔ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ تسلیم و رضا کا شیوہ اپنا کر اللہ تعالیٰ کا مخلص بندہ بن جائے اور اس کے حبیب ﷺ کے اتباع میں فقیرانہ اور رہبانہ زندگی بسر کرے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے عبادات کے ساتھ ساتھ توکل علی اللہ کی راہ اپناتے ہوئے ہر حال میں خوش رہنے کی عادت ڈالنا بھی بہت ضروری ہے کیوں کہ جب تک ہم خود اپنے ربّ سے

سچے دل سے راضی نہیں ہوں گے تو وہ جو دلوں کا حال بھی جانتا ہے ہم سے کیوں کر راضی ہو گا۔ اقبال مردِ مومن کو اس کی منزل سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے (۱)

۹- وحدت فکر و نظر اور کردار

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کر کے آگے بڑھنے کی کوشش کرو کیوں کہ آگے بڑھ جانے والے ہی اس کے مقرب بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جن بندوں سے محبت کرتے ہیں ان کی صفات قرآن کریم میں صاف صاف بیان کر دی گئی ہیں تاکہ اہل ایمان کو اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے جس قسم کا کردار اپنانا اور جس راہ پر چلنا ضروری ہے وہ کافی کٹھن اور دشوار ہے۔ اس طویل سفر میں وقت ضائع کرنا تو درکنار پاؤں میں چبھا ہوا کانٹا نکالنے سے بھی مسافر اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ حصول مراد کے لیے ضروری ہے کہ ہم فرقہ پرستی اور مسلکی جھگڑوں سے اپنا دامن بچا کر اپنی ساری صلاحیتیں پوری یکسوئی کے ساتھ اخلاق و کردار کی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کے کام میں لگا دیں۔ دانا لوگ فضول بحثوں، لاحاصل نظری مسائل اور غیر نفع بخش علوم میں ہرگز نہیں الجھتے۔ ہمیں چاہیے کہ لغو کاموں کی بجائے اپنی ہمت اقامت صلوٰۃ، ادائیگی زکوٰۃ، کثرت ذکر، تلاوت قرآن، نوافل و صدقات، حصول علم اور انسانیت کو نفع پہنچانے والے تعمیری کاموں میں صرف کریں۔ قرآن کریم کے مطابق انسانوں کے صرف دو گروہ ہیں۔ ایک تو کفار ہیں جنہیں حزب الشیطان یعنی شیطان کی پارٹی کہا گیا ہے اور دوسرے اہل ایمان ہیں جنہیں حزب اللہ یعنی اللہ کی پارٹی کا معزز نام دیا گیا ہے۔ جس طرح پوری دنیا کے کفار اللہ کی مخالفت میں متحد ہو کر ملت واحدہ بنے ہوئے ہیں۔ اہل ایمان کو بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی

---

(۱) بال جبریل

رسی کو مضبوطی سے تھام کر خیر الامت کا کردار ادا کریں اور کسی بھی قسم کے تفرقے کو اپنے درمیان جگہ نہ دیں۔اللہ تعالیٰ نے بڑے پیار سے ہمارا نام "مسلم" رکھا ہے جس پر ہم سب کو فخر ہونا چاہیے کیوں کہ دین اسلام یعنی اللہ تعالیٰ کے آئین کو اپنا طرزِ حیات تسلیم کر لینے کے لیے "مسلم" سے بہتر کوئی اور دوسرا نام ہو ہی نہیں سکتا اس لیے ہمیں چاہیے کہ صرف مسلم کہلوانے پر ہی اکتفا کریں۔اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیا ہے اور بھائیوں کی قسمیں نہیں ہوتیں۔ان کے درمیان عمر، عقل، دولت یا تقویٰ کے لحاظ سے کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو، بھائی پھر بھی بھائی ہی ہوتے ہیں۔ہمیں چاہیے کہ اپنے دلوں سے غصہ، نفرت، حسد، بغض اور ہوا و ہوس کو نکال دیں اور صبر و تحمل اور عفو و درگزر کا رویہ اپنائیں کیونکہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ:

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (۱)

جنت ان متقین کے لیے تیار کی گئی ہے جو غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کی خطائیں معاف کر دینے والے ہوں گے۔

عالمگیر محبت اختیار کرتے ہوئے ہر انسان کے ساتھ احترام و اکرام اور شفقت کا برتاؤ کریں اور بنی نوع انسان کی اصلاح و خدمت اور خیر خواہی کو اپنا شعار بنا کر دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیں۔حزب اللہ کے ارکان یعنی اہل ایمان کے آپس میں تعلقات تو خونی اور نسلی رشتوں سے بھی برتر رحمت و رافت اور ایثار و محبت پر مبنی دینی اخوت کی بنیاد پر قائم و دائم ہونے چاہئیں۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ، نبی کریم ﷺ اور مومنین کو رحیم فرمایا گیا ہے:

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا (۲)

اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے رحیم ہیں۔

---

(۱) سورۃ آل عمران:۱۳۴

(۲) سورۃ الاحزاب:۴۳

عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۱)

اللہ تعالیٰ کے رسول کریم ﷺ مومنوں کے لیے رؤف و رحیم ہیں۔

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (۲)

اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے ساتھی آپس میں رحیم ہیں۔

علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ملت نام ہی اس کا ہے کہ لاکھوں، کروڑوں افراد ہوں لیکن سب میں وحدت فکرونظر ہو اور وحدت کردار ہو:

چیست ملت اے کہ گوئی لا الٰہ ؟
با ہزاراں چشم بودن یک نگہ

۱۰۔ دعوت دین

حضور نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور آپ کی تشریف آوری کے بعد نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا اس لیے اب انسان کی ہدایت اور اصلاح کے لیے کوئی نیا نبی نہیں آئے گا لیکن ان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے اور صراط مستقیم کی نشاندہی کرنے کا کام تو قیامت تک بہر حال جاری رہے گا۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کے صدقے میں اب بنی نوع انسان کو دنیا اور آخرت کی زندگی کے حقائق سے آگاہ کر کے انہیں دعوت ایمان دینے کا عظیم منصب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے سپرد فرما دیا ہے اس لیے امت وسطیٰ کی حیثیت سے ہم سب کا انفرادی اور اجتماعی فریضہ ہے کہ نہ صرف اپنے اہل خانہ، احباب و اقارب اور آس پاس بسنے والے لوگوں بلکہ دنیا کے ہر انسان کو مقصود حیات سے آگاہ کر کے اللہ کے دین کے مطابق زندگی بسر کرنے کی دعوت دیں تاکہ وہ دوزخ کے عذاب سے بچ جائیں اور کامیاب ہو جائیں۔ انسانوں کی اصلاح کرنا دنیا کا کٹھن ترین کام ہے لیکن اس سے بڑھ کر بنی نوع انسان کی کوئی خدمت نہیں اور نہ

---

(۱) سورۃ التوبہ: ۱۲۸

(۲) سورۃ الفتح: ۲۹

ہی اس سے بڑی کوئی نیکی ہے۔یہ کام حضور محسنِ انسانیتﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق انسانیت کی سچی خیر خواہی اور بے لوث محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر پوری استقامت، دل سوزی اور لگن کے ساتھ سرانجام دینا ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے جب یہ عظیم اور مقدس مشن امتِ مسلمہ کو سونپا تو اس کے بنیادی اصول بھی بتا دیئے اور اپنی نصرت کی یقین دہانی بھی کرادی۔ چنانچہ سورۃ الحج کی آخری آیت میں جو حکم ارشاد فرمایا اس کا ترجمہ ومفہوم اس طرح ہے:

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (۱)

اے اہل ایمان! دعوت الی اللہ کی اس راہ میں اس طرح جدوجہد کرنا جیسا کہ اس منصب کا تقاضا ہے اس نے تمہیں اس عظیم کام کے لیے چن لیا ہے اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی ناروا سختی نہیں ڈالی۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم کا ہی طریقہ ہے۔اللہ نے پہلی کتابوں میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا اور اس کتاب میں بھی یہی ہے تاکہ ہدایت کا پیغام پہنچا دینے کے بارے میں میرا رسولﷺ تم پر گواہ بنے اور تم ساری دنیا کے انسانوں پر گواہ بنو۔ پس تم نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا اور اللہ تعالیٰ کو پختہ یقین کے ساتھ پکڑے رکھنا کیوں کہ وہی تمہارا دوست ہے اور وہ کیا ہی خوب دوست اور کیا ہی خوب مددگار ہے۔

---

(۱) سورۃ الحج:۷۸

اصلاح انسانیت کا یہ عظیم کام اللہ کے وہ مخلص بندے ہی سرانجام دے سکتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی محبت موجزن ہو اور اس فرض کی بجا آوری سے ان کا مقصود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے علاوہ کچھ بھی نہ ہو۔ یہ مبارک کام شروع کرنے سے پہلے ایک امر نہایت ضروری ہے کہ کفار اور گنہگار انسانوں سے نفرت کے جذبہ کو دلوں سے یکسر نکال باہر کیا جائے کیوں کہ دعوت الی اللہ کا کام تو حکمت اور پیار بھری نصیحتوں کے ساتھ ہی انجام دیا جا سکتا ہے۔ جس طرح ایک معالج بیماری اور مرض کا تو دشمن ہوتا ہے لیکن وہ مریض کا ہمدرد اور خیر خواہ دوست ہے۔ اسی طرح ایک سچے مسلمان کو گناہ سے تو نفرت ہونی چاہیے لیکن گنہگار انسان پر اسے رحم آنا چاہیے۔ اگر ہم بُرے آدمیوں سے نفرت کریں گے تو ان کی اصلاح کبھی بھی نہ ہو پائے گی۔ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی حیات مبارک کی مثال ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے کہ آپ نے مشکل ترین حالات میں بھی اپنے مخالفین کے لیے کبھی بد دعا نہیں فرمائی بلکہ پتھروں سے لہولہان کر دینے والوں کے حق میں بھی یہی دعا فرمائی کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرما دے کیوں کہ وہ حقیقت سے بے خبر لوگ ہیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ حضور محسنِ انسانیت ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے آپ کو محبت اور صداقت کے رنگ میں رنگ لیں اور بنی نوع انسان کے لیے سراپا رحمت بن جائیں۔ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کا فرمان ہے کہ ایمان لانے کے بعد سب سے بڑی نیکی انسانوں سے محبت کرنا ہے۔ محبت کے جذبہ میں بہت سے اعلیٰ جذبات و خصائل پوشیدہ ہیں۔ جب دل محبت کے رنگ میں رنگ جاتا ہے تو وہ تمام خوبیاں کردار کا جزو بن جاتی ہیں۔ شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا:

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے (۱)

---

(۱) بانگِ درا

بہترین تجارت

ہر انسان جو تجارت کے پیشے سے منسلک ہونا چاہتا ہے وہ پہلے اپنے
عزیزوں اور دوستوں سے مشورہ لیتا ہے کہ کون سا کاروبار کرے تاکہ نقصان کا احتمال کم سے
کم ہو اور منافع کا امکان زیادہ سے زیادہ ہو۔ وہ چاہتا ہے کہ خواہ اسے سال بھر کتنی ہی محنت
کیوں نہ کرنی پڑے لیکن انجام کار اسے اس کی محنت کا معقول پھل ملے تاکہ وہ اپنی کمائی کی
رقم سے آرزؤں کی تکمیل کر سکے۔ اس کا اپنا ایک خوبصورت گھر ہو جس میں ہر طرح کی
آسائش اور راحت کا سامان موجود ہو۔ اس کا معیار زندگی دوسروں کے لیے قابل رشک ہو
اور ہر کوئی اسے عزت کی نگاہ سے دیکھے۔

انسان کی یہ فکر اور محنت اس کی عارضی زندگی کی ماڈی خواہشات کی
تکمیل کے لیے ہوتی ہے حالانکہ دنیا کی ساری نعمتیں گھٹیا اور چھن جانے والی ہوتی ہیں۔
انسان یہاں خواہ دنیا بھر کی آسائشیں اکٹھی کر لے لیکن ایک دن موت آئے گی اور اسے
سب کچھ یہاں چھوڑ کر جانا پڑے گا اور اگر اس کا دل ان چیزوں کے ساتھ پیوستہ ہوگا تو ان
سے جدائی اس کے لیے بہت ہی ناگوار اور تلخ ہوگی اور موت اس کے لیے ایک سخت مرحلہ
اور تکلیف دہ بن جائے گی اور جس انسان کی زندگی شریعت کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کی رضا
کے حصول کے لیے گزری ہوگی اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی
محبت بسی ہوگی وہ اپنے ربّ سے ملنے کے لیے بے چین ہوگا۔ اس نے دنیا کی نعمتوں سے
استفادہ تو کیا لیکن دنیا و مافیہا سے محبت نہیں کی۔ اس کا دل دنیا کی بجائے اللہ تعالیٰ اور
آخرت سے جڑا ہوا تھا اس لیے اس کی روح اس طرح آسانی سے نکلے گی جس طرح مکھن

سے بال نکال لیا جاتا ہے۔اس کے لیے موت ایک پُل کی حیثیت رکھتا ہے جس کے ذریعے دوست اپنے دوست سے جا ملتا ہے۔بندہ مومن اس عارضی ٹھکانے کو جنت بنانے کی سعی لاحاصل نہیں کرتا بلکہ آخرت کی زندگی اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی جنت کو ترجیح دیتا اور اس میں کامیابی کے لیے فکرمند رہتا ہے، جہاں کی ہر نعمت دنیا کی نعمتوں سے اعلیٰ اور ہمیشہ رہنے والی ہوگی۔آخرت کے عذاب سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی جنت کے حصول کے لیے بھی ایک تجارت کرنی پڑتی ہے۔اس تجارت میں کبھی خسارہ نہیں ہوتا کیوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کمال شفقت سے یہ تجارت اپنے بندوں کو خود بتائی ہے۔سورۃ الصّف میں ارشاد ہوا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ. تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ . يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ . يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ (۱)

اے اہل ایمان! میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں عذاب الیم سے مخلصی دے وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق

---

(۱) سورۃ الصف:۱۴-۱۰

میں بہتر ہے۔وہ تمہارے گناہ بخش دے گااور تم کو باغ ہائے جنت میں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں اور پاکیزہ مکانات ہیں جو بہشت ہائے جاودانی میں تیار ہیں' داخل کرے گا۔ یہ بڑی کامیابی ہے اور ایک اور چیز جس کو تم بہت چاہتے ہو یعنی تمہیں اللہ کی طرف سے مدد نصیب ہوگی اور فتح عنقریب ہوگی اور مومنوں کو اس کی خوشخبری سنا دو۔اے ایمان والو!اللہ کے مددگار بن جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا۔آخر الامر ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی اور وہ غالب آ گئے۔

عریانی اور قوت ایمانی

پیر کا دن تھا اور ستمبر کی ۲۳ تاریخ تھی کہ صبح کے وقت ایک صاحب توحیدیہ مرکز پر تشریف لائے۔سلام و دعا کے بعد انہوں نے فرمایا کہ کافی دنوں سے میرے دل میں کشش ہو رہی تھی کہ اس عمارت کے اندر جا کر بزرگوں سے ملاقات کروں۔مجھے ادب سے گہرا لگاؤ ہے اور شاعری سے بھی شغف رکھتا ہوں۔میری پیدائش دہلی میں ہوئی، وہاں میرے ننھیال تھے، آبائی وطن پٹیالہ تھا اور ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے ادھر آ گئے۔میں نے نام پوچھا تو فرمایا کہ پورا نام تو محمد یوسف اعجاز ہے لیکن مختصر نام اعجاز پینٹر ہے اور رہائش راہوالی میں ہے۔میرے چند ہم خیال دوست بھی ہیں۔ہم بکھرے ہوئے اور پریشان لوگ ہیں۔مذہب میں مسلک پرستی، فرقوں کی لڑائی، سنی، وہابی، شیعہ، بریلوی کی چپقلش سے دل مایوس ہو گئے ہیں۔اس پر میں نے انہیں سلسلہ توحیدیہ، حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تعلیم اور مرکز تعمیر ملت کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کیا اور دین محبت اور حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے بے کراں پیار کی جھلک دکھائی تو وہ بڑے متاثر ہوئے۔میں نے انہیں بتایا کہ میں اس سال ۱۹ اپریل بروز جمعہ یہاں منتقل ہوا تھا۔اس پر انہوں نے فرمایا کہ یہ تاریخ تو بڑی مبارک ہے کیوں کہ ہماری تحقیق کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت ۱۹ اپریل ۵۷۰ء ہے۔میں نے عرض کیا کہ پھر تو یہ بڑی مبارک بات اور حسن اتفاق ہے اگرچہ ہمارے ذہن میں اس کا خیال بھی نہ تھا۔میں نے جب انہیں یہ بتایا کہ آپ کے ساتھ ہماری دو نسبتیں مل گئی ہیں۔ہمارے مرشد دہلی کے رہنے والے تھے اور ان کے مرشد حضرت رسالدار محمد حنیف خاں مہندر گڑھ پٹیالہ کے رہنے والے تھے تو وہ بڑے

محظوظ ہوئے۔انہوں نے اپنا ایک شعر بھی عنایت فرمایا جو کچھ اس طرح تھا:

بندہ خدا اور خدا بندہ نہ بنا
قوال نے طبلہ بجا کے دیکھ لیا

میں نے انہیں بتایا کہ قوالی تو ہم بھی سنتے ہیں لیکن قوالوں کو پہلے ہی یہ بات بتا دیتے ہیں کہ خدا کو بندہ اور بندے کو خدا نہیں بنانا ، نہ ہی میم کے پردے کو موضوع بنانا اور نہ ہی پیر کو ہر شے کا مختار بنانا۔اللہ تعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد و نعت اور ان کی محبت والا کلام سناؤ۔پھر انہوں نے ایک لطیفہ بزبان فارسی ارشاد فرمایا کہ:

ایران میں کسی اجنبی کافر نے پوچھا کہ "مسلمان کی تعریف کیا ہے؟"
تو اسے جواب ملا کہ مسلمان وہ ہوتا ہے کہ اگر ایک اجنبی عورت ساری رات تنہا اس کے کمرے میں رہے تو وہ اس کی عزت پر ہاتھ نہ ڈالے۔اس کافر نے جواب میں کہا کہ میں سمجھ گیا کہ "مخنث کو آپ کی زبان میں مسلمان کہتے ہیں۔"

میں نے یوسف صاحب کو مطالعہ کے لیے چند کتابچے اور مجلّے دے کر رخصت کر دیا لیکن بعد میں ان کے سنائے ہوئے لطیفے پر غور کرتا رہا کہ ہر ایک لحاظ سے یہ حقیقت کا رنگ لیے ہوئے ہے اور مسلمان کی پارسائی کے پہلو کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ کسی بھی حال میں اپنے مالک کی نافرمانی کا مرتکب نہیں ہوتا۔چاہے اسے کوئی دیکھ رہا ہو یا نہ دیکھ رہا ہو۔اس مجلس کے دو دن بعد ہی ہمارے گکھڑ والے بھائی عبدالقیوم ہاشمی صاحب کے ساتھ ان کے ماموں جان جناب عبدالرحمٰن قریشی صاحب ڈائریکٹر (ر) وزارت مذہبی امور یہاں تشریف لائے۔آپ ماشاءاللہ عالم باعمل اور باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں۔دوران گفتگو آپ نے ایک واقعہ بیان فرمایا۔جو مذکورہ لطیفے سے متعلقہ ہے۔قارئین کرام کی افادیت کے لیے انہی کے الفاظ میں پیش کر رہا ہوں:

کافی عرصہ پہلے کی بات ہے کہ میں چناب ایکسپریس پر سرگودھا کی

طرف سفر کر رہا تھا۔ اوپر سامان رکھنے والے تختے پر دو فوجی سفر کر رہے تھے جو جنگ عظیم دوم کے دوران انگریزوں کی طرف سے جنگ میں حصہ لے چکے تھے۔ ایک فوجی نے کہا کہ جب جنگ ختم ہوئی تو ہماری یونٹ آسٹریلیا تھی۔ انگریز فتح یاب ہوئے تو ہمارے کمانڈر نے جشن منانے کے لیے پوری یونٹ کو ایک پر تکلف چائے کی دعوت دی۔ دعوت کے بعد اس نے پوری انگریز قوم کی طرف سے سب جوانوں کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس خوشی کے موقع پر آپ جو بھی سوال پوچھیں گے میں اس کا جواب دوں گا۔ ایک سپاہی کھڑا ہو گیا اور کمانڈر سے پوچھا کہ مجھے اس بات کا پوری دیانت داری سے صحیح صحیح جواب دیں کہ عیسائی قوموں کے مرد خود پورا لباس پہنتے ہیں لیکن اپنی عورتوں کو آدھا لباس کیوں پہناتے ہیں۔ کیا عورتوں کو سردی گرمی مردوں کے برابر نہیں لگتی؟ یہ سوال سن کر انگریز کمانڈر ششدر رہ گیا اور بولا جوان تم نے یہ سوال پوچھ کر ہماری شہ رگ پر انگوٹھا رکھ دیا ہے چونکہ میں آپ سے وعدہ کر چکا ہوں اس لیے اس کا جواب ضرور دوں گا۔ ہوا یہ کہ جب مسلمانوں کے سپہ سالار سلطان صلاح الدین ایوبی نے عیسائیوں کی متحدہ افواج کی پٹائی کر کے بیت المقدس چھین لیا تو عیسائی پادریوں، سرداروں اور بادشاہوں نے اس عبرتناک شکست کی وجوہات معلوم کرنے کی غرض سے ایک اجلاس منعقد کیا۔ بحث و تمحیص کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسلحہ اور نفری کی برتری کے باوجود ہماری ناکامی کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی قوت ایمانی اور بلند اخلاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے ساتھ شامل تھی۔ پھر یہ سوال اٹھا کہ اس کا علاج کیا کیا

جائے؟ تو طویل غور وخوض کے بعد یہ طے پایا کہ مسلمانوں کے جذبہ ایمانی کو کمزور کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اپنی عورتوں کو نیم عریاں بلکہ ضرورت ہو تو عریاں کر کے مسلمانوں کو گناہوں کی دلدل میں گھسیٹنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ اس جنسی جال کو پھیلانے کے لیے تمام شرکاء سے حلفاً عہد لیا گیا اور پوری عیسائی دنیا اس پر عمل پیرا ہو گئی اور اس طرح اپنے مقاصد حاصل کرنے میں ہمیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

قارئین کرام! ذرا غور فرمایئے کہ اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کو راہ راست سے ہٹانے کے لیے کیسے کیسے حربے استعمال کر رہی ہیں۔ ہماری سلامتی اور بقاء کی ضمانت اس امر میں ہے کہ ہم قرآن وسنت کو مضبوطی سے تھام کر رکھیں اپنے خاندان اور ملت اسلامیہ کو عریانی و فحاشی کے دام ہم رنگ سے بچانے کی کوشش کریں۔ طاغوتی طاقتیں متحد ہو کر بے پردگی اور عریانی کی خباثت کو میڈیا کے ذریعے آگے بڑھانے کے لیے ہر حیلہ اختیار کرنے پر تلی ہوئی ہیں اور نوجوان نسل کے کچے ذہن اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہمیں اگر نقالی ہی کرنی ہے تو اخلاق باختہ یورپ اور امریکہ کی کیوں کریں۔ ہمیں دنیا کے بہترین انسان، حامل خلق عظیم حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نقالی کرنی چاہیے تاکہ ہماری دنیا و آخرت سدھر جائے۔ ہر انسان خصوصاً مسلمان کے سامنے زندگی کے دو راستے ہیں ایک راہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت اور فکر آخرت کی ہے اور دوسری دنیا کی لذات کی محبت اور نفسانی خواہشات کی پیروی کی راہ ہے۔ ہر بات اور ہر کام جو اول الذکر راہ پر چلنے میں معاون ہو، وہی خیر ہے اور اللہ کی یاد سے ہٹا کر دنیا کی لذات میں ڈبو دینے والا ہر کام ذلت اور گمراہی ہے۔ امت مسلمہ یعنی مجھے اور آپ کو تو اللہ تعالیٰ کے فرمان:

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى

النَّاسِ (۱)

تا کہ پیغمبر تم پر گواہ ہو جائے اور تم تمام لوگوں پر گواہ بن جاؤ۔

کی تعمیل میں دوسری اقوام کو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام حیات میں داخل ہونے کی دعوت دینا ہے تا کہ وہ بھی اپنی دنیا و آخرت سنوار لیں۔ ہم نے کافی عرصہ سولیا اور کافی کچھ کھولیا، ہمارے ساتھ بہت کچھ ہولیا، خدارا اب اس خواب گراں سے اٹھ جائیں اور اپنی کوتاہیوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ کر اس کا دامن پھر سے تھام لیں۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت میں داخل ہو کر صبغۃ اللہ یعنی اللہ کے رنگ میں رنگ جائیں اور خیر الامت اور امت وسطیٰ کے منصب کو پھر سے سنبھال لیں۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ سے یہی چاہتا ہے کہ وہ اللہ کے دین کو پہلے اپنی جان پر اور پھر پورے جہان پر نافذ کر دے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (۲)

اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔

اس وقت خوف زدہ اور بے چین انسانیت تمہارے نعرۂ تکبیر اور آوازِ حق سننے کے لیے گوش بر آواز ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل اگر کوئی عمل دفتر میں ہے (۱)

---

(۱) سورۃ الحج: ۷۸

(۲) سورۃ محمد: ۷

(۳) بانگِ درا

اغیار کی دوستی اور قرآن

اس وقت دنیا میں کروڑوں کتابیں موجود ہیں لیکن کسی مصنف نے
اپنی کتاب کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس کے مندرجات ہر شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ یہ اعجاز اور اعزاز صرف اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب قرآن مجید کو حاصل ہے کہ اس کی ابتدا ہی اس اعلان سے ہوتی ہے کہ شکوک وشبہات کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اور یہ ازلی، ابدی اور اٹل حقائق پر مشتمل ہے۔ اہل ایمان اس عظیم کتاب کے ایک ایک لفظ پر صدقِ دل سے ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کتاب کا ایک معجزاتی پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں دی ہوئی ہر پیشگوئی حرف بحرف درست ثابت ہوتی ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی اور ماضی و مستقبل کی جکڑبندیوں سے وراءالورا ہے۔ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے ہر فرمان پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نہیں فرمائی تھی اور کفار کی طرف سے اہل ایمان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے۔ اسی دوران میں دنیا کی دو عظیم طاقتوں روم اور ایران میں جنگ جاری تھی۔ بت پرست مشرکین مکہ کی ہمدردیاں آتش پرست ایرانیوں کے ساتھ تھیں اور مسلمان اپنی فطرت کے مطابق اس وقت بھی اہل کتاب رومیوں کے غلبہ کے خواہاں تھے۔ اس جنگ میں ایرانیوں نے رومیوں کو بہت بری طرح سے شکست دے دی تو کفار مکہ بہت خوش ہوئے اور اسے اپنی فتح اور مسلمانوں کی شکست پر محمول کیا۔ انہی ایام میں قرآن کریم کی سورۃ الروم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اہل روم اس مغلوبیت کے چند برس بعد ہی ایرانیوں پر غالب آجائیں گے۔ اس

وقت رومیوں کو اس انداز سے شکست ہوئی تھی کہ مادی نقطہ نظر سے ان کی دوبارہ فتح یابی ناممکن دکھائی دیتی تھی۔ لیکن اہل ایمان اپنے ربّ کے قول کو اٹل جانتے ہوئے اس پیشگوئی پر خوش ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایمان کی یہ کیفیت تھی کہ انہوں نے قریش کے ایک ممتاز سردار اُبی بن خلف سے شرط لگالی کہ اگر تین سال کے دوران رومی غالب نہ آئے تو میں دس اونٹ دوں گا اور اگر غالب آ گئے تو تم دس اونٹ مجھے دینا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کریم کی آیت میں ''بضع سنین'' آیا ہے اور اس کا اطلاق تین سے نو سال کی مدت تک ہوتا ہے لہٰذا تم اس شرط کی مدت نو سال تک مقرر کر کے اونٹوں کی تعداد بڑھالو۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اُبی بن خلف سے نو سال کی مدت مقرر کر کے سو اونٹوں کی شرط لگالی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے عین مطابق قیصر روم نے اپنی شکست سے ٹھیک سات سال بعد ایرانی فوجوں کو شکست فاش دے دی۔ اہل ایمان کو یہ خوشخبری اس وقت ملی جب اللہ کی نصرت سے وہ میدان بدر میں کفار مکہ کو شکست دے چکے تھے۔ اس طرح مسلمانوں کو دوہری خوشی نصیب ہوئی۔

جب تک اہل ایمان ربّ العالمین کے ارشادات اور حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کو حرز جان بنا کر بنی نوع انسان کو ہر نوعِ غلامی سے نجات دلانے اور دنیوی و اخروی نعمتوں سے مالامال کر دینے والے اللہ کی حاکمیت والے سچے دین کے علمبردار بن کر مجاہدانہ زندگی بسر کرتے رہے، انہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل رہی اور فتح و کامرانی ان کے قدم چومتی رہی۔ جب اُمت مسلمہ کا عقیدۂ توحید کمزور ہو گیا اور وہ دنیوی لذات میں گرفتار ہو کر اُمت وسطیٰ کے کردار کو فراموش کر بیٹھی تو اسے سزا کے طور پر اغیار کی غلامی میں مبتلا کر دیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اس ابتلا کا ایک دور ختم ہوا اور مسلمان ممالک کو سیاسی آزادی نصیب ہوئی لیکن ہم نے اس روش کو پوری طرح بدلنے کی کوشش نہیں کی جس کی پاداش میں اقوام عالم کی قیادت ہم سے سلب کر لی گئی تھی۔ ہم نے

اللہ تعالیٰ کے واضح احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی قوت ونصرت پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ کے دشمنوں اور اپنے سابق آقاؤں کو ہی اپنا سرپرست، دوست اور ہمدرد بنائے رکھنے کی کوتاہی کی اور اللہ کی طرف سے اس کی سزا بھی بھگت رہے ہیں۔ قرآن کریم جو ہمارا آئین حیات ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے ہماری خارجہ پالیسی کی بنیادیں بڑی وضاحت کے ساتھ متعین کر رکھی ہیں۔ ہم یہاں متعلقہ آیات کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں تا کہ ان کی روشنی میں اپنے قومی کردار کا جائزہ لے کر جادہ حق پر گامزن ہوسکیں۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ (۱)

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو اللہ اور اسکے رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ (۲)

اے اہل ایمان ان لوگوں سے جن پر اللہ غصے ہوا ہے (یعنی یہود ونصاریٰ سے) دوستی نہ کرو۔ یہ لوگ بھی آخرت کی زندگی سے اسی طرح ناامید ہو گئے ہیں جس طرح کافر قبروں میں مردوں کے جی اُٹھنے سے ناامید ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا

---

(۱) سورۃ المجادلہ:۲۲

(۲) سورۃ الممتحنہ:۱۳

وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۱)

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں ان کو اور کفار کو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا دیا ہے دوست نہ بناؤ۔ اور مومن ہو تو اللہ ہی سے ڈرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ (۲)

اے ایمان والو! اغیار کو اپنا رازدان نہ بنانا۔ یہ لوگ تمہاری خرابی میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے اور ہر اس امر کی خواہش کرتے ہیں جس سے تمہیں تکلیف پہنچے۔ کچھ دشمنی تو ان کی باتوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں مخفی ہے وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے تمہارے لئے علامات واضح طور پر بیان کر دی ہیں اگر تم عقل سے کام لو۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا (۳)

اے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ دیکھیں گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ عداوت رکھنے والے یہودی اور مشرکین ہیں۔

---

(۱) سورۃ المائدۃ: ۵۷

(۲) سورۃ آل عمران: ۱۱۸

(۱) سورۃ المائدۃ: ۸۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۱)

اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ۔ یہ باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے شمار ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۲)

یہ خوف دلانے والا تو شیطان ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔ اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (۳)

تمہارے خیر خواہ اور دوست تو اللہ تعالیٰ، اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور اطاعت میں جھکے رہتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ، اسکے رسولؐ اور اہل ایمان سے دوستی کرے گا وہ گویا اللہ کے لشکر میں شامل ہو گیا اور اللہ کا لشکر ہی غالب

---

(۱) سورۃ المائدۃ:۵۱

(۲) سورۃ آل عمران:۱۷۵

(۳) سورۃ المائدۃ:۵۶-۵۵

پانے والا ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر واضح الفاظ میں یہود وہنود و نصاریٰ کی نفسیات بیان کر کے ہمارے لئے ایک محفوظ حکمت عملی طے فرما دی۔اس کے باوجود بھی اگر ہمارے حکام اللہ تعالیٰ کے صاف صاف احکام کے علی الرغم ان اقوام کی دوستی کے وہم میں مبتلا ہو جائیں تو نتیجہ تو یقینی طور پر وہی نکلے گا جس کی نشاندہی اللہ تعالیٰ نے کر رکھی ہے۔بار بار اغیار کے ہاتھوں نقصان اٹھانے کے باوجود ہمارے دانشور، صحافی اور سیاستدان ان چہیتوں کی دوستی کا دم بھرنے سے باز نہیں آتے اور ساتھ ساتھ ان اصنام باطل کی بے وفائیوں کا شکوہ بھی کرتے رہتے ہیں تا کہ کسی طرح ان کی نظر التفات حاصل ہو جائے۔ان کی فریب کاریوں کے باعث رنج پر رنج اٹھاتے چلے جا رہے ہیں پھر بھی ان کی دوستی کے جال سے چھٹکارا حاصل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔حالانکہ سچا مسلمان اب بھی شرطیہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ یہود، ہنود اور عیسائی کبھی ہمارے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔آزمانا تو اسے چاہیے جس کے بارے میں علم اور تجربہ نہ ہو۔ہمیں تو ہمارے علیم و خبیر پروردگار نے ان کے خبث باطن سے بھی آگاہ فرما دیا ہے اس لئے ان اقوام کے ساتھ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے فرمودات کی روشنی میں ہی طے کرنے چاہئیں تا کہ ان کے شر سے اور اللہ کی ناراضگی سے بچ جائیں۔مسلمانوں سے ازلی بیر رکھنے والے ان گروہوں کے علاوہ دوسری غیر مسلم اقوام سے تعلقات رکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہماری راہنمائی کیلئے ارشاد فرمایا:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ
يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ
فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى
اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

الظّٰلِمُوْنَ (۱)

جن لوگوں نے تم سے دین کے اختلاف کی وجہ سے جنگ نہیں کی اور
نہ ہی تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا
سلوک کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ تو انصاف
کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کے
ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے
بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے
نکالنے میں دوسروں کی پشت پناہی کی جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں
گے وہی ظالم ہیں۔

قرآنِ کریم کی ان آیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں اور کائنات کے حکمران جسے پاکستان کے آئین کے مطابق مملکت خداداد پاکستان کا مقتدر اعلیٰ تسلیم کیا گیا ہے، کی ہدایات کے مطابق اس ملک کی تمام پالیسیاں مرتب کریں تاکہ اس کی تائید و نصرت کے حقدار ٹھہرائے جائیں۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں جب مصر میں اسلامی افواج کی فتوحات کی رفتار ذرا کم ہوگئی تو آپ نے مجاہدین کے کمانڈر حضرت عمرو بن العاصؓ کو نہایت ہی پر مغز اور حقائق افروز خط لکھا کہ ''اپنی افواج کا جائزہ لو کہ کسی کام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی تو نہیں ہو رہی۔ ہمیں اللہ تعالیٰ اس لئے فتوحات عطا کرتا ہے کہ ہمارا دشمن اس کا نافرمان ہے۔ اگر ہم بھی نافرمان ہو گئے تو اللہ ہمیں اپنی نصرت سے محروم کر دیگا۔ پھر جنگ کے نتائج کا انحصار فوجوں کی نفری اور اسلحہ کی برتری پر ہوگا اور ہمارا دشمن دونوں لحاظ سے ہم پر فوقیت رکھتا ہے''۔ اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آگئی کہ مسلمانوں کی کامیابی کا راز اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور دوسری اقوام پر غلبہ صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ ہم

---

(۱) سورۃ الممتحنۃ: ۹-۸

من حیث القوم پوری طرح اللہ کے دین میں داخل ہوکراس کے تابع فرمان بندے اور سچے مسلم بن جائیں۔اگر ہمیں اپنے کھوئے ہوئے مقام کودوبارہ حاصل کرنے کی جستجو ہےتو ہمیں زندگی کے ہرشعبہ میں اللہ تعالیٰ اوراس کے آئین کی بالادستی کوقبول کرنا ہوگا۔جزوی اطاعت کرنے والوں کوقرآن کریم میں خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْىٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۱)

کیا تم کتاب کے بعض احکام کوتو مانتے ہواور بعض سے انکار کئے دیتے ہو۔تو جوتم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزااس کے سوا اور کیاہوسکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں رسوائی ہواور قیامت کے دن سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں۔اور جوکام تم کرتے ہواللہ تعالیٰ ان سے غافل نہیں۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ: ۸۵

کفار سے رواداری

اللہ تعالیٰ دین کے معاملے میں انسانوں پر کسی بھی قسم کا دباؤ نہیں رکھتے اس لیے اپنے اپنے دور میں تمام انبیاء نے بڑی دل سوزی اور خیر خواہی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اپنی اپنی قوموں کے سامنے اللہ کی الوہیت کے دلائل پیش کیے اور انہیں آخرت کی زندگی کے بارے میں آگاہ کیا تاکہ وہ برضا و رغبت ایمان لاکر فلاحِ دارین حاصل کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کو دعوت دین کا طریقہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ادْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْھُم بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ (۱)

آپ ﷺ لوگوں کو اپنے ربّ کی راہ کی طرف حکمت اور پیاری پیاری نصیحت سے بلایئے اور ان کے ساتھ نہایت ہی اچھے طریقے سے بحث کیجیے۔ جو شخص اس کے راستہ سے بھٹک گیا آپ کا ربّ اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو ہدایت پانے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے۔

قرآن کریم میں یہ ہدایات بھی دی گئی ہیں کہ آپ ﷺ کا کام پیغام پہنچا دینا ہے اور ہدایت دینا اللہ کا کام ہے وہ جسے راہ راست پر لانا چاہتے ہیں اس کا سینہ

---

(۱) سورۃ النحل: ۱۲۵

اسلام کی حقانیت کے لیے کھول دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی تلقین فرمائی کہ وہ بھی مخالفین کے ساتھ خوش خلقی اور شیریں کلامی سے پیش آیا کریں۔اہل اسلام کو ایمان کی دولت نصیب ہو جانے پر اللہ کا بہت شکرگزار رہنا چاہیے لیکن ان کے لیے یہ ہرگز روا نہیں ہے کہ ایمان نہ لانے والوں کو بُرا بھلا کہیں۔ جو کفار دین اسلام کی اشاعت کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کریں اور مسلمانوں کی سرگرمیوں اور پیش رفت میں مزاحم ہوں ان کی قوت کو توڑنا ضروری ہے لیکن جب وہ لوگ سرنگوں ہو جائیں تو پھر عقائد کی بنیاد پر ان کو قتل کرنے یا ان پر کسی قسم کا جبر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ جنگ کے دوران بھی صرف اتنی ہی خونریزی کرنے کا حکم ہے جس سے باطل کی حمایت میں ہتھیار اٹھانے والوں کی قوت ٹوٹ جائے۔ جنگی کاروائی کے دوران عورتوں ،بچوں، بوڑھوں، زخمیوں، مریضوں اور راہبوں پر ہاتھ اٹھانے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خبردار کیا ہے کہ شیطان نسلِ انسانی کا ازلی دشمن ہے اور عداوت کی وجہ سے اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ انسانوں کے درمیان کسی نہ کسی طریقے سے جھگڑے پیدا کر کے انہیں لڑواتا اور خونریزی کرواتا رہے اس لیے تم اللہ کے دین کی تبلیغ نہایت مہذب اور احسن طریقے سے کرنا اور اختلاف عقائد کی بنیاد پر تفرقے اور جھگڑے نہ ڈالنا۔اللہ تعالیٰ کی ہدایات غور سے ملاحظہ فرمائیے:

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَھُمْ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْکُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْکُمْ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ وَکِیْلًا (۱)

اور آپ ﷺ میرے سبھی بندوں کو کہہ دیجیے کہ ایسی باتیں کہا کریں جو بہت ہی پسندیدہ ہوں کیونکہ شیطان بُری باتوں سے اُن میں فساد ڈلواتا ہے کچھ شک نہیں کہ شیطان بنی نوع انسان کا کھلا دشمن ہے۔

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل:۵۳-۵۴

تمہارا ربّ تم سے خوب واقف ہے اگر چاہے تو تم پر رحم فرمائے یا اگر
چاہے تو تمہیں عذاب دے اور ہم نے تم کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں
بھیجا۔

معلوم ہوا کہ ایسی بات زبان سے نکالنا جس سے کوئی جھگڑا کھڑا ہو جائے شیطان کی مدد کرنے کے مترادف ہے۔اللہ تعالیٰ ہر انسان کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ کتنا پارسا یا گنہگار ہے۔آخر کار ہر ایک کو اس کے پاس لوٹنا ہے اور وہ جیسا چاہے گا ہر ایک کے ساتھ سلوک کرے گا اس لیے اہل ایمان کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ غیر مسلموں سے غیر انسانی برتاؤ کریں یا ان کے مذہبی عقائد کا تمسخر اڑا کر ان کا دل دکھائیں۔جو لوگ جانوروں، پتھر کے بتوں یا دیوی دیوتاؤں کو پوجتے ہیں ان کے دلوں میں اپنے باطل معبودوں کے لیے ویسا ہی احترام ہوتا ہے جیسا کہ مومنین کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے۔انہیں اپنے آباؤاجداد کا دین ہی سچا نظر آتا ہے اور انہیں اپنے خود ساختہ عقائد اپنی جانوں سے بھی زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ باطل پرست قومیں اللہ کے عذاب سے یا مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوگئیں لیکن انہوں نے اپنے بے بنیاد عقائد سے دستبردار ہونا گوارا نہ کیا۔مشرکین اپنے بتوں کی ہتک یا ان کے خلاف ناپسندیدہ کلمات ہرگز برداشت نہیں کرتے۔ان کے نزدیک ان کے معبود نہایت ہی مقدس اور بزرگ ہستیوں کا درجہ رکھتے ہیں۔اپنے اپنے دینی عقائد اور بزرگ ہستیوں سے محبت رکھنا ایک فطری بات ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے کفار اور مشرکین کے جذبات اور احساسات کو مدنظر رکھنے کے لیے قرآن کریم میں جو تلقین فرمائی ہے وہ قابل غور اور مبلغین اسلام کے لیے مشعل راہ ہے:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا وَّمَآ
اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ

عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱)

اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان پر نگہبان مقرر نہیں کیا اور نہ ہی آپ ان کے داروغہ ہیں۔ اے اہل ایمان! جن ہستیوں کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا بھلا نہ کہنا کہیں یہ بھی اللہ کو بے سمجھی بے ادبی سے برا نہ کہہ بیٹھیں۔ اس طرح ہم نے ہر امت کے اعمال ان کی نظروں میں خوشنما بنا دیئے ہیں آخر کار تو ان کو اپنے ربّ کے پاس لوٹ کر جانا ہی ہے تب وہ ان کو بتائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس حقیقت سے آگاہ فرما دیا کہ آپ کی انتہائی خیر خواہی اور مثالی جدوجہد کے باوجود بھی سب لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ کئی لوگوں کے دل ان کی مسلسل بداعمالیوں اور شرارتوں کے سبب مردہ ہو چکے ہیں۔ آپ کی نصیحتوں اور قرآن کی آیات کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ان کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو چکے ہیں۔ ان کے دلوں کے امراض لاعلاج حد تک بڑھ چکے ہیں اور اللہ نے ان پر مہریں لگا دی ہیں اس لیے اگر یہ لوگ عقیدۂ توحید کو تسلیم نہیں کرتے اور اپنے بتوں کی پرستش پر ہی اڑے رہنے پر بضد ہیں تو پھر ان الفاظ کے ساتھ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجیے:

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ (۲)

آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میں تو اپنے دین کو خالص کر کے صرف اللہ کی بندگی کرتا ہوں اے گروہ مشرکین! تم اسکے سوا جس کی چاہو پرستش کرو

---

(۱) سورۃ الانعام: ۱۰۸-۱۰۷

(۲) سورۃ الزمر: ۱۵-۱۴

تبلیغ دین اور اصلاح کا کام وسعتِ قلب، تحمل، بردباری اور انتہائی قوت برداشت کا متقاضی ہے۔ اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کے دلوں میں جب تک اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لیے بے پناہ احترام ومحبت، شفقت ورحمت اور انتہائی خیر خواہی کے جذبات موجزن نہ ہوں تبلیغ دین کا عظیم کام بار آور نہیں ہوتا۔ یہاں حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ایک واقعہ بیان کر دینا دلوں کی تقویت کا باعث ہوگا۔ ایک دن آپ ﷺ اسلام کی دعوت دینے کے لیے طائف تشریف لے گئے۔ وہاں کے حق ناشناس لوگوں نے آپ ﷺ کو اس قدر مارا کہ سر مبارک پھٹ گیا اور اتنا خون بہا کہ جوتوں کی ایڑیوں میں جمع ہو گیا اور آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد آپ کو ہوش آیا تو جبرائیلؑ نے آ کر سلام کیا اور آپ کی تشفی فرمائی اور ایک دوسرے فرشتے کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ وہ فرشتہ بھی سلام بجا لایا اور اس نے عرض کیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے کہ آپ ﷺ جو بھی حکم دیں اس کی فوراً تعمیل کروں۔ میں پہاڑوں پر تعینات ہوں۔ اگر آپ حکم فرمائیں تو آن واحد میں طائف کے پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں اور جتنی بستیاں بیچ میں ہیں سب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان میں دب کر فنا ہو جائیں۔ صرف آپ کے حکم کی دیر ہے۔ لیکن اس مقدس ہستی جس کے دل میں اللہ نے انسانوں کے لیے بے پناہ محبت ڈال کر اسے سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا' نے فرمایا' اللہ تعالیٰ کو میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ میں ان لوگوں کی تباہی ہرگز نہیں چاہتا۔ بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ یہ سب مسلمان ہو جائیں اور ان کی اولاد اور نسلوں میں وہ لوگ پیدا ہوں جو چار دانگ عالم میں تیرا پیغام پہنچا دیں اور دین اسلام کے نور سے زمین کے چپہ چپہ کو جگمگا دیں۔''

یہ ہے حضور صاحب خلق عظیم ﷺ کی کمال قوتِ برداشت کا بے مثال نمونہ۔ آپ ﷺ اپنے مخالفین کی ہر سختی، درشتی اور ایذا رسانی انتہائی حلم کے ساتھ سہتے رہے۔ لیکن انسانیت کے محسنِ اعظم ﷺ نے انسانوں کے ساتھ اپنی محبت اور ہمدردی میں کبھی کمی نہ آنے دی اور آخر دم تک انہیں اللہ کی عبادت، مغفرت اور جنت کی طرف دعوت

دیتے رہے۔صرف اتنا ہی نہ تھا کہ حضور ﷺ نے گالی کے بدلے کبھی گالی نہ دی یا پتھر کے بدلے کبھی پتھر نہ مارا بلکہ کمال یہ ہے کہ اپنے مخالفوں اور دشمنوں کے خلاف کبھی دل میں بھی کوئی منفی خیال نہ آنے دیا۔مخلوق کے ساتھ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو انسان سب سے زیادہ اللہ کے قریب ہوگا اسے مخلوق خدا کے ساتھ محبت بھی سب سے زیادہ ہوگی۔ یہ مرتبہ حضور رحمت للعالمین ﷺ کو حاصل ہے۔آپ کے بعد آپ کے نقش قدم پر چلنے والے صالحین بھی اللہ کے قرب کی نسبت سے اللہ کی مخلوق کی محبت اور خدمت کی روش پر چلتے رہے ہیں کیوں کہ دل محبت ہی سے فتح کیے جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آج زمین کا کونہ کونہ مسلمانوں سے بھرا پڑا ہے۔بنیادی طور پر ہر مسلمان دین اسلام کا مبلغ ہے اور اس کا فرض ہے کہ خود اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچائے اور دوسرے انسانوں کو بھی دعوت دین دے کر انھیں بچانے کی حتی المقدور سعی کرتا رہے اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے اپنے آقا و سردار نبی مکرم خلق مجسم ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے رحم و کرم،عفوو درگزر اور محبت و مودت جیسی عادات اپنے اندر پیدا کرے۔ درد دل اور عالمگیر محبت کا یہ گوہر بادشاہوں کے خزانوں سے نہیں ملتا البتہ اہل محبت یعنی اللہ والے فقیروں کے سینوں سے مل جاتا ہے۔تبلیغ دین کے سلسلے میں یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے نتائج ہماری مرضی کے مطابق ہی نکلیں۔یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیے کہ تمام انسانوں کے دل اللہ کی مٹھی میں ہیں وہ جس کسی کو اور جب چاہے ہدایت نصیب فرما سکتا ہے ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔اگر کسی پر اس کے بُرے اعمال کی وجہ سے بدبختی غالب آ چکی ہو تو اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ایسے لوگوں کے ساتھ بھی نفرت کا برتاؤ نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان پر رحم آنا چاہیے کہ ایک دن یہ آگ میں ڈالے جائیں گے۔

ان ہدایات کی روشنی میں کفار و مشرکین کے ساتھ بھی رواداری کا برتاؤ

کرنا چاہیے اور احترام انسانیت کے جذبہ کے تحت مل جل کر رہنا چاہیے اور انسانوں کی بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔اس

انداز فکر اور طرز عمل کے بغیر عالمی امن اور وحدت آدمیت کا حسین خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے سچے وارث اور علمائے حق جنہیں ہم اولیاء اللہ کے پیارے نام سے یاد کرتے ہیں، یہی تعلیم دیتے ہیں۔ وہ گناہوں سے تو نفرت کرتے ہیں لیکن گنہگاروں سے دلی محبت کرتے اور ان کی اصلاح کے لیے دل سوزی کے ساتھ کوشاں رہتے ہیں۔ وہ دین کی دعوت قرآنی احکام کے مطابق دانش و حکمت، دلیل و برہان اور رحمت و رافت کے ساتھ دیتے ہیں اور کبھی بھی دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی دل آزاری کے مرتکب نہیں ہوتے۔ حضرت بابا فرید الدین شکر گنج ؒ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان کے ایک ہنر مند معتقد نے آپ کی خدمت میں ایک خوبصورت قینچی نذر کرنا چاہی تو حضرت شیخ نے بڑی خوبصورت بات ارشاد فرمائی کہ ''درویش اور فقیر کے پاس اس قینچی کا کیا کام؟ یہ خود بھی حصوں میں بٹی ہوئی ہے اور دوسری چیزوں کو بھی قطع کرتی اور ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔ فقیر کو تو وہ سوئی پسند ہے جو الف کی طرح سیدھی اور وحدت کی علامت ہے جو کٹے ہوئے ٹکڑوں کو جوڑ کر انہیں آپس میں ملا دیتی ہے۔ دوسروں کی عریانی اور برہنگی کو ڈھانپنے کے لیے کام کرتی ہے اور خود ننگی رہتی ہے۔ ہم فقیروں کا کام تو انسانی رشتوں اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا ہے۔''

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے ''اپنے اندر اللہ جیسی عادات و اخلاق پیدا کرو۔'' اللہ کا قرب اسی طرح حاصل ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنی ساری مخلوق سے پیار کرتا ہے اور کافر و مومن اور رند و زاہد دونوں کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ اسی طرح مومن کو بھی عالمگیر محبت کا اصول اپنا کر اپنے دل و دماغ اور روح کو محبت کے رنگ میں رنگ لینا چاہیے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے اپنی تصنیف ''طریقت توحیدیہ'' میں محبت کے عنوان کے تحت تحریر فرمایا۔

> اگر تم ولی اللہ بننا چاہتے ہو اور اگر تمہاری خواہش ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ محبت کرے تو ضروری ہے کہ تم اس کی مخلوق سے محبت کرو۔

مجنوں تو لیلیٰ کے کُتے سے بھی محبت کرتا تھا تم کیسے محبّ ہو کہ تم اپنے
محبوب کی مخلوق سے بھی محبت نہیں کرتے۔

علامہ محمد اقبالؒ بھی قرآن کی ترجمانی کرتے ہوئے یہی نصیحت کرتے ہیں کہ کافر اور مومن دونوں خدا کی مخلوق ہیں اس لیے کسی کے خلاف بھی بُرا کلمہ زبان پر نہیں لانا چاہیے۔انسانوں کا احترام کرنا ہی کمالِ آدمیت ہے اور بندۂ مومن اللہ کی طرح کافر و مومن دونوں پر شفقت کرتا ہے۔آپ فرماتے ہیں:

حرفِ بد را بر لب آوردن خطاست
کافر و مومن ہمہ خلقِ خداست
آدمیت؟ احترامِ آدمی
باخبر شو از مقامِ آدمی
بندۂ عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق

قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا ہے کہ کیا آپ لوگوں کو ناپسند کریں گے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ارشاد ہوا کہ:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (۱)

اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین پر ہیں' سب کے سب
ایک دم ایمان لے آتے۔تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے یا
انہیں بُرا سمجھیں گے یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں۔

---

(۱) سورۃ یونس:۹۹

پتّا نہیں ہلتا

یہ عجیب اتفاق ہے کہ عام طور پر جب بھی کسی مسلمان بھائی کو بے عملی
چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ اپنی نافرمانی
اور کاہلی کو سہارا دینے کیلئے ایک مقبول العوام بہانہ پیش کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ قرآن کریم
میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اس کے حکم کے بغیر کوئی پتا بھی نہیں ہل سکتا اس لئے ہم بھلا
اس کی مرضی کے بغیر کیا کر سکتے ہیں آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک اور نمازی بنا دے
اس سلسلے میں سب سے پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا واقعی قرآن کریم میں ایسا ہی فرمایا
گیا ہے؟ اور اگر نہیں فرمایا گیا تو پھر ہمیں اس قول کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرنے کی جسارت
ہرگز نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ بہت سنجیدہ اور بھاری ہے۔ آیئے
سب سے پہلے متعلقہ آیات کی تلاوت اور ان کا ترجمہ پڑھتے ہیں:

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ
وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي
ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ.
وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ
يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَى أَجَلٌ مُسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ
يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۱)

اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا

---

(۱) سورۃ الانعام: ۶۰-۵۹

اور اسے خشکی اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں
جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور
کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں لکھی ہوئی ہے۔
وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کر
لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس سے خبر رکھتا ہے پھر تم کو اٹھا
دیتا ہے تاکہ اس طرح زندگی کی معین مدت پوری کر دی جائے۔ پھر تم
سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تم کو تمہارے عمل جو تم
کرتے ہو ایک ایک کر کے بتائے گا۔

ان آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لامتناہی علم کی وسعت کا اظہار
فرمایا گیا ہے۔ جو کچھ غیب میں ہے وہاں کسی انسان کی بذات خود رسائی نہیں ہو سکتی اس کا علم
صرف اللہ کو ہے۔ عالم مادّی میں، خشکی اور تری میں جو کچھ بھی ہے وہ سب جانتا ہے سطح
زمین پر اور زیر آب اربوں کی تعداد میں درخت اور پودے موجود ہیں۔ ان سے دن کے
اجالے اور رات کے اندھیرے میں ہر لحظہ ان گنت پتے جھڑتے رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ
کے علم کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ جہاں کہیں بھی کوئی پتا گرتا ہے اسے اس کا علم ہوتا ہے اور
اس کی باریک بینی کی یہ شان ہے کہ بطن زمین کے اندھیروں میں چھپا ہوا چھوٹے سے چھوٹا
دانہ اور ہر خشک و تر چیز ہمہ وقت اس کی نگاہ میں رہتی ہے۔ اے انسانو! خبردار رہو کہ اللہ کی
ذات اعمال کی بھی اسی طرح نگران ہے تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام اپنے زعم میں خواہ
کتنے ہی پردوں میں چھپ کر کرو لیکن وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوتا ہے اور قیامت کے دن تمہارا
کمایا ہوا خیر و شر کا ذرہ ذرہ تمہارے سامنے لا موجود کریگا۔ اس طرح کی آیات سے مقصود یہ
ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور اس کی عظمت و ہیبت اس کے دل پر چھا
جائے تاکہ وہ تقویٰ کی راہ میں آگے بڑھتا چلا جائے اور مومن اس زمین میں اپنے اعمال کا
محاسبہ ویسی ہی دقت نظری سے کرے جیسی باریکی سے قیامت کے دن اس کا حساب ہونے

والا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات کا انسان کے ساتھ تو خصوصی قرب والا تعلق ہے جو اس سے اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ اپنے نفس کی نفاست اور سوچ کی سچائی پر بھی نظر رکھے۔قرآن کریم کی آیت مبارکہ ملاحظہ فرمایئے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (۱)

اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو خیالات اس کے دل میں گزرتے ہیں ہم ان کو بھی جانتے ہیں اور ہم اسکی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ شروع میں جس آیت کا ذکر کیا گیا تھا اس میں پتا ملنے کا نہیں فرمایا گیا ہے جیسا کہ عوام و خواص نے مشہور کر رکھا ہے بلکہ پتا گرنے اور اس کا اللہ تعالیٰ کو علم ہونے کا ذکر ہوا ہے۔اس لئے سب کو احتیاط برتنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات ہرگز منسوب نہ کریں جو انہوں نے نہ فرمائی ہو۔

یہ حقیقت اپنی جگہ تسلیم شدہ ہے کہ جمادات و نباتات اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وظیفۂ حیات کے پابند اور تقدیر الٰہی میں اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ قانون فطرت سے سرمو انحراف نہیں کر سکتے کیونکہ ان کو انسان کی طرح انتخاب و اختیار کا شعور عطا نہیں کیا گیا۔وہ تقدیر جس میں مرضی کا کوئی عمل دخل نہ ہو، جمادات و نباتات کے لئے مخصوص کر دی گئی ہے لیکن حضرت انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے ایک حد تک ارادہ و اختیار کی جو نعمت عطا کر رکھی ہے اس کے تحت جہاں وہ صراط مستقیم پر گامزن ہو کر اپنے خالق و مالک کی رضا حاصل کرتا ہے وہاں خطا و نسیان کا یہ پتلا قدم قدم پر اس کے احکام کی جان بوجھ کر یا بھولے سے خلاف ورزیاں بھی کرتا چلا جاتا ہے اس لئے جو دوست پتا نہ ملنے والی

---

(۱) سورۃ ق:۱۶

دلیل پیش کرتے ہیں ان سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ پتا ہلتا ہے یا نہیں ہلتا اسے اس کے حال پر چھوڑ کر ہم ذرا اپنی بات کریں کیا ہم اللہ تعالیٰ کے واضح احکام کے خلاف ہل رہے ہیں یا نہیں۔ہم یقیناً ہلتے رہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں صاحب ارادہ و اختیار بنایا گیا ہے جس کے نتیجے میں ہمارے درمیان اختلاف عمل رونما ہوتا ہے۔

اب یہ انسان کی بصیرت اور صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ شیطان کا دوست بن کر خواہشات نفس کی پیروی میں زندگی بسر کرتا اور جہنم میں اس کا ساتھی بنتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے دین حق کا پابند ہو کر انعام یافتہ گروہ میں شامل ہو کر فلاح دارین حاصل کرتا ہے۔علامہ محمد اقبالؒ نے مسلمانوں کو بے عملی سکھانے والے تصور سے نکال کر عمل کی راہ دکھاتے ہوئے تقدیر کی تشریح اس طرح فرمائی:

تیرے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوۂ تقدیر یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے؟ (۱)

جمادات اور نباتات کو انکے حیاتیاتی مقام کی مناسبت سے تھوڑا بہت شعور بخشا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ کائنات کی ہر شے اپنے خالق کو پہچانتی ،اس کی تسبیح کرتی اور اس کی اطاعت میں لگی ہوئی ہے۔نباتات کا شعور جمادات سے کچھ زیادہ ہے کہ انہیں پانی، ہوا اور روشنی کا احساس ہوتا ہے۔درخت اور پودے زمین سے اگتے ،بڑھتے، پھولتے پھلتے اور اپنی نسل کو جاری رکھتے ہیں لیکن نہ تو وہ اپنے مقام سے حرکت کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی نوع میں کوئی تبدیلی لا سکتے ہیں۔حیوانات کو نباتات پر برتری حاصل ہے کہ وہ جبلی خواہشات کی تسکین کے لئے حرکت تو کر سکتے ہیں لیکن اپنا طرز حیات اور ماحول میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی لانے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔کروڑوں برسوں سے ان کی بود و باش

---

(۱) ارمغانِ حجاز

ایک ہی ڈگر پر چل رہی ہے۔یہ خصوصی شرف حضرت انسان کے لئے وقف تھا کہ اسے بہترین صلاحیتوں اور برتر شعور سے نواز کر دوسری مخلوقات پر ترجیح دی گئی۔اسے صاحب ارادہ واختیار ہونے کی وجہ سے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا اور اس دنیا کی کارکردگی کے مطابق عالم آخرت میں اسے جزا وسزا بھی ملے گی۔

اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں کے بل بوتے پر انسان کائنات کی تسخیر اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کی راہ میں ہر لحظہ نئی آن شان سے برابر آگے بڑھتا چلا جارہا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کی معاشرت اور معیشت بھی بدلتی چلی جارہی ہے۔موجودہ دور میں یہ تبدیلیاں اتنی تیزی سے آرہی ہیں کہ انسان کے مستقبل کے بارے میں صحیح تصور کرنا بھی محال ہوگیا ہے۔تسخیر وتغیر کی صلاحیتوں سے لیس صاحبِ ارادہ مخلوق نے اس کرۂ ارض کا نقشہ بدل کر رکھ دیا ہے اور وہ اپنے اعمال کی ذمہ داری قبول کرنے کی ہر لحاظ سے اہل اور مکلّف ہے۔

اس دنیا میں انسانوں کا اپنا نظامِ تعزیرات بھی اسی بنیاد پر تشکیل دیا گیا ہے۔ہر معاشرے نے انسانی عقل وشعور کے پختہ ہونے کی ایک عمر مقرر کر رکھی ہے۔اس حد سے کم عمر بچوں کو اس کے اعمال کا پوری طرح ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاتا۔یہی وجہ ہے کہ ان کے گھناؤنے جرائم پر بھی ہلکی ہلکی سی سزائیں دی جاتی ہیں۔ان کی خام عقلی کی وجہ سے ہی نہ تو ان کو ووٹ دینے کی اجازت ہوتی ہے نہ ہی انہیں گاڑی چلانے یا اسلحہ رکھنے کا لائسنس جاری کیا جاتا ہے بلکہ ان کا شناختی کارڈ تک نہیں بنایا جاتا۔وہی بچہ جب بالغ ہوجاتا ہے تو اسے یہ تمام حقوق دے دیئے جاتے ہیں کہ اس سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ اسے گاڑی چلانے،اسلحہ رکھنے اور ووٹ ڈالنے کے جو حقوق دیئے جارہے ہیں بالغ نظری سے کام لیتے ہوئے ان کا غلط استعمال ہرگز نہیں کرے گا اور اپنے اخلاق وکردار سے قانون کا پابند اور ذمہ دار شہری ہونے کا ثبوت دے گا۔جب کسی نوجوان کو بلوغت عقل کی وجہ سے ذمہ داری کا یہ مقام مل جائے تو کیا وہ اس بات کو بھی پسند کریگا کہ اسے دوبارہ کج فہم،کم عقل اور نابالغ قرار

دیا جائے اور اسے غیر ذمہ دار قرار دیکر اس کے تمام حقوق ضبط کر لئے جائیں؟ اسی طرح بنی نوع انسان کی مثال ہے۔ آسانی کی خاطر یوں سمجھ لیجئے کہ تمام مخلوقات میں صرف انسان ہی عقل وشعور کے اس مقام پر فائز ہے کہ اسے دنیا میں انتخاب واختیار کی آزادی دے کر اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ یہ اصول کی بات ہے کہ ہر منصب کے اختیارات اور حقوق کی مناسبت سے اس پر ذمہ داریاں بھی عائد کی جاتی ہیں۔ اس طرح یہ آزادی بھی انسان کے شعور، اس کی بالغ نظری، اس کی باطنی بصیرت اور اس کے کردار کا ایک کڑا امتحان ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے کہ اس نے انسان کو اس آزمائش گاہ میں بھٹکنے اور ٹھوکریں کھانے کے لیے تنہا نہیں چھوڑا۔ جہاں زندگی کے ہر موڑ پر شیطان کے کارندے اسے گمراہ کرنے کے لیے بہروپ دھارے کھڑے ہیں وہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے منتخب بندوں یعنی انبیاء ورسل علیہم السلام کے توسط سے صراطِ مستقیم کی ہدایت کا انتظام فرمادیا۔ اب انسان کی کامیابی کا انحصار اس امر پر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو آئین حیات مان کر اس کے رسول ﷺ کی پیروی میں دنیا کی محبت ہوا وہوس، خواہشات نفس اور شیطان کے مکرو فریب سے بچتا ہوا اللہ کی محبت اور فکر آخرت کی راہ پر گامزن رہے اور اس کی رضا حاصل کر کے دنیا وآخرت میں سرخرو ہو جائے۔ اس راہ میں پیش آنے والی ہر رکاوٹ جسے بندہ مومن عبور کرتا ہے، شیطان کے مکروفریب کا ہر جال جسے وہ توڑتا ہے اور اپنے نفس کی ہر خواہش جسے شریعت نے ناجائز قرار دیا ہو اسے ٹھکرانا بندے کو اس کے رب کے قریب کر دیتا ہے۔ اسی جدوجہد میں ہی انسان کے کمال کا راز ہے۔ دیکھ لیجئے کہ اللہ علیم وحکیم نے انسان کے دشمن یعنی شیطان کو آدم علیہ السلام سے بھی پہلے پیدا فرمادیا تھا کیونکہ اس کا مقابلہ کئے بغیر انسان اپنے کمال کو نہ پہنچ سکتا تھا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے طاقت ہمیشہ رکاوٹوں کا مقابلہ کرنے سے ہی پیدا ہوتی ہے:

اہلِ ہمت کے لئے کیا لطف ایسی حیات میں
راہ منزل میں جہاں دشمن نہ ہو کوئی گھات میں

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکمل انتظامات کے باوجود اب یہ انسان کی کم نصیبی اور پست ہمتی ہے کہ اتنی اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہوتے ہوئے بھی وہ کشمکشِ حیات سے دستبردار ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے عطاء کردہ اختیار و انتخاب کی آزادی سے دست کش ہو کر درختوں کے پتوں اور ریت کے ذروں کا ہم جنس بننے کو ترجیح دینے لگے جو ہر قسم کی آزادی سے محروم اور فطرت کے جبری نظام اطاعت میں جکڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ احسن تقویم سے پیدا کئے گئے انسان کو مادی دنیا کے اسفل السافلین میں اس لئے ڈالا گیا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر زینت حیات کے فریب سے بچتا ہوا ایمان باللہ اور عمل صالح کی راہ اپنائے اور اپنی پوری زندگی اسوہ حسنہ کے سانچے میں ڈھال کر اپنا مقصود حیات یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کر کے کامیاب ہو جائے۔ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ انسان کو اس کے مقام کمال تک پہنچانے کے لئے ہے۔ بقول علامہ محمد اقبالؒ:

یہ ہے مقصد روز گار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

انسان کی تقدیر جبر میں جکڑی ہوئی نہیں ہے بلکہ ہر انسان کے لئے اس کی صلاحیتوں کے مطابق ایک میدان عمل وقف ہے جس میں اس کی کامیابی کا ہدف یا مقام محمود مقرر کر دیا گیا ہے جہاں تک پہنچنا اس کے بس میں ہے اس لئے وہ وہاں تک پہنچنے کیلئے مکلّف ہے حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث مبارک کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ ''جب دوزخی دوزخ اور جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ہر ایک دوزخی کو جنت میں ایک مقام دکھلا کر فرمائے گا کہ اگر تم میرے رسولوں کا اتباع کر کے نیکی والی زندگی گزارتے تو اس جگہ ہوتے۔ اس پر اس دوزخی کو بڑی حسرت ہوگی۔ وہ اپنی گزشتہ زندگی پر پچھتائے گا اور اپنی عقل پر ماتم کرے گا۔ اس طرح اس کے عذاب میں اضافہ ہوگا۔ ہر جنتی کو دوزخ میں اس کے مقام کی جھلک دکھلا کر فرمایا جائے گا کہ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان

نہ لاتے اور عمل صالح کی راہ نہ اپناتے تو جنت کی بجائے یہ تمہارا ٹھکانہ ہوتا اس پر مومن اللہ تعالٰی کی حمد و ثناء کرے گا جس نے اپنے رسول ﷺ کی دعوت قبول کر کے ایمان و عمل کی توفیق عطا فرمائی اور دوزخ کے عذاب سے بچا لیا۔ اس طرح اس کی خوشی دوبالا ہو جائیگی اور وہ اللہ کا مزید شکر بجا لائے گا۔'' اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے لئے جامد تقدیر قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے بلکہ اس کے لئے مسلسل جدو جہد کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جانے اور اللہ کی رضا حاصل کر لینے والا حرکی نظریہ تقدیر ہے۔ قرون اولیٰ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اور قرون وسطیٰ کے اہل ایمان جب تک اس ازلی وابدی حقیقت کو حرز جان بنائے ہوئے اللہ تعالٰی کی محبت میں صراط مستقیم پر شعلہ جوالہ بن کر آگے بڑھتے رہے جب تک وہ اپنے آپ کو مرکز کائنات سمجھ کر اس عالم خاک کو تسخیر کر کے اپنی خدمت میں تو لگاتے رہے لیکن اس کی محبت کے اسیر نہیں ہوئے جب تک اللہ کی رضا ان کا مقصود حیات بنی رہی اور اس میں رکاوٹ نہ ڈالنے والی ہر خواہش اور متاع زینت کو ٹھکرا کر راہ حق پر گامزن رہے جب تک وہ طائران لاہوتی عالم خاک کی جکڑ بندیوں سے آزاد رہے اور اپنی سوئے عرش پرواز میں کوتاہی پر موت کو ترجیح دیتے رہے اس وقت تک اللہ تعالٰی کی رحمت و نصرت ان کے سروں پر سایہ فگن رہی، قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت ان کی ٹھوکروں پر لڑھکتے رہے اور اقوام عالم کی قیادت ان کے ہاتھوں میں ہونے پر فخر کرتی رہی لیکن اب بقول علامہ محمد اقبالؒ:

خبر نہیں کیا ہے نام اسکا، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ (۱)

---

(۱) ارمغان حجاز

اشاعتِ دین

اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر مشتمل نظامِ حیات جسے ہر دور میں اسلام کا نام دیا گیا محبت اور رحمت کا دین ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ بنی نوعِ انسان کی راہنمائی کرنا چاہتا ہے تاکہ اولادِ آدم اس دنیا میں بھی امن وامان اور عزت واکرام کی زندگی گزارے اور آخرت کی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر کے اس کی جنت میں داخل ہو سکے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صاحبِ ارادہ بنا کر انتخابِ عمل کا اختیار دے رکھا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ فرما کر دین کے نفاذ کیلئے جبر کے استعمال کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ عالمی امن اور فلاحِ دارین کے اس مقدس منشور کے رد و قبول کا معاملہ انسان کی صوابدید اور ضمیر کے فیصلہ پر چھوڑ دیا گیا ہے وہ جس لائحۂ عمل کا انتخاب کرے گا اس کے نتائج کی ذمہ داری اسی پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (۱)

اور ہم جو رسول بھیجتے رہے ہیں تو وہ خوشخبری سنانے اور ڈرانے کو۔ پھر جو شخص ایمان لائے اور نیکوکار ہو جائے تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ اندوہناک ہونگے۔ اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا

---

(۱) سورۃ الانعام: ۴۸-۴۹

ان کی نافرمانیوں کے سبب انہیں عذاب ہوگا۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (۱)

آپ کہہ دیں کہ یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے۔ تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ۔ (۲)

جن کی تم بندگی کرتے ہو میں انکی بندگی کرنے والا نہیں۔ نہ تم اس کی بندگی کرنے والے ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین میرے لئے اللہ کا دین۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (۳)

ہم نے اُسے اپنا راستہ دکھا دیا خواہ وہ شکر گزار ہو خواہ ناشکرا۔

گزشتہ ادوار میں انسانی آبادیاں دُور دُور اور ذرائع نقل وحمل مفقود تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی طرف ان لوگوں کی مقامی زبان ہی میں ہدایت دینے والے پیغمبر بھیجے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آبادی پورے کرۂ ارض پر پھیل گئی، نقل و حمل کیلئے نئے نئے ذرائع میسر آ گئے نشر و اشاعت کی سہولتیں عام ہو گئیں اور یہ ممکن ہو گیا کہ کسی ایک ہی مقام سے ایک ہی شخصیت کے ذریعے اللہ کے پیغام کو پھیلایا جا سکے تو اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کے لیے اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی آخری کتاب قرآنِ مجید دے کر مکہ میں مبعوث فرمادیا۔ اب قیامت تک آنے والے تمام انسان

---

(۱) سورۃ کہف:۲۹

(۲) سورۃ کافرون:۶-۴

(۳) سورۃ الدھر:۳

آپ ہی کی اُمت ہیں اور یہ سارا عرصہ آپ ہی کا دورِ نبوت ہے۔آپ رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﷺ اور خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ ﷺ ہیں۔آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا کیونکہ آپ کی نبوت قیامت تک قائم رہے گی۔ یہ بات ذہن میں بٹھالیں کہ قرآن کریم مسلمانوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور تمام دنیا کے انسانوں کیلئے ہے تاکہ وہ اپنے ربّ پر ایمان لاکر مسلمان بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ''یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ'' کہہ کر دنیا جہان کے بسنے والوں کو خطاب فرماتا ہے کہ میرا یہ آخری رسول ﷺ اور آخری کتاب پوری انسانیت کیلئے ہدایت اور نور کا منبع ہیں۔ چند قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ **قُلْ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا** (۱)

آپ کہہ دیجئے کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔

۲۔ **وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا** (۲)

اور ہم نے آپ کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ ہی گواہ کافی ہے۔

۳۔ **وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ** (۳)

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

۴۔ **وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ** (۴)

---

(۱) سورۃ اعراف:۱۵۸

(۲) سورۃ النساء:۷۹

(۳) سورۃ انبیاء:۱۰۷

(۴) سورۃ سبا:۲۸

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

۵۔ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (۱)

آپ کہہ دیں کہ لوگو میں تمہیں کھلم کھلا نصیحت کرنے والا ہوں۔

۶۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّكُمْ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا (۲)

اے لوگو! اللہ کے رسول تمہارے پاس تمہارے اللہ کی طرف سے حق بات لے کر آئے ہیں تو ان پر ایمان لاؤ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر کفر کرو گے تو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

۷۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (۳)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آ چکی اور ہم نے تمہاری طرف چمکتا ہوا نور نازل فرما دیا۔

منصب رسالت

اللہ تعالیٰ نے منصبِ رسالت کے بارے میں بھی واضح کر دیا کہ میرے رسول ﷺ کا کام میرا پیغام بندوں کے نام پہنچا دینا ہے۔ اسے لوگوں پر جابر حاکم یا داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ انہیں زبردستی اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل کرے۔ اللہ تعالیٰ کی

---

(۱) سورۃ الحج: ۴۹

(۲) سورۃ النساء: ۱۷۰

(۳) سورۃ النساء: ۱۷۴

آیات میں تدبر و تفکر کرنا اور حق کی جستجو کرنا بندوں کا کام ہے اور ہدایت عطا فرمانا رحمٰن و رحیم آقا کا انعام ہے۔اس حقیقت کو قرآن کریم میں بار بار دہرایا گیا ہے تا کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے متبعین اہل ایمان پر تبلیغ دین کی حدود و قیود واضح ہو جائیں۔ہم یہاں چند قرآنی آیات بمعہ ترجمہ نذر قارئین ہیں:

۱۔ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ (۱)

(اے میرے رسول) ہم نے آپکو سچائی کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اہل دوزخ کے بارے میں آپ سے کچھ پرستش نہیں ہوگی۔

۲۔ وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ (۲)

اور اس قرآن کو تمہاری قوم نے جھٹلایا حالانکہ وہ سراسر حق ہے۔کہہ دو کہ میں تمہارا داروغہ نہیں ہوں۔

۳۔ اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ (۳)

جو حکم تمہارے ربّ کی طرف سے تم پر وحی کیا گیا اس کی پیروی کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے کنارہ کرلو۔اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے۔اے پیغمبر ہم نے تم کو اُن پر نگہبان مقرر نہیں

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۱۱۹

(۲) سورۃ الانعام:۶۶

(۳) سورۃ الانعام:۱۰۷-۱۰۶

کیا اور نہ تم ان کے داروغہ ہو۔

۴۔ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (۱)

اگر وہ منہ پھیر لیں تو آپ ﷺ کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کھول کر پہنچا دینا ہے۔

۵۔ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ (۲)

پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو ہم نے تم کو اُن پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ تمہارا کام تو صرف احکام کا پہنچا دینا ہے۔

۶۔ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (۳)

تمہارا کام ہمارے احکام کا پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے

۷۔ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا (۴)

جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک اُس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جو نافرمانی کرے تو اے پیغمبر تمہیں ہم نے اُن کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

۸۔ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ (۵)

آپ نصیحت کرتے رہیں کہ آپ نصیحت کرنے والے ہی ہیں۔

---

(۱) سورۃ النحل:۸۲

(۲) سورۃ الشوریٰ:۴۸

(۳) سورۃ الرعد:۴۰

(۴) سورۃ النساء:۸۰

(۵) سورۃ الغاشیۃ:۲۱

۹۔ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (۱)

تم اُن پر داروغہ نہیں ہو۔

اگر چہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوا نظامِ حیات اپنے دامن میں انسان کیلئے امن وامان، راحت وآرام، خوشحالی وترقی، اطمینان قلب اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا سامان لئے ہوئے جنت میں داخلے کی دعوت ہے۔ تاہم صاحبِ عقل اور باشعور انسان کیلئے جبری ہدایت کا طریقہ کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ اِسی لئے دعوت کے کام کو ابلاغ کی حدود کے اندر ہی رکھا گیا۔ جو انسان اس دعوت کو قبول کر کے اپنی زندگی اپنے رب کی مرضی کے مطابق بسر کرے گا وہ دنیا اور آخرت میں فلاح پالے گا اور جس نے مادی زندگی کے فریب میں آکر اسی کو اپنا مقصود بنالیا اور خواہشات کی پیروی میں من مرضی کی زندگی اپنالی تو گویا وہ نہ اللہ کو پہچان سکا نہ اپنے آپ کو جان سکا۔ اس کیلئے دنیا میں بھی تنگی کا جینا اور آخرت میں جہنم کا ٹھکانا ہوگا کیونکہ آخر کار ہم سب کو اللہ کے ہاں جانا اور اپنے اعمال کا بدلہ ضرور پانا ہے۔

ترغیب وترہیب

اللہ تعالیٰ نے ارواحِ انسانی کو اپنا دیدار کرا کے ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا تاکہ انکے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت ثبت ہوجائے۔ پھر اسے عقل جیسی نعمت سے نوازا تاکہ اِس کے ذریعے انفس وآفاق میں بکھری ہوئی اللہ تعالیٰ کی انگنت صفات پر تدبر وتفکر کر کے اس کی ذات کو پہچان لے اور اسلام میں داخل ہوکر اس کا قرب وعرفان حاصل کر سکے۔ انسان کو اس کے مقصودِ حیات کی طرف متوجہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سینکڑوں آیات ہیں جن میں سے چند ایک یہاں درج کی جارہی ہیں:

۱۔ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ

---

(۱) سورۃ الغاشیہ:۲۲

يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (۱)

تم لوگ اللہ کے کیسے منکر ہو سکتے ہو جب کہ تم (عالم ارواح میں بغیر جسم کے) مُردہ حالت میں تھے تو اس نے تمہیں زندگی بخشی پھر وہی تم کو مردہ (یعنی عالم برزخ میں بغیر جسم والی) حالت میں لے جائے گا پھر وہی تم کو (جسموں کے ساتھ) دوبارہ زندہ کریگا۔ پھر اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

۲۔ **يَاأَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ** (۲)

اے لوگو تم پر جو اللہ کے احسانات ہیں ان کو یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس تم کہاں بھٹکے پھرتے ہو۔

۳۔ **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ** (۳)

لوگو اپنے رب کی بندگی کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم عذاب سے بچ جاؤ۔ وہ ذات جس نے تمہارے لئے

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۲۸

(۲) سورۃ فاطر:۳

(۳) سورۃ البقرۃ:۲۲-۲۱

زمین کوبچھونا اور آسمان کوچھت بنایا۔اور آسمان سے پانی برسا کر
تمہارے کھانے کے لئے انواع و اقسام کے میوے پیدا کئے۔پس
کسی کواللہ کا ہمسر نہ بناؤاورتم خوب جانتے ہو۔

۴۔ يَآَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِىْ وَالِدٌ
عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ
حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ
الْغَرُوْرُ (۱)

اے لوگواپنے ربّ سے ڈرواوراس دن کا خوف کرو کہ نہ توباپ اپنے
بیٹے کے کچھ کام آئے اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکے۔بے
شک اللہ کاوعدہ سچا ہے پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈالے
اور نہ فریب دینے والا شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں کسی طرح کا
فریب دے۔

ایمان بہ اِذنِ اللہ

اِنسان کی رشدوہدایت کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ایک اپنا نظام ہے
جس کاانحصارفرد کی گزشتہ زندگی کے کردار پر ہوتا ہے۔کچھ لوگ کفروشرک،بدکرداری اور فحش
کلامی کی ان حدوں تک پہنچ جاتے ہیں جہاں ہدایت کے لحاظ سے انہیں لاعلاج قرار دے
دیا جاتا ہے اور اللہ ان کے دلوں پرمہر کردیتا ہے۔ایسے لوگوں پر کسی تقریروتحریر کا کوئی اثرنہیں
ہوتا۔اللہ تعالیٰ نے اس پُراز حکمت نظام سے اپنے حبیب علیہ السلام اور مومنین کوآگاہ فرما
دیا تاکہ تبلیغ کے نتائج سے کبھی رنجیدہ نہ ہوں اور پورے اطمینان قلب اور وقار کے ساتھ اس
کام کوآگے بڑھاتے چلے جائیں کیونکہ ایمان کی سعادت اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی
فردکوحاصل نہیں ہوسکتی۔اس کیلئے اللہ تعالیٰ کے چندفرمودات ملاحظہ فرمائیں:

---

(۱) سورۂ لقمان:۳۳

۱۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (۱)

اگر آپ کا ربّ چاہتا تو جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔کیا آپ لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مومن ہو جائیں۔

۲۔ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (۲)

کسی شخص کو قدرت نہیں ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لائے اور جو لوگ بے عقل ہیں ان پر وہ کفر و ذلت کی نجاست ڈالتا ہے۔

۳۔ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ (۳)

اور موسیٰؑ نے کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب کافر ہو جائیں تو بے شک اللہ بے نیاز اور قابل تعریف ہے۔

۴۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ (۴)

اے پیغمبر شاید تم اس رنج سے کہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے تئیں ہلاک کر دو گے۔اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے نشانی اُتار دیں پھر

---

(۱) سورۃ یونس:۹۹

(۲) سورۃ یونس:۱۰۰

(۳) سورۃ ابراہیم:۸

(۴) سورۃ شعراء:۴-۳

ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں۔

۵۔ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا (۱)

کیا تم چاہتے ہو کہ جس کو اللہ نے گمراہ کیا اس کو رستے پر لے آؤ۔ جسے اللہ گمراہ کردے تم اس کے لیے کبھی بھی رستہ نہ پاؤ گے۔

۶۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۲)

تو جس شخص کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کردیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اسی طرح اللہ ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے گند ڈال دیتے ہیں۔

۷۔ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (۳)

جب اِن لوگوں نے کجروی کی تو اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔

۸۔ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

---

(۱) سورۃ النساء:۸۸

(۲) سورۃ الانعام:۱۲۵

(۳) سورۃ الصف:۵

اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا (۱)

جب آپ قرآن پڑھا کرتے ہیں تو ہم آپ کے اوران لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، مخفی پردہ ڈال دیتے ہیں کہ اسے سمجھ نہ سکیں اوران کے کانوں میں ثقل پیدا کردیتے ہیں۔ جب آپ قرآن میں اپنے ربّ یکتا کا ذکر کرتے ہیں تو وہ بدک جاتے ہیں اور پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔

۹۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (۲)

اگر تمہارا ربّ چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی اُمت کردیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر وہ جن پر تمہارا ربّ رحم فرمادے اور اسی لئے اُس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور تمہارے ربّ کا قول پورا ہوگیا کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سے بھر دونگا۔

اِن آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے رُشد و ہدایت کے نظام کی حکمت اپنے رسول ﷺ پر کھول کر بیان کردی تاکہ وہ چند بدنصیب لوگوں کے اِنکار و اعراض سے ہرگز تنگ دل نہ ہوں اور سمجھ لیں کہ اللہ کی مرضی یوں ہی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اشاعت دین کے لیے جبر کی اجازت نہیں دی تو اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے احکام اور سنت خیر الانام ﷺ کے خلاف چلنے کی جرأت کیسے کرسکتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کا ہمیشہ احترام کیا اور مفتوحہ ممالک میں

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل: ۴۶-۴۵

(۲) سورۃ ھود: ۱۱۹-۱۱۸

بسنے والی اقلیتوں کے جان و مال اور ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی اور انہیں مذہبی رسوم ادا کرنے کی مکمل آزادی دی اگر اس کے برعکس عمل ہوتا تو ہسپانیہ، ہندوستان اور دیگر مسلم ممالک میں کوئی غیر مسلم باقی نہ رہتا۔ درحقیقت اہل ایمان ہی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انسانی جان کے تقدس کو دل سے تسلیم کرتے اور احترام انسانیت کی راہ پر چلتے ہیں۔ کیونکہ سراپا رحمت اللہ تعالیٰ کے رسول رَحمَةً لِّلعٰلَمِينَ ﷺ کی اُمت پوری انسانیت میں محبت اور رحمت بانٹنے کیلئے ہی اُٹھائی گئی ہے۔ بقول حضرت علامہ محمد اقبالؒ:

فطرتِ مسلم سراپا شفقت است
خلق را دست و زبانش رحمت است

اہل کتاب سے مکالمہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان کو یہی ہدایت دی ہے کہ انسانوں کی دُنیوی اور اُخروی فلاح کے ضامن دین کی اشاعت اور انسانوں کو اللہ کی بندگی کی راہ پر لگانے کی عظیم خدمت، حکمت، دانائی اور دل پذیر نصیحتوں کے ذریعے انجام دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں دعوتِ دین کا لائحہ عمل واضح کرتے ہوئے فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (۱)

اے نبی آپ لوگوں کو اپنے ربّ کی راہ کی طرف حکمت اور پیاری پیاری نصیحت سے بلایئے اور نہایت اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔ جو اس کے راستے سے بھٹک گیا ہو آپ کا ربّ اسے خوب جانتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں سے بھی خوب واقف ہے۔

---

(۱) سورۃ النحل: ۱۲۵

اللہ تعالیٰ کے دین کی حقیقت یہ ہے کہ اس نے ہر قوم کی طرف اپنے پیغمبر بھیجے۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کے منتخب اور محبوب بندے تھے، ان پر جو کتابیں اُتاری گئیں وہ برحق تھیں۔ انہوں نے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ، اُسکے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور حیاتِ آخرت پر ایمان لانا ان سب کی تعلیم کے بنیادی ارکان تھے۔ ان حقائق کو تسلیم کرنے والوں کو ہر دور میں مُسلم کہا گیا اور جنہوں نے کسی ایک بھی رُکن کا انکار کیا وہ کافر قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کی اُمت بھی ان تمام ارکان پر ایمان رکھتی اور اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں اور ان پر نازل کی گئی کتابوں کو برحق مانتی ہے۔ گزشتہ اُمتوں یعنی اہل کتاب کو اِن ابدی حقائق پر ایمان لانے کی دعوت دینے کا اسلوب اللہ تعالیٰ نے خود تعلیم فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں سے بے پناہ محبت کرنے کی وجہ سے یہ پسند نہیں فرماتے کہ وہ راہِ راست سے بھٹک کر اپنی عاقبت برباد کر لیں۔ وہ چاہتا ہے کہ دین کی حقیقت جو کہ سراسر نصیحت اور خیر خواہی ہے تمام انسانوں تک خلوص، محبت اور دلسوزی کے جذبہ کے ساتھ ضرور پہنچائی جائے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو ہدایات دی ہیں وہ ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی ہوں گی:

۱۔ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۱)

اے اہل ایمان آپ کہہ دیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر اُتری اس پر اور جو صحیفے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور انکی اولاد پر نازل ہوئے اُن پر اور جو کتابیں موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو پیغمبروں کو ان کے ربّ کی طرف سے ملیں ان

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۱۳۶

سب پر ایمان لائے ۔ہم اِن پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اُسی خدائے واحد کے فرمانبردار ہیں۔

۲۔ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۱)

اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو۔ ہاں جو ان میں سے بے انصافی کریں ان سے کہہ دیں کہ جو کتاب ہم پر اُتری اور جو کتابیں تم پر اُتریں ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں۔

۳۔ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (۲)

اگر آپ سے جھگڑا کریں تو کہہ دیں کہ جو عمل تم کرتے ہو اللہ ان سے خوب واقف ہے۔جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو اللہ تم میں قیامت کے روز ان کا فیصلہ کر دے گا۔

۴۔ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ (۳)

آپ کہہ دیں اے اہل کتاب تم ہم میں برائی ہی کیا دیکھتے ہو، سوا اِسکے کہ ہم اللہ اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اس پر اور جو کتابیں پہلے نازل ہوئیں ان پر ایمان لائے ہیں اور تم میں سے اکثر نافرمان ہیں

---

(۱) سورۃ العنکبوت:۴۶

(۲) سورۃ الحج:۶۹-۶۸

(۳) سورۃ المائدہ:۵۹

۵۔ قُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ (۱)

اے نبی آپ کہہ دیں کہ جو کتاب اللہ نے نازل فرمائی ہے میں اُس پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تم میں انصاف کروں۔ اللہ ہی ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ ہم کو ہمارے اعمال کا بدلہ ملے گا اور تم کو تمہارے اعمال کا۔ ہم میں اور تم میں کچھ بحث و تکرار نہیں۔ اللہ ہم سب کو اکٹھا کرے گا اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

۶۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۲)

اے اہل ایمان جن لوگوں کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو بُرا نہ کہنا۔ کہ یہ بھی کہیں اللہ کو بے ادبی سے بے سمجھے برا نہ کہہ بیٹھیں۔ اِسی طرح ہم نے ہر اُمت کے اعمال اُن کی نظروں میں اچھے کر دکھائے ہیں۔ پھر ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے تب وہ اُن کو بتائے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔

۷۔ لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (۳)

---

(۱) سورۃ الشوریٰ:۱۵

(۲) سورۃ الانعام:۱۰۸

(۳) سورۃ الممتحنۃ:۸

جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو
تمہارے گھروں سے نکالا اُن کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک
کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو
دوست رکھتا ہے۔

۸۔ قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (۱)

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے
درمیان یکساں تسلیم شدہ ہے اس کی طرف آ جاؤ۔ وہ یہ کہ اللہ کے سوا
کسی کی بندگی نہ کریں اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم
میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا کارساز نہ بنائے۔ اگر وہ یہ بات بھی نہ
مانیں تو اُن سے کہہ دیں کہ تم گواہ رہو کہ ہم اِسی کے (لئے مُسلمون
یعنی) تابع فرمان ہیں۔

گزشتہ تمام انبیاء محدود لوگوں کی طرف اور محدود وقت کے لئے
تشریف لائے اور اپنے فرائض منصبی احسن طریقے سے ادا کر گئے۔ ان کی طرف نازل کی
جانے والی ساری کتابوں میں ایک ایسے عظیم المرتبت رسول کی بشارت دی گئی تھی جو سب
سے آخر میں آئے گا۔ روئے زمین پر بسنے والے تمام انسان اس کی اُمت ہوں گے اور
قیامت تک اس کی نبوت کا دور ہوگا چنانچہ اللہ نے نبی آخرالزمان ﷺ کے ذریعے بنی نوع
انسان پر اپنی نعمتوں کا اِتمام فرماتے ہوئے آئین حیات کو اس طرح مکمل کر دیا کہ اب کسی
نئے نبی، نئی کتاب اور نئی اُمت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ آئین رنگ و نسل

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۶۴

اور جغرافیائی اور لسانی زنجیروں سے نجات دلا کر انسانی بنیادوں پر عالمگیر محبت اور اکرام انسانیت کی دعوت دیتا ہے۔علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

تفریقِ مِلَل حکمت افرنگ کا مقصود
اِسلام کا مقصود فقط ملّتِ آدم

اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب میں تمام انسانوں کیلئے دعوتِ ایمان اور فلاحِ دارین کے حصول کا پیام ہے۔اس میں سب سے زیادہ ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اہل یہود کا آیا ہے بلکہ بنی اسرائیل کے عنوان سے ایک پوری سورت موجود ہے۔ اس لئے اہل اسلام پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ دنیا کی تمام اقوام کو اللہ کا پیغام پڑھنے اور سمجھنے کے مواقع فراہم کریں تاکہ انسانیت کیلئے اُتارے گئے اللہ کے دین کو پوری انسانیت پر غلبہ حاصل ہو جائے اور یہ زمین توحید کے نُور سے معمور ہو جائے۔اہل ایمان یقین رکھیں کہ ایسا ہو کر رہے گا کیونکہ انجام لکھا جا چکا ہے:

کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (۱)

اللہ نے یہ لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آ کر رہیں گے۔بے شک اللہ زور آور اور زبردست ہے۔

---

(۱) سورۃ مجادلہ:۲۰

اللہ کی نصرت انصار اللہ کے لیے

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ وہ ہمارے کفرو ایمان اور بغاوت و اطاعت سے بے نیاز ہونے کے باوجود محض اپنی محبت اور رحمت کے غلبہ کی بنا پر انسانوں کے لیے کفر کی بجائے ایمان کو پسند فرماتے ہیں اسی لیے انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر دنیا و آخرت کی حقیقت اور خیر و شر سے آگاہ کرنے اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے انبیاء اور رسول بھیجے۔ اس سلسلہ کی آخری کڑی ہمارے آقا و سردار سید الانبیاء، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی مخلوق کی محبت سب انسانوں سے بڑھ کر عطا فرمائی اور رحمت للعالمین کا خطاب مرحمت فرمایا۔ اللہ کے رسولوں کے جن متبعین نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کی عظیم خدمت سرانجام دی، اللہ نے کمال شفقت سے انہیں "انصار اللہ" یعنی اللہ کے مددگار کا لقب عطا فرمایا اور حضور نبی کریم ﷺ کی امت کے تمام مومنین کو "انصار اللہ" بن جانے کے لیے سورۃ الصف میں حکم فرمایا:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (۱)

اے ایمان والو! تم اللہ کے مددگار بن جاؤ۔ جیسے عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا کہ بھلا کون ہیں جو اللہ کی طرف بلانے میں میرے مددگار بنیں۔

---

(۱) سورۃ الصف: ۱۴

حضور سید الانبیا ﷺ چونکہ اللہ کے آخری رسول ہیں اس لیے دین مبین کے نور اور رحمت کو تمام دنیا کے انسانوں تک پہنچانے اور دنیا میں اللہ کی بادشاہت کا نظام قائم کرنے کی سعادت اور اعزاز قیامت تک کے لیے امتِ مسلمہ کو عطا کر دیا گیا۔ اس مقدس اور عظیم فریضہ کی ادائیگی ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کرنا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنین کو یہ کردار سونپتے ہوئے اس کے لیے لائحہ عمل بھی عطا فرمایا اور اپنی نصرت کی یقین دہانی بھی کرائی۔ چنانچہ سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا:

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (۱)

اے اہل ایمان! دعوت الی اللہ کی اس راہ میں اس طرح جدو جہد کرنا جیسا کہ اس منصب کا تقاضا ہے۔ اس نے تمہیں اس عظیم کام کے لیے چن لیا ہے اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی نا روا سختی نہیں ڈالی۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم کا ہی طریقہ ہے۔ اللہ نے پہلی کتابوں میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا اور اس کتاب میں بھی یہی ہے۔ تاکہ ہدایت کا پیغام پہنچا دینے کے بارے میں میرا رسول ﷺ تم پر گواہی دے اور تم تمام جہان کے لوگوں کے بارے میں گواہی دو۔ پس تم نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا اور اللہ کو پختہ یقین کے ساتھ پکڑے رکھنا کیوں کہ وہی تمہارا دوست ہے اور وہ کیا ہی خوب

---

(۱) سورۃ الحج:۷۸

دوست اور کیا ہی خوب مدد گار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے اپنی مدد کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ اس شرط کے ساتھ وابستہ ہے کہ تم صحیح معنوں میں انصار اللہ بنے رہو۔ جس طرح میرے رسول ﷺ نے کمال محبت، انتہائی دل سوزی اور مثالی عزم و ہمت سے میرا دین تم تک پہنچایا اور اپنی زندگی کے نمونہ سے اس کی عملی تشریح دکھلائی۔ تم بھی اس مقدس فریضہ کو پوری ذمہ داری سے نبھاؤ گے تو میں یقیناً تمہاری مدد کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح ارشاد فرمایا:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (۱)

اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔

جب تم اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں اس راہ میں صرف کرتے رہو گے تمہیں مدد کے لیے کسی دوسری طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں ہو گی اور نہ ہی کوئی دوسری قوم تمہارے سامنے سر اٹھا سکے گی لیکن اگر تمہاری کسی کوتاہی کی وجہ سے اس نے تمہاری مدد سے ہاتھ کھینچ لیا تو پھر تمہیں کہیں سے مدد نہ مل سکے گی اس لیے اپنے مقام و منصب کی پاسداری کرتے ہوئے اس جدوجہد میں کمی نہ آنے دینا۔ تم اللہ پر بھروسہ رکھنا وہ تمہارے غلبہ کے لیے ظاہری اسباب بھی مہیا کرتا رہے گا۔ چنانچہ سورۃ آل عمران میں فرمایا:

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۲)

---

(۱) سورۃ محمد: ۷

(۲) سورۃ آل عمران: ۱۶۰

اگر اللہ تمہارا مددگار رہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں
چھوڑ دے تو پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو چاہیے کہ
اللہ پر توکل رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ تشریح بھی فرما دی کہ اس کی مدد کے مستحق لوگ کس قسم کے کردار کے حامل ہوتے ہیں اور زمین پر غالب آ جانے کے بعد وہاں کس قسم کا نظام رائج کرتے ہیں۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت کے لیے شرائط ملاحظہ فرمائیے:

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (۱)

اور اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرتے اور
زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد
کرو گے اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہو گے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۲)

بے شک اللہ قدرت والا اور غالب ہے۔ وہ لوگ جنہیں اللہ زمین
میں غلبہ عطا کرے تو وہ نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور
بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں اور اللہ ہی کے لیے ہے
سب کاموں کا انجام۔

ان آیاتِ مبارکہ کی تشریح و تفسیر یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی

---

(۱) سورۃ المائدۃ:۱۲

(۲) سورۃ الحج:۴۱-۴۰

یقینی طور پر مدد فرمائے گا جو اقامت دین کے لیے اللہ کی مدد کریں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور زبردست ہے اور وہ ایسے لوگوں کو بھی دنیا میں قوت اور غلبہ عطا کرے گا۔ وہ خاص لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں قدرت اور حکومت دیں تو وہ انسانوں کو انسانوں کے جبر و استبداد سے نکالتے اور اللہ کی الوہیت کے نظام میں داخل کر کے اقامتِ صلوٰۃ کا فریضہ ادا کرتے ہیں اور وہ ہر اس کام جو انسانوں کے بھلے اور فلاح و ترقی کے لیے معاون و ممد ہونے کے لیے معروف ہو، رائج کرتے ہیں اور جو امور انسانی معاشرہ کے لیے مضرت رساں اور نقصان دہ ہوں اور ملک میں فتنہ و فساد کا باعث ہوں، انہیں قوتِ بازو سے ختم کر دیتے ہیں۔ ان کی جد و جہد کو کامیابی سے ہمکنار کرنا اور دوسرے امور کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے وعدے تو بلا شک و شبہ سچے ہیں اور وہ کبھی بھی اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا اس لیے قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں ہمیں اپنے کردار کا جائزہ لینا چاہیے اور اپنی زندگیوں کو اس راہ پر ڈالنا چاہیے جو ہمیں اللہ کی تائید و نصرت کا مستحق بنا دے۔ وہ راہ اس کے سوا کوئی نہیں کہ ہم مسلمان قرآن کے احکام پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو اللہ کے حبیبؐ کے اسوہ حسنہ کے سانچے میں ڈھال لیں اور اللہ کے بھروسہ پر دعوت الی اللہ کا فریضہ ایک بار پھر سنبھال کر شہداء علی الناس بن جائیں۔ ہم اللہ کے ہو جائیں تو یقیناً اللہ ہمارا ہو جائے گا اور ہماری مدد فرمائے گا۔

اصلاح احوال کے لیے ایک اہم حقیقت جو اظہر من الشمس ہے اور ہمیں پیش نظر رکھنی چاہیے کہ قرونِ اولیٰ میں صحابہ کرامؓ کی جس مقدس جماعت نے تاریخ ساز کارنامے انجام دیئے تھے انہوں نے کسی روایتی مکتب سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی نہ ہی وہ لوگ اللہ کی کتاب کے سوا کسی دوسری کتاب سے آشنا تھے۔ ان کی تمام تر اہلیت اور فضیلت حضور نبی کریم ﷺ کی انقلاب آفریں صحبت اور کیمیا اثر نظر کی مرہونِ منت تھی جن کی مجلس میں الفاظ نہیں سکھائے جاتے تھے بلکہ انسان بنائے جاتے تھے۔

بقول حکیم الامتؒ:

صحبت از علمِ کتابی خوشتر است
صحبت مردانِ حُر آدم گر است

حضور رحمت للعالمین ﷺ کے فیضان کی برکت سے ان سابقون الاولون کی شخصیتیں اپنے اپنے کمال کو پہنچ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے جو بھی جوہر جس فرد کو عطا کر رکھا تھا وہ سراج منیر ﷺ کے نور سے نکھر کر اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ یہ انسانی تاریخ میں ایک بے مثال روحانی انقلاب تھا اور اس کی بدولت قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے تہذیب وتمدن اور فتوحات کی نئی تاریخ رقم کی جس کی مثال دنیا کی کوئی دوسری قوم پیش نہیں کر سکتی۔ مسلمانوں نے نہایت ہی قلیل عرصہ میں قیصر و کسریٰ جیسی دو عظیم طاقتوں کا غرور خاک میں ملا کر دنیا پر اپنی سیادت قائم کر لی۔ ایک بار پھر میں امام مالکؒ کا قول خاص طور پر آپ کے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آپؒ نے فرمایا:

جس طریقہ سے اول دور میں امت کی اصلاح ہوئی تھی آخری دور میں بھی اسی طریقہ سے ہوگی۔

اس لیے امت کی اصلاح کے لیے جہاں کئی دوسرے طریقے اور علاج آزمائے جا چکے ہیں وہاں فیضان صحبت اور روحانی قوت کے اثر سے اصلاح کرنے کا فقیری نسخہ بھی ضرور آزمانا چاہیے۔ بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے اس عظیم روحانی تجربہ کو آگے بڑھانے کے لیے ہم سب کو عزم و ہمت اور ایثار و خلوص سے کام لینا ہوگا۔ اسی طرح وہ مقاصد حاصل ہو سکیں گے جن کی خاطر اس نئے سلسلہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔

آخر میں ایک مرتبہ پھر بانی سلسلہ توحیدیہ کے ایک اہم خطبے کا کچھ حصہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ ان کا پیغام صاف اور واضح الفاظ میں آپ تک پہنچ جائے۔ آپؒ نے ملتان میں منعقد ہونے والے گیارہویں سالانہ اجتماع میں

فرمایا:

حضرت مجددالف ثانیؒ نے اپنے زمانے میں معاشرہ کی اصلاح کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ پہلے خاموشی سے ایک جماعت اولیاء اللہ کی تیار کی اور پھر اس جماعت کے افراد کو امراء اور وزراء کے پاس بھیج کر ان کی اصلاح کرائی جس کا فائدہ تاریخ کے صفحات سے آج بھی ثابت ہے میں نے بھی وہی وطیرہ اختیار کیا۔۱۹۵۰ء سے اب تک بزرگوں کی ایک جماعت پیدا کرنے میں لگا رہا ہوں۔اب جب کہ ہماری جماعت میں اچھے بزرگوں اور اولیاء اللہ کی تعداد کافی ہوگئی ہے میں چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت دیہات وامصار میں پھیل جائے اور دیہات کے لوگوں کی مذہبی اخلاقی اور روحانی اصلاح کا کام شروع کر دے۔اس میں مشکل یہ درپیش ہے کہ ہمارے تمام بھائی کاروباری یا ملازمت پیشہ ہیں اس وجہ سے باہر جا کر کام نہیں کر سکتے۔یہ مجبوری ہے مگر باوجود اس کے ہم کو فوراً یہ کام شروع کر دینا چاہیے ہمیں چاہیے کہ ہم کچھ دن کی چھٹیاں لے کر دیہات میں جائیں اور وہاں توحید و روحانیت کا نور پھیلائیں اس طرح سے جو کچھ تھوڑا بہت تجربہ ہم نے کیا ہے وہ بہت ہی حوصلہ افزا ہے،لوگ اس طرح گرتے ہیں جیسے شمع پر پروانے ٗدنیا ہماری منتظر ہے،شراب توحید و ولایت کے طالب ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں تشنہ کام اور مایوس بیٹھے ہیں اس لیے اے میرے دوستو!اب آپ بلاتاخیر یہ کام شروع کر دیں۔اس سے بہتر دنیا میں کوئی عبادت اور کوئی نیک کام نہیں۔ کیا عجب ہے کہ ربّ کریم نے یہ سعادت ہمارے حلقہ کی تقدیر میں لکھی ہو کہ ہم بھولے بھٹکوں کو اللہ کا سیدھا اور سچا راستہ دکھائیں ان کو

نہ صرف مسلمان بلکہ مومن اور ولی اللہ بنا دیں۔اس طرح رفتہ رفتہ قرآن کریم کے بھلائے ہوئے سبق پھر یاد آ جائیں اور احیاء اسلام کا سہرا پاکستان کے سر رہے۔امید بہت بڑی اور بضاعت بہت کم ہے کو چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے لیکن خلوص دل اور محنت سے کام کرنے والوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ ضرور نوازتا اور فائز المرام فرماتا ہے۔(۱)

(۱) چراغ راہ

اصلاح کا کام

ارکان سلسلہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی سلسلہ توحیدیہ قائم کرنے کی غرض و غایت کیا تھی۔آپ نے سلسلہ کی مکمل تعلیم، اس کی انفرادیت اور اغراض و مقاصد کو اپنی تصانیف میں بڑی وضاحت کے ساتھ تحریر فرما دیا۔آپ نے روحانی بنیادیوں پر اصلاح کی اس تحریک کو شریعت کے مطابق اور سائنسی بنیادوں پر منظم کیا تاکہ اللہ والے صوفیوں کی ایک جماعت تیار کی جائے، جو مخلوق خدا کی خدمت اور اصلاح کا کام روحانی طریقے سے انجام دے سکے۔

اصلاح کے لیے مطلوبہ صلاحیت پیدا کرنے کے لیے سلسلہ کی تعلیم میں کثرت ذکر کے ساتھ ساتھ نماز کی پابندی اور اخلاق کی اصلاح پر بہت زور دیا گیا ہے اور تمام مریدوں کو اس تعلیم پر پورے جوش و جذبہ اور ثابت قدمی سے عمل کرنے کا حکم ہے کیوں کہ اصل چیز تعلیم ہی ہوتی ہے۔شخصیات آتی جاتی رہتی ہیں لیکن تعلیم باقی رہتی ہے اسی لیے بانی سلسلہ نے کبھی بھی شخصیت پرستی کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی۔آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہم دیدار بازی کے قائل نہیں ہیں۔مرشد کو زندگی میں دو چار مرتبہ دیکھ لینا کافی ہے اصل کام تعلیم پر عمل ہے۔تعلیم پر عمل کرو گے تو جہاں بھی ہو گے تمہیں میرا فیض پہنچتا رہے گا۔ اگر تعلیم پر عمل نہ کرو گے تو میرے ساتھ رہنے سے بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا۔

قارئین کرام! اس وقت ہمارا ملک بلکہ پورا عالم اسلام جس نازک دور سے گزر رہا ہے اور جو ہماری اخلاقی حالت ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ بایں ہمہ مایوس ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ ہمیں رجائیت کی تعلیم دی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ نظر کرم

فرمادیں تو حالات بدلتے دیر نہیں لگتی۔لیکن اسلام بے عملی کی تعلیم نہیں دیتا اس لیے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا کسی صورت بھی مناسب نہیں ہے۔ہم سب بھائی دل سے یقین رکھتے ہیں کہ بانی سلسلہ کی تعلیم قرآن کریم اور حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی سنت کے عین مطابق ہے۔اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس تعلیم کے علمبردار ہونے کی حیثیت سے جو عظیم ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے اس کا احساس کریں اور اس تعلیم کو نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے کونے کونے میں پھیلانے کے لیے عزم صمیم کرلیں۔ یہ بہت بڑا کام ہے لیکن اللہ کی مدد شامل حال ہو تو کوئی چیز ناممکن نہیں رہتی۔ہاں شرط یہ ہے کہ اللہ کی خاطر اس کام کے لیے کمر ہمت باندھ لیں۔اللہ تعالیٰ سورۃ محمد میں ارشاد فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (۱)

اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔

میں انتہائی دل سوزی کے ساتھ سلسلہ کے بزرگ اور نوجوان بھائیوں کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ وقت کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اصلاح امت کے کام کو دوسرے سب کاموں پر فوقیت دیتے ہوئے اسے اپنی زندگی کا مقصود قرار دے لیں۔اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی اصلاح کا کام بانی سلسلہ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہر بھائی، ہر جگہ اور ہر مناسب موقع پر کرنے کا عزم کرے۔لوگوں کے دل اور انسانی کوشش کے ثمرات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ہمیں نتائج کو اللہ پر چھوڑتے ہوئے لوگوں کو نماز کی پابندی، کثرت ذکر، توکل علی اللہ اور کسب حلال کی دعوت دینے کا کام جوش و جذبہ کے ساتھ جاری رکھنا ہے۔اس سلسلہ میں بھائیوں کے ذہن میں جو تجاویز ہوں وہ ضرور سامنے لائی جائیں تاکہ انہیں اپنا کر بہتر نتائج حاصل کیے جائیں اور اللہ تعالیٰ کے جو بندے غفلت

---

(۱) سورۃ محمد : ۷

کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو بھولے ہوئے ہیں اس کے در پر آ جائیں اور حضور نبی کریم ﷺ کا اتباع کرتے ہوئے دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جائیں۔

محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اللہ کی مخلوق کی اصلاح کا کام کرنے سے بڑی کوئی نیکی نہیں ہے یہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مدد کرنا ہے۔اس کی راہ میں دل اور جان سے جہاد کرنے والوں کو اللہ نے دنیا اور آخرت میں اجرِ عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے آپ سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم کے فروغ کے لیے جس قدر خلوص اور محنت سے کام کریں گے اللہ اپنے فضل سے روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ اسی قدر دنیوی خوش حالی بھی عطا فرمائے گا۔

اللہ کے بھروسہ پر یہ کام ہمیں ہی کرنا ہے کیوں کہ اس کے لیے آسمان سے فرشتے تو نہیں آئیں گے۔البتہ جو اللہ کی رضا کی خاطر کام کرتے ہیں اللہ ان کی مدد ضرور فرماتے ہیں اور اگر فضائے بدر پیدا ہو جائے تو فرشتے بھی مدد کے لیے اتر آتے ہیں۔ میں اپنی علمی بے مائیگی کے باوجود اپنی سمجھ بوجھ اور اہلیت کے مطابق اپنے ہادی و مرشد کے مقدس مشن کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی سی کوشش کر رہا ہوں۔اللہ کی رضا اور حضور ﷺ کی خوشنودی کی خاطر تعمیرِ ملّت کے اس کام میں آپ بھائی جو تعاون کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین! جو اللہ تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں اللہ ان کا ہو جاتا ہے۔جو اللہ کے دین کی رحمتیں اور برکتیں اور مادی سہولتیں دوسرے انسانوں تک پہنچانے کی فکر میں لگ جاتے ہیں اللہ ان کے کاموں کو سنوارنے میں لگ جاتے ہیں اور ان کے سب کاموں میں برکت ڈال دیتے ہیں۔

اب میں سلسلہ توحیدیہ کی تنظیم کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ہمارا یہ سلسلہ کوئی سیاسی یا معاشرتی جماعت نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک خاص صوفیوں کی جماعت ہے۔یہ سلسلہ صرف لوگوں کے اخلاق کی اصلاح روحانی طریقوں سے کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔

روحانی سلسلوں میں جب تک اپنے شیخ یعنی مرشد کی کامل اطاعت نہ
کی جائے تصوف کا علم حاصل نہیں ہوسکتا اس لیے جو لوگ واقعی ترقی کرنا چاہتے ہیں ان کے
لیے ضروری ہوتا ہے کہ اپنے مرشد کی ہدایات پر پوری دل جمعی کے ساتھ عمل کریں۔ اس کے
علاوہ بزرگوں کی صحبت کے بارے میں ایک نازک سانکتہ یہ ہے کہ روحانی فیض صرف اور
صرف محبت کے تاروں کے ذریعے منتقل ہوتا ہے اس لیے کسی بزرگ سے فیض حاصل کرنے
کے لیے ان کے ساتھ صرف عقیدت کا ہونا کافی نہیں ہوتا بلکہ اس میں محبت کی چاشنی کا شامل
ہونا بھی بہت ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح جس آدمی کی اصلاح کرنا مقصود ہو جب تک اس
کے لیے پوری دل سوزی کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ آپ کے اندر کارفرما نہیں ہوگا اصلاح کا
کام بارآور نہیں ہو سکے گا، اس لیے آپ سب بھائیوں کو محبت کے جذبہ کو زیادہ سے زیادہ
فروغ دینا چاہیے کیوں کہ دل محبت ہی سے فتح کیے جاتے ہیں۔ اس اصول کو ہمیشہ مدنظر
رکھیں کہ گناہ سے تو نفرت ہونی چاہیے لیکن گنہگار سے ہرگز نہیں۔ اس پر تو آپ کو رحم آنا
چاہیے کہ بہترین صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا گیا یہ انسان ناسمجھی، کج فہمی اور غفلت کی وجہ
سے جہنم کے گڑھے کی طرف بڑھے چلا جارہا ہے اور اسے اس دردناک انجام سے بچانے
کے لیے اپنی ساری ہمت صرف کردینی چاہیے۔

اگر ہم یہ کام محض اللہ کی رضا کی خاطر سرانجام دیں اور اس میں ذاتی
بزرگی کا خیال اور نام ونمود کی خواہش کی کوئی آمیزش نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت یقیناً
ہمارے ساتھ ہوگی۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی بندہ اللہ کا کام کر رہا ہو اور اللہ اس کی مدد نہ
کرے۔ آپ قرآن حکیم اور نبی کریم ﷺ کے احکام کے مطابق نماز اور کثرتِ ذکر سے
دلوں میں روحانی قوت پیدا کریں اور محبت وصداقت اور خدمت انسانیت کے عظیم مقصد کا
علم تھام کر پوری دل جمعی کے ساتھ اصلاح کا کام شروع کردیں تاکہ چراغ سے چراغ جلتے
چلے جائیں اور محبت کا فیض عام ہو جائے اور کرہ ارض پر بسنے والے تمام انسان اللہ تعالیٰ
کے آخری رسول ﷺ کی رحمت کے سایہ میں آ کر فلاح دارین حاصل کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ

ہمارا حامی و ناصر ہو، ہماری راہنمائی فرمائے، ہر مشکل آسان فرمائے، اس عظیم کام کے لیے مطلوبہ ذرائع اور روحانی قوت عطا فرمائے اور لوگوں کے دلوں کو دین حق کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ